بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ (البقرہ ۱۰۵)

(اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے)

سیرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ (بقرہ: ۱۰۵)
(اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے)

سیرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء

نام کتاب............سیرت مجدد الف ثانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

تحریر............پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

کتابت............محمد یعقوب خوشنویس، کیلیانوالہ

تعداد............بارہ سو

اشاعت اول......۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء

(طابع: فریدالدین، محمد مبین، ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

اشاعت دوم......۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

طابع............جاوید اقبال مظہری

مطبع............برکت پریس، کراچی

ناشر............امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی

ھدیہ............

ملنے کے پتے

☆ امام ربانی فاؤنڈیشن، اے ون، پلاٹ نمبر ۲۳، اسٹیڈیم لین نمبر ۴، خیابان شمشیر، ڈیفنس فیز ۵، کراچی

☆ ادارۂ مسعودیہ، ۲/۶ ۵ ـ ای ناظم آباد کراچی ـ فون ۶۶۱۴۷۴۷ ـ ۰۲۱

☆ ضیاء الاسلام پبلی کیشنز، ضیاء منزل (شوگن مینشن) ایم ـ اے ـ جناح روڈ، عیدگاہ کراچی ـ فون ۲۲۱۳۹۷۳

☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴ ـ انفال سینٹر، اردو بازار کراچی ـ فون ۲۶۳۰۴۱۱ ـ ۰۲۱

☆ مکتبہ غوثیہ ہول سیل، پرانی سبزی منڈی، نزد پولیس چوکی محلہ فرقان آباد یونیورسٹی روڈ، کراچی

☆ فرید بک اسٹال، ۳۸ ـ اردو بازار، لاہور ـ فون ۷۲۲۴۸۹۹ ـ ۰۴۲

☆ مکتبہ جامعہ نقشبندیہ بستان العلوم، کڈھالہ (مجاہد آباد)، براستہ گجرات، آزاد کشمیر، پاکستان
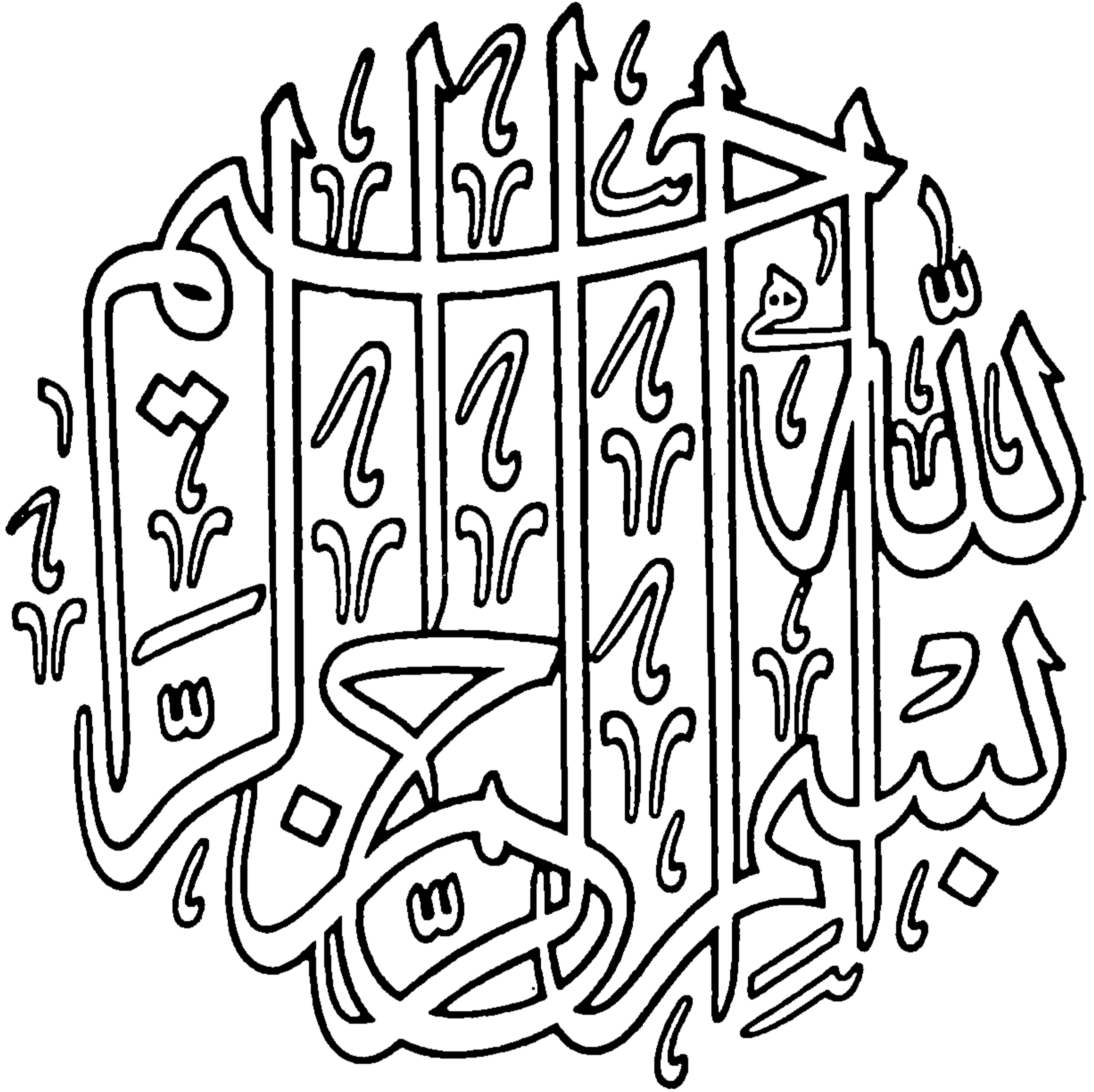
بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدیؒ
کتبہٗ گوہر قلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنتساب

بنامِ نامی والد گرامی، استاذی و مرشدی،
مخدومنا المعظم ذو المجد والکرم، اعلیٰ حضرت مفتیٔ
اعظم ہند الحاج شاہ محمد مظہر اللہ،
قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز، شاہی امام مسجد
جامع فتح پوری، دہلی

قوّتِ دین و قُدرتِ یزدان مظہر اللہ مفتیٔ اعظم
رُوحِ اسلام و جوہرِ ایمان مظہر اللہ مفتیٔ اعظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اظہارِ تشکر

پاکستان و ہندوستان اور بیرونی ممالک کے مندرجہ ذیل علماء و فضلاء، محسنین و مشفقین اور محبین نے اس کتاب کی تدوین و ترتیب میں اعانت فرمائی۔ احقر ان سب حضرات کا تہ دل سے ممنون ہے۔

پاکستان:

کراچی:

حضرت مولانا محمد ہاشم جان مجددی سرہندی مدظلہ العالی۔

جناب ڈاکٹر محمود حسین صاحب (وائس چانسلر، کراچی یونیورسٹی)

مولینا مفتی محمد مظفر احمد صاحب

جناب پیر حسام الدین راشدی

جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن (سابق ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد)

جناب ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم (سابق ڈائرکٹر اقبال اکادمی، کراچی)

جناب بشیر احمد ڈار (سابق ڈائرکٹر اقبال اکادمی، کراچی)

جناب خواجہ عبدالحمید کمالی (ڈائرکٹر اقبال اکادمی، کراچی)

مولوی عبدالحلیم چشتی (شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی لائبریری)

مولانا عبدالحمید دین پوری (دارالافتاء مدرسہ عربیہ جامع مسجد نیوٹاؤن، کراچی)

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی (دارالافتاء، دارالعلوم، کراچی)

پروفیسر عبدالقدیر سلیم۔

جناب ظہور احمد صاحب (مالک یونیورسل بلاک، کراچی)

جناب حکیم محمد تقی صاحب (مالک مشہور آفسٹ پریس، کراچی)

جناب سرفراز علی صاحب (کتب خانہ خاص، انجمن ترقی اردو، کراچی)

جناب سید انور علی صاحب ایڈووکیٹ۔

جناب خالد اسحاق صاحب ایڈووکیٹ۔

حیدرآباد:

حضرت الحاج مولانا مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی۔

حضرت الحاج ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں دامت برکاتہم العالیہ (صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سندھ)

صاحبزادہ مولوی ابوالخیر محمد زبیر صاحب (رکن الاسلام، جامعہ مجددیہ)

پروفیسر رفعت علی خاں

پروفیسر عزیز احمد فاروقی (کیڈٹ کالج، پٹارو)

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی (شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد سندھ)

ٹنڈو ادِ خلیل:

حضرت مولانا محمد ابراہیم جان مجددی سرہندی

میرپورخاص:

حضرت الحاج مولانا محمد اسحاق جان مجددی سرہندی

جناب محمود احمد مرحوم (لائبریرین شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج، میرپورخاص)

جناب غلام مرتضیٰ صاحب (سابق لائبریرین شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج، میرپورخاص)

ماتلی:

جناب مولانا بشیر احمد صاحب (خطیب و امام جامع مسجد ماتلی)

ٹنڈو محمد خان:

حضرت الحاج آغا عبداللہ جان مجددی سرہندی علیہ الرحمہ۔

جناب قاری محمد شاہد صاحب

بہاولپور:

پروفیسر سید محمد عارف، گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج، بہاول پور)

لاہور:

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم (سابق نگران شعبہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

مولانا غلام رسول مہر مرحوم۔

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی۔

ڈاکٹر سید عبداللہ (نگران شعبہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام مرحوم (سابق چیف اڈمنسٹریٹر اوقاف، مغربی پاکستان، لاہور)

ڈاکٹر جاوید اقبال (ابن ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم)

سید نذیر نیازی۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی (پرنسپل اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی (شارحِ اقبال)

مولوی عبداللہ قریشی۔

جناب محمد اسلم صاحب (صدر شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

پروفیسر محمد اقبال مجددی۔

سید غلام شبیر بخاری (ایجوکیشن اڈوائزر محکمۂ اوقاف، مغربی پاکستان، لاہور)

بندیال:

حضرت مولانا عطا محمد صاحب (شیخ الجامعہ دارالعلوم امدادیہ مظہریہ، بندیال)

چکوال :

جناب مولانا عبد الحکیم شرف قادری (انجمن اسلامیہ اشاعۃ العلوم، چکوال)

چک نمبر ۱۵ :

جناب سید نور محمد قادری صاحب

سیالکوٹ :

جناب مولانا ساجد الرحمن صدیقی (مدیر ماہنامہ "رشاد" سیالکوٹ)

اسلام آباد :

مولانا عبد القدوس ہاشمی (نگراں کتب خانہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد)،

ڈاکٹر صغیر حسن المعصومی (ڈائریکٹر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد)

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی (مدیر "فکر و نظر" ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد)

کوئٹہ :

حضرت مولانا سالم ابو سعید مجددی،

جناب محمد اسد صاحب (لائبریرین گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ)

ہندوستان :

دہلی :

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی)

حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی مجددی (سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ، دہلی)

جناب عبد الحمید صاحب (مدیر سہ ماہی "اسٹڈیز ان اسلام"، نئی دہلی)

مولانا محمد آصف جاہ (ابن مولنا مفتی محمد مشرف احمد، مسجد جامع فتح پوری، دہلی)

جناب محمد نسیم خاں صاحب۔

لکھنو :

مولانا محمد منظور نعمانی

(مدیر ماہنامہ "الفرقان"، لکھنؤ)

دریا آباد :

مولانا عبدالماجد دریا آبادی

اعظم گڑھ :

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (مدیر ماہنامہ "معارف"، اعظم گڑھ)

گوالیار :

جناب رضا محمد حضرتجی صاحب (ڈائرکٹر غمگین اکادمی، گوالیار)

بیرونی ممالک :

افغانستان :

ضیاء المشائخ حضرت مولانا محمد ابراہیم جان مجددی (قلعہ جواد، کابل)

فرانس :

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (سابق صدر شعبۂ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد دکن، حال مقیم پیرس)

آنجہانی ماریں موے (فرینچ مستشرق، پیرس)

انگلستان :

ڈاکٹر اے۔ جے آربری (پمبروک کالج، کیمبرج)

جناب محمد شبیر علی خاں (لندن)

جناب مرزا قدیر بیگ (مسلم نیوز انٹرنیشنل، لندن)

امریکہ :

ڈاکٹر فزی لینڈ ایبٹ (پروفیسر شعبۂ تاریخ ٹفٹس یونیورسٹی، میڈفورڈ، میساچوسٹس)

ھالینڈ :

ڈاکٹر جے۔ایم۔ایس۔ بلیاں (پروفیسر شعبۂ اسلامیات، لیڈن یونیورسٹی، لیڈن)

کینیڈا :

ڈاکٹر یوحنا فریڈمین (مانٹریال)

اٹلی : جناب علی احمد ہاشمی (سفارت خانۂ پاکستان، روم)

لبنان:

پروفیسر محمد حنیف خاں (امریکن یونیورسٹی آف بیروت، بیروت)

ترکی:

جناب حسین علمی الشیق (استنبول)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرس

واستغفر اللہ العظیم اللہ الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش گفتار

(۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء)

☆☆

ابوالسرور محمد مسرور احمد

☆☆

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ (م۔۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) عالم اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کا روحانی فیض گزشتہ چار سو برس سے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں جاری و ساری ہے لیکن پچاس ساٹھ برس پہلے مؤرخین کی غفلت سے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں جس شان سے آنا چاہیے تھا نہ آیا، آیا تو ذکر کیا ہی نہ گیا یا ذکر کیا تو نہایت سرسری۔ برصغیر کی تاریخ میں جدید علمی دنیا میں سب سے پہلے جس نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا وہ ڈاکٹر محمد اقبال تھے جن کو حضرات اہل اللہ کی روحانی قوت کا صحیح ادراک تھا اسی لیے تو انہوں نے کہا تھا ؎

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ڈاکٹر اقبال نے محسوس کیا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی اگر قسمت بدل سکتی ہے تو حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے افکار و تعلیمات پر عمل کر کے ہی بدل سکتی

ہے اسی لیے انہوں نے یہ التجا کی ؎

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ

تیرے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی

ڈاکٹر محمد اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تصور ''وحدت الشہود'' کو اپنا کر ہی اپنا عالم گیر ''تصور خودی'' پیش کیا۔ حضرت والد ماجد پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی نے اپنے ایک تحقیقی مقالے میں ڈاکٹر اقبال پر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے اثرات کا جائزہ لیا ہے[1]۔

برصغیر کی تاریخ میں حضرت مجدد الف ثانی جیسا کوئی مرد مجاہد نظر نہیں آتا، یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ برصغیر کی اسلامی تاریخ میں کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی مسلم حکمران نے اسلام کا نام لینے والوں، اسلام کی تبلیغ کرنے والوں اور اسلام کے احکام پر عمل کرنے والوں کے سر قلم کیے ہوں یا ان کو جلاوطن کیا ہو یا طرح طرح کی اذیتیں دی ہوں۔ یہ ناگفتہ حالات صرف وصرف حضرت مجدد الف ثانی کے دور میں نظر آتے ہیں۔ ان حالات میں آپ نے تجدیدی اور تبلیغی مساعی کا آغاز کیا تفصیل اس کتاب میں مطالعہ کی جاسکتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں تصور ''وحدۃ الوجود'' کی غلط تشریحات نے مسلمانوں کو اسلام سے بے گانہ کر دیا تھا کیونکہ ہر دل میں یہ سوال اٹھتا تھا کہ جب وجود ایک ہے اور باقی موجودات وہمی وخیالی ہیں تو اسلام اور اسلام کے احکام کس

[1]...... یہ مقالہ کتابی صورت میں مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ نے شائع کیا پھر کراچی سے اس کا انگریزی ترجمہ ادارۂ مسعودیہ نے ۱۹۹۶ء میں شائع کیا اور اصل اردو بھی ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔

کے لیے ہیں ؟اس کا کوئی جواب نہ تھا۔اسی سے گمراہی پھیلتی چلی گئی۔حضرت مجدد الف ثانی نے ''تصور وحدت الشہود'' پیش کر کے گمراہی کا سد باب کیا۔اور یہ بتایا کہ ''الہٰ ،الہٰ ہے،عبد،عبد ہے نہ الہٰ عبد ہوسکتا ہے اور نہ عبد،الہٰ'' گویا آپ نے اللہ کے علاوہ ساری موجودات کی نفی کے ماحول میں یہ بتایا کہ ''واجب الوجود'' کے علاوہ ایک ''ممکن الوجود'' بھی ہے جس کا قرآن کریم میں بار بار ذکر کیا گیا،اسلام کے سارے احکام اسی ممکن الوجود کے لیے ہیں۔اس طرح فکر و خیال کا ایک عظیم فساد رفع ہو گیا اور بات سمجھ میں آنے لگی۔

اکبری دور میں تصور ''وحدۃ الوجود'' کی غلط تشریحات نے ایک عظیم فساد برپا کیا،اسلام کا نام و نشان مٹانے کی پوری کوشش کی گئی جس کی تفصیل دربار اکبری کے سابق امام ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ میں دی ہے اور حضرت مجدد الف ثانی نے بھی اشارۃً اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔اس میں شک نہیں اگر حضرت مجدد الف ثانی حکیمانہ و مدبرانہ انداز سے اس فساد کو نہ روکتے تو برصغیر کا حال بھی ہسپانیہ جیسا ہو چکا ہوتا۔پھر بعد کے آنے والے مصلحین کس زمین میں اسلام کا پودا لگاتے؟۔بے شک حضرت مجدد الف ثانی کے بعد آنے والے تمام مصلحین پر حضرت مجدد الف ثانی کا احسان عظیم ہے۔جن کو تاریخی حقائق کا علم ہے وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔حضرت مجدد الف ثانی نے تکفیری مہم نہ چلائی بلکہ اصلاحی مہم چلائی۔بیمار کو بیمار ثابت کرنا بھی حکمت ہے مگر بیمار کا علاج کرنا اور اس کو صحتمند بنانا اصل حکمت ہے۔آپ نے بیمار ملت کو صحتمند بنایا اسی لیے ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا ؎

وہ ہند میں سرمایہ ء ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

پیش نظر کتاب ''سیرت مجدد الف ثانی'' حضرت والد ماجد مدظلہ العالی کے استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (صدر شعبہ ء اردو، پروفیسر ایمرٹس، سندھ یونیورسٹی) کی تحریک و ترغیب کا نتیجہ ہے پاکستان کے چوٹی کے محققین میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا شمار ہوتا ہے آپ ہی کی تحریک پر حضرت والد ماجد نے ''شیخ احمد سرہندی'' کے عنوان سے ۱۹۶۱ء میں ایک طویل مقالہ قلم بند کیا جس کی پہلی قسط معارف (اعظم گڑھ) کے جون ۱۹۶۱ء کے شمارہ میں شائع ہوئی یہ رسالہ بین الاقوامی معیار کا رسالہ ہے اور پوری دنیا میں پڑھا جاتا ہے، چونکہ مقالہ جدید تحقیقی انداز سے لکھا گیا تھا اس لیے مخالف و موافق سب ہی نے اس کی پذیرائی کی ۔مثلاً منظور احمد نعمانی، غلام رسول مہر، عبدالماجد دریا آبادی، معین الدین ندوی وغیرہ، فرانس کے پروفیسر مارین مولے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے صدر شعبہ ء عربی اور ڈین ڈاکٹر رضوان اللہ مرحوم جنھوں نے میکگل یونیورسٹی کینڈا میں اس مقالہ کو پڑھا تھا۔ بہر حال یہ مقالہ نو قسطوں میں مسلسل شائع ہوتا رہا اور آخری قسط فروری ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔ عرصہ دراز بعد یہ مقالہ کمانڈر محمد ظفر صاحب کی کاوش سے ۱۹۹۴ء میں کمپوز ہوا اور جناب حاجی محمد الیاس مسعودی کی کوشش سے ادارۂ مسعودیہ کراچی کی طرف سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا گویا ''سیرت مجدد الف ثانی'' کے ۲۰ برس بعد، لیکن اتنا مقبول ہوا کہ ۹،۸ سال میں تین اڈیشن ختم ہو چکے ہیں اور چوتھے اڈیشن کی تیاری ہے۔

لیکن اس سے بہت پہلے ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۲ء کے درمیان اس مقالے میں

بہت سے اضافے کیے گئے...... پھر شیخ محمد اکرام (چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف پاکستان) نے اس کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ یہ مقالہ ''سیرت مجدد الف ثانی'' کے عنوان سے از سر نو مرتب ہوا۔ وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی ڈاکٹر محمود حسین اور دیگر علماء و مشائخ نے اس پر تقریظیں لکھیں پھر اس کو مشہور پریس کراچی کے مالک حکیم محمد تقی مرحوم نے بڑے ذوق و شوق سے کتابت کروایا لیکن وہ علیل ہو گئے پھر تاخیر ہوتی چلی گئی بالآخر ان کے فرزند نسبتی جناب افتخار احمد صاحب اور جناب فریدالدین صاحب نے طبع کرایا اور مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی سے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا۔ اب یہ کتاب کافی عرصہ سے ناپید تھی چنانچہ امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی کی طرف سے شائع کی جارہی ہے۔ اس دوسرے اڈیشن میں کتاب کا سائز بھی بڑا رکھا گیا ہے، نئی سیٹنگ کی گئی ہے، بہترین آفسٹ کاغذ، بہترین جلد اور بعض عمارات کے عکس بھی شامل ہیں اس طرح سے ان شاء اللہ تعالیٰ نقش ثانی، نقش اول سے بہت بہتر ہوگا اس سلسلے میں محترم ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری، حاجی محمد الیاس مسعودی، جناب سید محمد منصور مسعودی اور جناب نور احمد مسعودی وغیرہ کی مساعی جمیلہ قابل ذکر ہیں اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے......

۱۹۶۰ء میں جب حضرت والد ماجد مدظلہ العالی، حضرت مجدد الف ثانی پر مقالہ لکھ رہے تھے تو اس کی اطلاع جد امجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کو دی گئی۔ حضرت مفتی اعظم نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور مبارک باد دیتے ہوئے دعاؤں سے نوازا اور جواب تحریر فرمایا:۔

حضرت مجدد صاحب رحمہ المولی القوی کے حالات پر مقالہ تحریر

کرنا مبارک ہو! اللہ تبارک وتعالیٰ کما حقہ اس میں کامیاب
فرمائے اور ایسے امور میں تحاریرتم سے کرائے۔

(مکتوبہ، یکم نومبر ۱۹۶۰ء، دہلی)

یہ اللہ کے ایک ولی کا مکتوب گرامی تھا، جو انہوں نے فرمایا وہ ہو کر رہا۔
۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۲ء تک مقالہ ''شیخ احمد سرہندی'' شائع ہوا پھر اس میں بہت سے اضافے ہوئے اور ''سیرت مجدد الف ثانی'' کے عنوان سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔
پھر اصل مقالہ ''حضرت مجدد الف ثانی...... حالات وخدمات'' کے عنوان سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ۲۰۰۲ء میں حضرت والد ماجد مدظلہ العالی کی سرپرستی میں مولانا جاوید اقبال مظہری نے امام ربانی فاؤنڈیشن (انٹرنیشنل) کراچی قائم کی جس نے چار سال مسلسل کوشش کے بعد ۲۰۰۵ء میں ''جہان امام ربانی مجدد الف ثانی'' کے عنوان سے سات جلدوں پر مشتمل ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا شائع کیا۔ جس کی بقیہ تین جلدیں ابھی زیر تدوین ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ ۲۰۰۶ء تک شائع ہو جائیں گی۔ اس طرح اس انسائیکلوپیڈیا کی کل دس جلدیں ہو جائیں گی۔ **تلک عشرة کاملة**

علامہ محمد رضوان احمد نقشبندی مسعودی نے ''جہان امام ربانی مجدد الف ثانی'' کی چھے جلدوں پر ایک تعارفی مقالہ لکھا تھا جو ہم اس پیش گفتار میں شامل کر رہے ہیں تاکہ قارئین کرام کو اندازہ ہو کہ ایک ولی کامل شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ کی دعائیں کیسی مقبول ہوئیں اور ۱۹۶۰ء میں جس کام کا آغاز کیا گیا تھا وہ ۲۰۰۶ء میں کہاں سے کہاں پہنچ رہا ہے۔ **اصلها ثابة و فرعها فی السمآء**

اب ہم علامہ محمد رضوان احمد نقشبندی کے مقالہ کا وہ حصہ پیش کر رہے ہیں جو

جہان امام ربانی سے متعلق ہے۔

☆

''جہان امام ربانی'' جو درحقیقت آپ (حضرت مجدد الف ثانی) کے حالات زندگی، فضائل وکمالات، افکار ونظریات، تبلیغ وارشاد، مکتوبات ومصنفات، اولاد واحفاد، خلفاء وسفراء اور مشائخ نقشبندیہ مجددیہ پر علمی وفکری اور تحقیقی مقالات اور مضامین کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس لیے بجا طور پر اس کا عنوان ''جہان امام ربانی'' رکھا گیا ہے۔ یقیناً یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد کام ہے کیونکہ ہماری معلومات کے مطابق اب تک کسی بھی شخصیت کے بارے میں اتنا مواد یکجا نہیں کیا گیا۔ یہ ایک عظیم منصوبہ عہد حاضر کی مایہ ناز شخصیت، سرمایہ دین وملت، فخر مجددیت، صاحب علم وعرفان، پیکر رشد وہدایت، مسعود ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب (دامت برکاتہم) کی علمی روحانی سرپرستی میں امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی کے زیر اہتمام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس عظیم منصوبے کی تکمیل پر ہم حضرت مسعود ملت اور امام ربانی فاؤنڈیشن کے بانی مولانا جاوید اقبال مظہری اور ان کے معاونین کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

اس مختصر سے وقت میں کتاب کا مکمل تعارف تو پیش نہیں کیا جا سکتا البتہ اجمال واختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے طائرانہ انداز میں ایک تعارفی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ تاہم اس کی اصل قدر وقیمت کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔

جہان امام ربانی چھ ضخیم اقالیم یعنی جلدوں پر مشتمل تقریباً چار ہزار صفحات کا ایک سوانحی اور تاریخی مجموعہ ہے۔ جبکہ ساتویں جلد نورٌ علیٰ نور (مرقعات جہان امام ربانی) کے نام سے علیحدہ سے شائع کی گئی ہے جو کہ اس سلسلے سے تعلق رکھنے

والے روحانی، تاریخی اور علمی وفکری آثار کے خوبصورت اور دیدہ زیب عکوس کا مجموعہ ہے۔

اس جہان کو چھ اقالیم پر قائم کیا گیا ہے۔ اور ہر اقلیم کو پانچ کشوروں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ خیال رہے کہ اقلیم سے مراد جلد ہے اور کشور سے مراد فصل لی گئی ہے۔ پھر ہر ہر کشور علمی و تحقیقی شہ پاروں سے مزین و آراستہ ہے۔

مثلاً اقلیم اول کی پہلی کشور کا جائزہ لیں تو اس میں ہمیں آپکی آمد مبارکہ سے پہلے صاحبان نظر بزرگوں کی آپ سے متعلق بشارات اور پیش گوئیوں اور آمد مبارکہ کے بعد اہل علم وفضل کی طرف سے آپ کے حضور خراج عقیدت ومحبت کا پیش کیا جانا معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ دوسری کشور تصوف اور اس کی بنیاد اور روح اسلام جیسے اہم مضامین کا مجموعہ ہے۔ کشور سوم میں قافلہ سالار نقشبندیہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اور خواجگان کا روح پرور ایمان افروز تذکرہ پایا گیا ہے۔ کشور چہارم آپ کے مرشد پاک حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کی گئی ہے کشور پنجم قاری کو دیار سرہند کی سیر کراتی ہوئی نظر آتی ہے نیز تاجدار سرہند کے حالات زندگی، امتیازات، لباس وحلیہ شریف اور خانقاہی ماحول سے پردہ اٹھاتی ہے۔

دوسری اقلیم کی کشور اول خاص طور پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی وادبی اور علمی خدمات نیز مکتوبات شریف میں وارد احادیث کی تخریج جیسے علمی وفنی مضامین کا مرقع ہے۔ جبکہ کشور دوم میں آپ کی دعوت وتبلیغ آپ کے تصور سنت وبدعت اور آپ کے معمولات شریفہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ کشور سوم آپ کی روحانی اور باطنی حالات اور خدمات در باب علم لدنی، جذب وسلوک، تزکیۂ نفس،

صحو وسکر اور آپ کے علم النفس وعلم الآفاق سے متعلق بیان کردہ حقائق پر روشنی ڈالتی ہے ۔کشور چہارم آپ کی مجددیت ،نظریہ قیومیت ،شان قیومیت ،اور منصب قیومیت کی مظہر ہے۔کشور پنجم وحدۃ الشہود نیز ابن عربی اور حضرت مجدد الف ثانی کے نظریات کا ایک تقابلی جائزہ پیش کرتی ہے۔

پھر اقلیم سوم کی پہلی کشور ہمیں آپ کے روحانی وعرفانی مقامات کی سیر کراتی ہے اور کشور دوم آپ کی خدمات کے ان پہلوؤں سے آگاہ کرتی ہے جن کا تعلق نبوت و رسالت اور عقیدۂ ختم نبوت سے ہے ۔کشور سوم میں ردّ روافض ،تقلید ائمہ مجتھدین اور رفع سبابہ جیسے مسائل پر مقالات پیش کیے گئے ہیں ۔کشور چہارم میں عقائد ومعمولات اہلسنت نیز آپ کے مسلک اور آپ کے طریقۂ نماز اور آپ کی تعلیم وتبلیغ کے انداز پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کشور پنجم میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریۂ علم اور علماء دین سے متعلق آپ کے خیالات نیز آپ کے ارشادات ، ملفوظات، کرامات اور اوراد ووظائف کی تفصیل مندرج ہے۔

اقلیم چہارم بعد از تمہیدات اپنی کشور اول میں آپ کی سیرت وکردار کے تاریخی وسیاسی پہلوؤں کا نظارہ پیش کرتی ہے ۔اور کشور دوم برصغیر کی تاریخ کا اہم ترین مسئلہ دوقومی نظریہ کے حوالہ سے آپ کی تحریکات وتاثیرات کے نقوش کا پتہ بتاتی ہے ۔جبکہ اقلیم مذکورہ کی تیسری کشور میں سلطنت مغلیہ پر آپ کی تحریک وتبلیغ کے اثرات اور پھر آگے چل کر بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کا بعینہٖ اسی تحریک سے متاثر ہونا اور آپ ہی کے قائم کردہ خطوط اور راستوں پر کام کو آگے بڑھانا نیز اہل علم ودانش کی نظروں میں اس کا سراہا جانا ہمیں نظر آتا ہے۔کشور چہارم آپ کے

سفر آخرت کے دلدوز اور روح فرسا تذکرہ سے معمور ہے نیز آپ کی اولاد امجاد، خلفاء کرام اور معاصر علماء و مشائخ عظام کی یادوں کے دیئے بھی یہیں روشن ہیں۔

کشور پنجم آپ کے بعد تشریف لانے والے ان مخصوص مشائخ سلسلہ کے تذکرہ سے معمور ہے جن کی سیرت و کردار اور روحانی تعلیمات نے دنیا کے مختلف گوشوں میں ایمان و عرفان اور رشد و ہدایت کی روشنی عام کی اور عرب و عجم میں اس سلسلہ پاک کے فروغ و ارتقا میں اہم کردار ادا کیا جن میں مرزا مظہر جانجاناں، حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی، حضرت شیخ خالد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ نمایاں ہیں۔

اقلیم پنجم کی پانچویں کشور میں جن اہم موضوعات پر خامہ فرسائی کی گئی ہے وہ یہ ہیں۔ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات و تالیفات، مکتوبات شریفہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مکتوبات کا عربی ترجمہ، آپ کے دفاع میں لکھی جانیوالی کتابیں، مغربی دنیا میں آپ کی رسائی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر محمد اقبال نیز اقبال کے فلسفہ پر حضرت مجدد کی تعلیمات کا اثر، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی نظر میں اور حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی نظر میں۔

جہان امام ربانی کی اقلیم ششم بھی اس حوالہ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں خصوصیت کے ساتھ سلسلہء عالیہ مجددیہ کے بلاد عرب و عجم میں روحانی اثرات اور ان علاقوں میں موجود حضرات مشائخ نقشبندیہ کے حالات و واقعات نیز ان کی اعلیٰ و ارفع خدمات کا بڑی وسعت کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔

جہان امام ربانی واقعی ایک جہان ہے اب آپ کی حیرانی یقینا یقین میں بدل گئی ہوگی کہ ایک ایسا جہان جو ایمان وعرفان ،علم و ادراک ،فقہ و اجتہاد ، تاریخ وسیاست ،عشق ومحبت ،سیر وسلوک ،حقائق ومعارف ،روحانیت ووجدانیت اور جذب وکیف کے حسین اور دلکش نظاروں سے معمور ہے'' جہان امام ربانی'' کو اپنے موضوع پر یقیناً ایک انسائیکلوپیڈیا کا درجہ دیا جاسکتا ہے کسی ایک شخصیت پر اتنا مواد جمع ہوجانا عجائبات سے ہے۔ یہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ النورانی کی شخصیت کا اعجاز اور کمال ہے کہ آپ کے بارے میں معلومات کا اتنا بڑا ذخیرہ اکٹھا کردیا گیا ہے۔''

☆......☆......☆

۲۹ جمادی الاول ۱۴۲۶ھ

۷/جولائی ۲۰۰۵ء
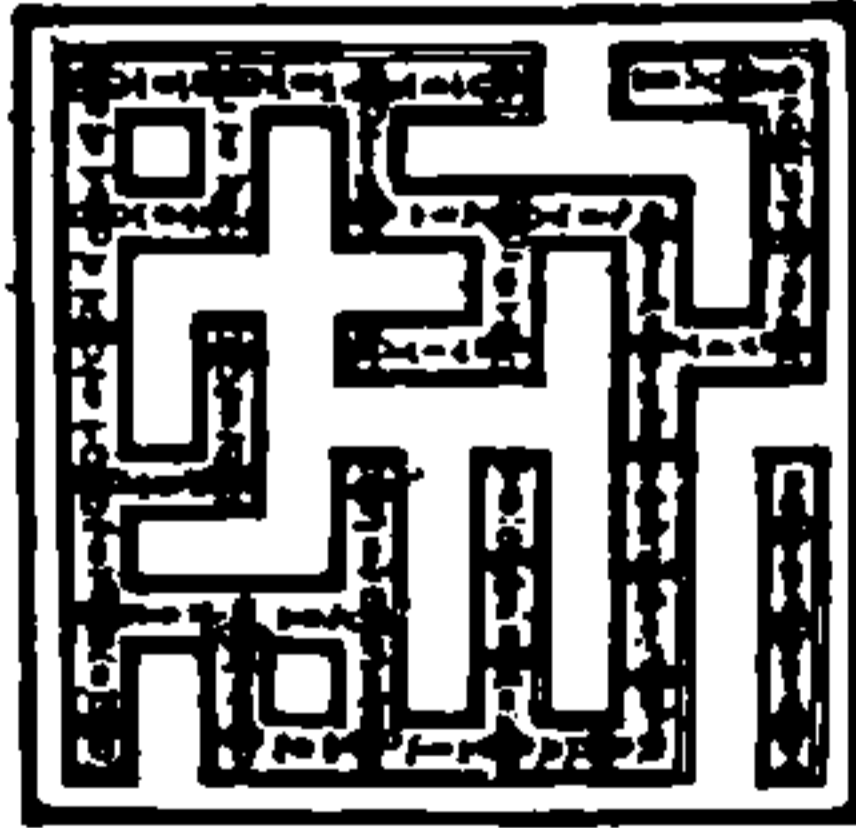
ابوالسرور محمد مسرور احمد

چیئرمین

امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القارعة ما القارعة

وما ادراك ما القارعة يوم يكون الناس كالفراش المبثوث

وتكون الجبال كالعهن المنفوش صدق الله العظيم

کتبہ: خورشید عالم گوہر قلم برائے
حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب دامت برکاتہم

تَعَارُفْ

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں
ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، پی۔ ایچ۔ ڈی، ڈی۔ لٹ
صدر شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد سندھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز گرامی منزلت ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے متعلق یہ بات لکھنے میں مجھے تامل ہوتا ہے کہ وہ کبھی میرے شاگرد رہ چکے ہیں کیونکہ وہ ماشاءاللہ خود بھی ایک فاضل استاد ہیں۔ وہ اپنے اسلافِ کرام کی دعا اور برکت سے ایک صالح مزاج اور ایک پاکیزہ مذاق لے کر کلاس میں داخل ہوئے تھے اور اپنی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت کی بدولت جلد ہی اپنے تمام رفقاء کے رہبر بن گئے تھے۔ وہ ابھی ایم۔اے ہی کے طالب علم تھے کہ انہوں نے سندھ یونیورسٹی کے رجسٹرار جناب محمد حسین صاحب کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ "حیدرآباد کی معاشی تاریخ" تیار کیا اور شیکسپیر کے ڈرامے (The Two Gentlemen of Verona) کا بھی اردو ترجمہ کیا۔ ایم۔اے کے امتحان میں درجۂ اول کے طلبہ میں وہ سب سے اول آئے اور انہیں انعام کے علاوہ ایک طلائی تمغا بھی ملا۔ اس کے بعد انہوں نے ڈاکٹر تاراچند کی کتاب The Influence of Islam on Indian Culture. کا بھی اردو ترجمہ کیا۔ اور بحمداللہ وہ اب تک حسبِ ذیل کتابیں شائع کر چکے ہیں؛ تذکرۂ مظہر مسعود، مکاتیب مظہری (جلد اول)، مواعظ مظہری، فتاویٰ مظہری (جلد اول و دوم) بعض کتابیں زیرِ تدوین ہیں مثلاً فتاویٰ مسعودی، دیوان مکاشفۃ الاسرار، مکاتیب مظہری (جلد دوم)، سوانح مولوی احمد رضا خاں۔ یہ کتابیں اُن علمی مقالات کے علاوہ ہیں جو وقتاً فوقتاً بلند پایہ رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں اور جن کی تعداد تیس سے تجاوز کر چکی ہے۔ دو تحقیقی مقالے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (لاہور) میں شامل کیے گئے ہیں۔

عزیز موصوف کے بلند علمی ذوق اور اعلیٰ صلاحیتوں کے پیشِ نظر اُن کو "اُردو میں قرآنی تراجم اور تفاسیر" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے کا مشورہ بھی راقم ہی نے دیا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ انہوں نے اس موضوع میں جس کاوش اور کوشش کا مظاہرہ کیا ہے وہ اُنہی سے متوقع تھا۔ وہ نہایت نستعلیق قسم کے آدمی ہیں۔ پاکیزہ مزاج اور صاف ستھرا مذاق ان کا خاندانی ورثہ ہے اور وہ جن گودوں میں پلے ہوئے ہیں اُن کی بلندی

اور بزرگی ان کی صورت اور سیرت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اُن کی خاندانی وجاہت، شرافت اور قابلیت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ میں اُن کو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس اللہ سرہ کے سوانح اور کمالات کی طرف متوجہ کراتا۔ چنانچہ اللہ پاک کے فضل و کرم سے انہوں نے اس موضوع پر ایک ایسا بیش قیمت مقالہ سپرد قلم کیا کہ وہ معارف (اعظم گڑھ) جیسے وقیع رسالے کی نو قسطوں میں شائع ہوا اور اُس کی افادیت کی وجہ سے رسالہ الفرقان (لکھنؤ) نے بھی بالاقساط اسے نقل کیا۔ پھر بکثرت فضلاء نے اپنے ذاتی مکتوبات میں اسے سراہا۔ ایک علمی مقالے کی مقبولیت کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے؟ عزیز موصوف نے موضوع مذکور پر اپنی کاوش کو جاری رکھا اور مزید تحقیق و تنقیح کے بعد اسے بسیط اور عریض کیا جس سے قارئین کے دلوں کو بھی بسط و کشاد کا موقع دیا۔ چنانچہ مجھے یہ عرض کرنے میں باک نہیں کہ اس موضوع پر کسی زبان میں کوئی کتاب اس پائے کی نظر نہیں آتی۔ عزیز موصوف نے جو کچھ لکھا ہے اور جس انداز سے پیش کیا ہے اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید، اور حدیث پاک بھی ہے کہ یَعْرِفُ الْفَضْلَ لِاَهْلِ الْفَضْلِ ذَوُو الْفَضْلِ۔

دلی دعا ہے کہ اللہ پاک عزیز مسعود کو بیش از بیش سعادتِ دارین سے مسعود و محمود گردانے آمین۔ بجاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقط!

اَحقر
غلام مصطفیٰ خاں
۲۵ مئی ۱۹۷۳ء

السیاسۃ وضع کلمات فی العالم — مقریزی

تقریبؑ

ڈاکٹر محمود حسین
وائس چانسلر، کراچی یونیورسٹی، کراچی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الجامعہ — کراچی یونیورسٹی، کراچی

مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۷۳ء

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی ان بزرگوں میں ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے اس برعظیم میں اسلام کے احیاء اور اس کی سیاسی سربلندی کے لیے عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں واقعہ یہ ہے کہ جہانگیر کے زمانے سے لے کر اب تک جو بھی اسلامی مفکر اس برعظیم میں پیدا ہوئے اور جتنی بھی اسلامی تحریکیں یہاں اٹھیں ان کا رشتہ کسی نہ کسی صورت میں حضرت مجدد الف ثانی کے کام سے مسلم ہے۔ شاہ جہاں کی اسلام دوستی، عالمگیر کی حکمتِ عملی، حضرت شاہ ولی اللہ کا فلسفہ اور خود تحریک پاکستان کی کڑیاں حضرت مجدد کی تعلیمات سے جا ملتی ہیں۔

ضرورت تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی کی ایک مستند سوانح عمری اردو میں لکھی جائے اور طرز نگارش وہ ہو جو آج سمجھا اور سراہا جاتا ہے، پروفیسر محمد مسعود احمد نے یہ سوانح لکھ کر ایک بڑی دینی اور علمی خدمت انجام دی ہے۔

مصنف کی نظر تمام مستند ماخذوں پر رہی ہے اور انہوں نے ہر ماخذ سے اس طرح کام لیا ہے جس طرح اس سے کام لیا جانا چاہیے۔ معتبر اور کم معتبر میں فرق کیا ہے۔ اسی طرح ہم عصر یا قریب العصر اور ثانوی ماخذ کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔ اسی امتیاز سے تاریخ اور سوانح کی کتابیں بنتی ہیں اور اسی کے فقدان سے بگڑتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا اندازِ بیان نہایت دل آویز اور ان کی زبان بڑی شگفتہ ہے۔ آج کا قاری اس سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے اس لیے کہ آج ہی کے قاری کو مصنف نے پیشِ نظر رکھ کر یہ کتاب لکھی ہے۔

میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد کو ان کی اس کامیاب تصنیف پر دلی مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

محمود حسین

تقدیم

از

حضرت مولانا مخدومنا الحاج محمد ہاشم جان
مجددی سرہندی
دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بیشمار ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازا تھا و اسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ و باطنۃ اور آپ بذاتِ خود ایک جہان تھے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ وہ سارے عالم کی خوبیاں ایک ذات میں جمع کردے۔

قرب الٰہی وولایت، علم وعرفان، زہد وتقویٰ، جہاد ومجاہدات، تبلیغ دین واصلاح مسلمین ان سارے فضائل وکمالات میں اگر اولیاء اللہ ومقربین وواصلین، علماء وعرفاء، زہاد ومتقین، مجاہدین ومبلغین ومصلحین کو بنظر تحقیق دیکھیں گے تو حضرت مجددؒ قدس سرہ العزیز ہر طبقے میں افضل واعلیٰ وارفع نظر آئیں گے اور نہ صرف یہ بلکہ ہر صنف کمال میں اکمل ہونے کے ساتھ آپ بیک وقت ساری خوبیوں کے جامع بھی ہیں اسی بناء پر آپ کے سر اقدس پر تجدید الف ثانی کا تاج رکھا گیا اور اسی وجہ سے آپ خلعت قیومیت سے نوازے گئے جو کہ ولایت میں سب سے اونچا مقام ہے۔ انہیں صفات وکمالات مافوق العادۃ کو دیکھ کر حضرت خواجہ وحدت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

نگیں گشت در حلقۂ اولیاء

چوں در انبیاء خاتم الانبیاء

حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب ہر صدی کے آغاز میں مجدد پیدا ہوئے اور انہوں نے تجدید دین کی خدمات انجام دیں فجزاھم اللہ سبحانہ وتعالیٰ خیرا

لیکن جب ہم ان کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ دین کے کسی خاص شعبے میں انہوں نے تجدیدی کارنامے انجام دیے لیکن ایسی جامعیت اور ہمہ گیری کہیں نظر نہیں آتی جو حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کی سیرت طیبہ میں ہم دیکھتے ہیں۔ اس حقیقت سے مجدد مائۃ اور مجدد الف کا فرق روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ پہلو قابلِ غور وفکر ہے کہ ان مجدّدین کے بارے میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض علماء جس ہستی کو ایک صدی کا مجدد قرار دیتے ہیں دوسرے علماء اسی صدی کا مجدد دوسری ہستی کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مجدد قدس سرہ کے مجدد ہونے پر سب اکابر امت علماء و اولیاء و اہلِ بصیرت متفق ہیں کسی دوسری ہستی کو آپ کے مقابل نہیں لایا گیا اور کیسے لایا جا سکتا تھا جب ایسے فضائل وکمالات اور ایسی جامعیت کسی دوسری شخصیت میں دیکھی نہ گئی۔

بے مثال کی ہے مثال وہ حسن
خوبیٔ یار کا جواب کہاں!

اور یہ حقیقت قابلِ توجہ ہے کہ قبائے تجدید آپ کے قامت اقدس پر کچھ ایسی موزوں ہوئی ہے کہ جب مجدّد کہا جاتا ہے تو فوراً ذہن آپ کی طرف منتقل ہوتا ہے کوئی دوسری شخصیت ذہن میں نہیں آتی بلکہ امت مسلمہ آپ کو مجدّد ہی کے لقب سے جانتی ہے۔ بہت کم لوگ آپ کے اسم گرامی سے واقف ہیں۔ یہ بات کسی دوسرے مجدد کے لیے نہیں کہی جا سکتی گویا حضرت مجددؒ قدس سرہ کے مجدد ہونے پر اجماعِ امّت ہے۔

سب سے پہلے فاضل جلیل مولنا عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد قدس سرہ کو مجدد الف ثانی کے خطاب سے یاد کیا یہ ایک ایسی واضح اور روشن حقیقت تھی کہ اس کی صدائے بازگشت عالم اسلام میں سنی گئی سب اعاظم و اکابرِ ملت نے آپ کو "مجدد الف ثانی" تسلیم کیا ہے اور ہر عہد میں اسی خطاب سے یاد کیا ہے اور آپ کے تجدیدی کارناموں اور عظمت وشوکت کا اعتراف کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت مجدد قدس سرہ کے رسالہ رد روافض کی شرح میں حضرت مجدد کے القاب عالیہ مبسوط طور پر بیان کیے ہیں اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ پر جو آپ کے احسانات ہیں ان کی تفصیل لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ وَلَا یُبْغِضُہٗ اِلَّا فَاجِرٌ شَقِیٌّ۔

(ترجمہ) حضرت مجدد سے وہی شخص محبت رکھے گا جو مومن تقویٰ شعار ہوگا اور ان سے وہی بغض رکھے گا جو بدبخت فاجر اور شقاوت شعار ہوگا۔

اور ایک مکتوب میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دور کے قطب ارشاد ہیں۔ آپ کے ہاتھوں پر بہت سے گمراہ اور بدعتی تائب ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ مجدد کی تعظیم میں مدور و مکوّن کائنات یعنی حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی تعظیم ہے اور حضرت شیخ مجدد کے انعامات و برکات کا شکریہ ایزد متعال کے انعامات کا شکریہ ہیں۔

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"آج جو مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں اور مدارس سے قال اللہ تعالیٰ و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل نواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں، اور خانقاہوں میں جو ذکر و فکر ہو رہا ہے اور قلب و روح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے یا لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بار منت ہے اگر حضرت مجدد اس الحاد و ارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں، نہ مدارس دینیہ میں قرآن، حدیث فقہ اور باقی علوم دینیہ کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین و ذاکرین اللہ، اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے الا ماشاء اللہ"... انتہی

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں:

اَلشَّیخُ اَحمدُ السَّھرندی قَدَّسَ سرّہٗ وَھُوَ مِنْ اعیان سَھْرندی وَمِنْ مفاخر اھل الھند المجدد للالف الثّانی و البُرھان السّاطع عَلیٰ اَشْرفِ النَّوعِ الاِنْسَانِی، سحاب ھاطل روی العرب و العجم امطارہ، نیر اعظم بلغ المشارق و المغارب اَنْوَارہٗ، جَامِع العلوم الظَّاھِرۃِ

والباطنۃ، خازن کنوز البارزۃ والکامنۃ۔ (سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان)

اور مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں: (قلمی۔ مکتوبہ ۱۰۳۷ھ ورق ۵)

"وہ جس کی مثال دنیائے اسلام میں کمیاب ہے جس نے عین اس وقت اسلام کی کشتی کو غرقاب ہونے سے بچایا جب چاروں طرف سے طوفانی ہوائیں اس کے خلاف چل رہی تھیں جس کی آواز سرہند سے اٹھی اور پورے ملک ہند میں پھیلی اور پھیلتی ہوئی تمام ممالک اسلامیہ تک پہنچ گئی، جس کی کوششوں کا نتیجہ ہیں کہ میں اور آپ آج مسلمان کہلاتے ہیں۔" انتہی

المختصر حضرت مجدد قدس سرہ العزیز کیا آئے اسلام کے خزاں رسیدہ چمن میں بہار آگئی اور اصولِ دین کے وہ پھول جو مرجھا گئے تھے پھر شگفتہ و شاداب ہو گئے جن کی مہک سے فضائے عالم پھر عطر بیز ہو گئی۔ ع

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

اس میں شک نہیں کہ اولیاء اللہ اور علمائے ربانی میں سے کسی خاص ہستی کی افضلیت کے بارے میں ہم اس طرح کی کوئی قطعی رائے تو قائم نہیں کر سکتے جس طرح انبیاء کرام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر یا جس طرح حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں علی الترتیب رکھتے ہیں اس لیے کہ ان کی افضلیت تو نصِ قطعی سے ثابت ہے لیکن اس کے بعد افضلیت کے بارے میں ہمارا کام یہ ہوگا کہ ان کے تاریخی اور اصلاحی کارناموں پر نظر ڈالیں جو اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے میں انہوں نے انجام دیے اور ان کی علمی تصانیف، رسائل، مکتوبات اور ملفوظات دیکھیں۔ اس نقطۂ نظر سے اگر حضرت مجدد قدس سرہ العزیز کے کارناموں اور آپ کی علمی تخلیقات پر نظر ڈالی جائے تو آپ بالکل منفرد نظر آتے ہیں۔ حضرت مجدد قدس سرہ کے ہاں عقاید، عبادات، معاملات اور اخلاق کے بارے میں بہت کچھ ملیگا لیکن سب سے بڑھ کر حقائق و معارف ہیں جن تک رسائی بہت مشکل ہے اس کے لیے بلندیٔ فکر و نظر کی ضرورت ہے جو شاذ و نادر ہی میسر ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جب انگلستان میں ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ایک لیکچر میں حضرت مجدد قدس سرہ کے مکتوبات شریف سے ایک حوالے کا انگریزی میں ترجمہ کرنا چاہا تو کہا کہ "افسوس علم نفسیات میں اس ترقی کے باوجود انگریزی زبان اتنی تنگ داماں ہے کہ اس

میں حضرت مجدد قدس سرہ کے حقائق و معارف کا بیان کرنا بہت مشکل ہے"۔ جب بیان کرنا مشکل ہے تو سمجھنا کتنا مشکل ہوگا! بیشک:

سیر زاہد ہر مہے یک روزہ راہ
سیر عارف ہر گہے تا تخت شاہ

حضرت مجدد قدس سرہ العزیز نے مکتوبات شریف میں اسلامی نظریۂ حیات کو اس خوبی سے سمجھایا ہے کہ جس کے پڑھنے سے شوق عمل اور ذوق کار پیدا ہوتا ہے اور ایک طالب و سالک صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اسی لیے اکابر طریقت نے سالکین کے لیے، مکتوبات شریف کا مطالعہ لازمی قرار دیا ہے۔ اس کے معانی کی بلندی تو اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن عبارت بھی ادبی حیثیت سے اتنی بلند پایہ، دل ربا اور دل نشین ہیں کہ اس کے پڑھنے سے روح وجد میں آجاتی ہے اور دل و دماغ دونوں کیف اندوز ہوتے ہیں۔

مکتوبات شریف کے سلسلے میں یہ بات قابلِ غور و فکر ہے اور مختلف حالات اور ہر دور کے لیے اس میں ہدایتیں موجود ہیں۔ معنوی حیثیت سے یہ اتنے ہمہ گیر ہیں کہ شاید ہی کوئی دوسری تصنیف ہو۔ دسویں صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک کے عالمِ اسلام کے تاریخی حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہو گا کہ اس عرصے میں ملت اسلامیہ میں جو جو امراض پیدا ہوئے یا جو جو مشکلات پیدا ہوئیں سب کا حل مکتوبات شریف میں موجود ہے گویا کہ مکتوبات ملّت اسلامیہ کے لیے تریاق و اکسیر ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے مختلف مکاتیب فکر ہیں ان میں سے بعض حضرت مجدد قدس سرہ العزیز سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں، آپ کی عظمت کے قائل ہیں، آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں اور آپ کو اپنا سمجھتے ہیں ؎

زبہر آں مہ چوں شمع وچوں گل
گرفتہ جنگ با پروانہ بلبل!

(شرح) اس چاند کے لیے پروانہ اور بلبل میں لڑائی ہو رہی ہے۔ پروانہ کہتا ہے کہ وہ شمع ہے اس لیے میرا محبوب ہے اور بلبل کہتا ہے کہ وہ پھول ہے اس لیے جان و دل سے میں اس پر فدا ہوں۔

ان مکاتیب فکر کے اختلاف کی وجہ سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو عظیم نقصان پہنچ رہا ہے اس لیے کم از کم وہ مکاتیب فکر جو حضرت مجدد قدس سرہ العزیز کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں، آپ کی تعلیمات و ہدایات کو سامنے رکھ کر متحد و متفق ہو جائیں تو انسب و احسن ہو گا۔

مصلحت دیدمن آنست کہ یاران ہمہ کار
بگزارند و سر طرہ یارے گیرند

حضرت مجدد قدس سرہ العزیز چاروں سلسلوں سے فیض یاب ہوئے ہیں اس لیے وہ خود اور ان کے متوسلین سب سلاسل طریقت کا احترام کرتے ہیں اور ان کے شیوخ کو اپنا مربی و مرشد سمجھتے ہیں۔ سلسلۂ عالیہ مجددیہ کی مثال اس دریا کی سی ہے جس میں چاروں طرف سے نہریں آکر ملتی ہیں، اس دریا سے اگر کوئی چلو بھر پانی پی لیتا ہے تو اس نے حقیقتاً سب نہروں کا پانی پی لیا اس لیے سلسلۂ عالیہ مجددیہ کے متوسلین یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں چاروں سلاسل کا فیض پہنچ رہا ہے اور جس طرح سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سارے انبیاء متقدمین کو حق پر سمجھتی ہے اور ان کا احترام کرتی ہے، متوسلین سلسلۂ عالیہ مجددیہ کی بھی بالکل یہی روش ہے۔

باتیں تو بہت تھیں اور بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کیا کیا جائے دامانِ تعارف بہت تنگ ہے

داماں نگہ تنگ گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

اب میں اشہبِ قلم کو روکتے ہوئے تعارفِ کتاب کے سلسلے میں چند کلمات پر اکتفا کرتا ہوں۔

برادرِ عزیز جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب زید حبہ کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے بڑی علمی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ان کی نظر بڑی وسیع ہے اور ان کا قلم صفحۂ قرطاس پر وہ پھول بکھیرتا ہے کہ ہر صفحہ گلستاں نظر آتا ہے:

می دمد گل ہر کجا پائے نگاریں می نہی
جادہ چوں از سیر باز آئی چمن خواہد شدن

انہوں نے اس کتاب کے لکھنے میں بڑی محنت و کاوش کی ہے۔ انہنے حوالے جمع کیے ہیں کہ ہم

تو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں اور جو بات کہتے ہیں وہ سند و دلیل سے کہتے ہیں۔ تاریخی حیثیت سے تو میری نظر میں ایسی کوئی مستند کتاب اس دور میں حضرت مجدد قدس سرہ کے حالات پر نہیں لکھی گئی ہے۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز (شاہی امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی) کے صاحب زادے ہیں کہ جو جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔ ان کے تقویٰ و پاک نفسی کے دوسرے مذاہب کے لوگ بھی معترف تھے، ان کے دست حق پرست پر سینکڑوں کفار و مشرکین مشرف باسلام ہوئے اور ہزاروں مسلمان بیعت ہوئے۔ یہ اُنہی کی تربیت اور فیض نظر کا اثر تھا کہ ایسے اہل علم و اہل قلم پیدا ہوئے کہ جنہوں نے اُن کی یاد تازہ کر دی اور ان کے نام کو روشن کیا۔

کمال و فضل پسر زیب و زینت پدر است
شود ز آب گہر نام ابر نیساں سبز

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے یہ کتاب (سیرت مجدد الف ثانی) اصلاح و تصحیح کے لیے مجھے دی اس حسن ظن کی بنا پر کہ جو وہ اس ذرۂ بے مقدار سے رکھتے ہیں اور مجھے اختیار دیا کہ حک و اضافہ کا کام میں انجام دوں۔ میں نے اس کتاب کو از اوّل تا آخر دقت نظر سے مطالعہ کیا اور تصحیح کی۔ امید ہے کہ یہ کتاب اہل فکر و اہل نظر میں مقبول ہوگی اور اس کو بنظر استحسان دیکھا جائے گا۔ دُعا ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ اُن کو اور مجھے اور سب مسلمانوں کو حضرت مجدد قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے فیوض سے مستفید فرمائے آمین! وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

عبدہٗ محمد ہاشم مجددی غفرلہ
۹ رجون ۱۹۷۵ء
بنگلہ نمبر ڈی۔۴، بلاک۔ آئی۔ شمالی ناظم آباد، کراچی۔ ۳۳ (پاکستان)

سخنہائے گفتنی

از
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

نقشِ قرآں ، بیرونی حاشیہ بھاسے تیس پارے
اندرونی حاشیہ عظمتِ قرآں پر آیت ، کرئی ساد ،
چاند کے باہر فاتحہ "چاروں قل ، گرم قلم ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ لہلہاتے چمن، یہ مہکتے پھول، یہ جھلملاتے ستارے، یہ دہکتے انگارے، یہ چمکتا ماہتاب، یہ دمکتا آفتاب، یہ تلاطم خیز سمندر، یہ بلند و بالا پہاڑ، یہ شاد و آباد بستیاں، یہ رنگ رنگ صورتیں ——— کیا یہ سب رونقیں باقی رہیں گی؟ نہیں نہیں، ہرگز نہیں: ——— کل من علیہا فان ۝ ویبقٰی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام ۝ [1]

At the last day they (mountains) shall disappear. like clouds: The whole earth shall go spinning, Whirl itself off into wreck, and as dust and vapour vanish in the Inane. Allah withdraws His hand from it, and ceases to be: (2)

ہاں ہماری آنکھوں کے سامنے موت پردۂ فریب چاک کر رہی ہے اور حقیقت واشگاف کر رہی ہے مگر ہم کچھ ایسے فریب خوردہ ہیں ٹھوکریں کھاتے ہیں، ہوش نہیں آتا ——— اسی سے دل لگاتے ہیں جو دیکھتے دیکھتے نیست و نابود ہوتا چلا جاتا ہے اور اُس سے جی چراتے ہیں جو باقی ہے، چپے چپے پر جس کے نشان موجود ہیں ؎

سرسری تم جہان سے گزرے
ورنہ ہر جا جہان دیگر تھا

---

[1] الرحمٰن ۲۶-۲۷

[2] Thomas Carlyle: *On Heroes and Hero-worship*, (1795-1881). London, 1963, p. 93

سب کچھ فنا ہو جائے گا لیکن نہ وہ جلوۂ جاناں مٹے گا اور نہ اس پر مٹنے والے مٹیں گے ، زندگی ان کا مقدر ہے فلنحیینہ حیٰوۃ طیبۃ[1] ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا ! آؤ انہیں سے دل لگاؤ ، انہیں کی باتیں سنو کہ متاعِ حیات مل جائے !

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ (۲۹۷ھ/۹۰۹ء) نے کیسی پیاری بات فرمائی اور عظیم حقیقت بیان فرمائی، اس دورِ پُر آشوب میں اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے ، آپ نے فرمایا :

"اولیاء اللہ کے ملفوظات وحالات پڑھنے ، لکھنے اور سننے میں ان گنت فائدے ہیں ـــــ ان کا کلام ایک غیبی لشکر ہے ، جب ہم ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں ، اس لشکر سے اچانک ہمارا دل قوی ہو جاتا ہے اور کام کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے"[2]

آج بے دلی نے ہم کو نکما کر دیا ہے ، کام میں جی لگانا ہے تو پہلے ان سے جی لگاؤ تاکہ بے دلی ختم ہو جائے اور کام کرنے کی قوت اور حوصلہ پیدا ہو جائے ۔ مولانا عبد الرحمٰن جامی علیہ الرحمہ نے بھی تو اس پوشیدہ سرچشمے کی اس طرح نشاندہی فرمائی ہے :-

حکایات المشائخ جند من جنود اللہ تعالیٰ[3]	مشائخ کی باتیں ، اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے ۔

یہ بات یوں ہی نہیں کہہ دی گئی ، اس کے پیچھے ایک عظیم نفسیاتی حقیقت مخفی ہے ۔ جب قرآن کریم نے سابقین انبیاء و رسل کے ذکر خیر سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھی دل کی ڈھارس باندھی تو یہ عظیم حقیقت ہمارے سامنے آئی ، ـــــ خارزارِ حیات میں ہمت و حوصلہ جبھی پیدا ہوتا ہے جب انسان بلند ہمتوں اور حوصلہ مندوں کی باتیں سنتا ہے ، اسی لیے قرآن کریم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقین انبیاء و رسل کے خوب قصے سنائے اور قلبِ مبارک کو وہ قوت بخشی کہ باید و شاید ۔ قرآن کہتا ہے :

---

[1] النحل ۔ ۹۷

[2] شیخ بدر الدین سرہندی : حضرات القدس ، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء ، ص ۵۰ ۔

[3] ایضاً ، ص ۵۰ ۔

وکلا نقص علیک من انباء الرسل — ہم تجھے انبیاء و رسل کے واقعات سنائیں گے

ما نثبت بہ فؤادک [1] — تاکہ اس سے تیرے دل کو قوی کریں۔

دورِ جدید کے کمزور دلوں کے لیے اولیاء کے حالات مایۂ صد قوت و طمانیت ہو سکتے ہیں، جھوٹے سچے قصے کہانیوں سے زندگی نہیں بنا کرتی، زندگی کے لیے جیتی جاگتی اور سچی سیرتوں کی ضرورت ہے، اس لیے ہم دسویں صدی کے عظیم بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (م ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء) کی سیرت مبارکہ اور اصلاحی کارنامے پیش کر رہے ہیں، عقیدت کی نگاہ سے نہیں، حقیقت کی نظر سے۔

وہ مقلب القلوب ہے، جب چاہتا ہے دلوں کو پھیر دیتا ہے ع
کوئی ہے مجھ میں کہ مجھ سے لیے جاتا ہے مجھے

۱۹۶۰ء میں جناب محمد اسلم صاحب [2] مدیر ماہنامہ "سروش،، (نیو کاسل) نے ایک مضمون کی فرمائش کی، ـــــ راقم اُس زمانے میں شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج میرپور خاص (سندھ) میں صدر شعبۂ اُردو تھا ـــــ موضوع کی تلاش تھی، استادِ محترم قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہ العالی (صدر شعبۂ اُردو سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد سندھ) کی خدمت میں حاضر ہوا، موضوع کے لیے عرض کیا تو فرمایا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی (صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن) کے مضمون "الف ثانی کے تجدیدی کارنامے،، (مشمولہ تذکرۂ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنو) کا خلاصہ قلم بند کر لیں، لیکن جب تلخیص کا یہ کام کرنا چاہا تو انشراحِ صدر ہوا اور طبیعت سہل پسندی سے مشکل پسندی کی طرف راغب ہونے لگی چنانچہ تلخیص کے بجائے حضرت مجدد الف ثانی پر ایک مبسوط مقالے کی تیاری کے لیے مواد کی فراہمی کی لگن لگ گئی [3] ـــــ کوشش جاری رکھی اور حضرت والد ماجد مفتی اعظم

---

[1] ہود، ۱۲۰

[2] جناب محمد اسلم صاحب اس زمانے میں انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ آجکل پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ میں ریڈر ہیں۔ ان کی متعدد و دقیع تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ مسعود

[3] چونکہ اس کام میں تعویق کا اندیشہ تھا اس لیے جناب محمد اسلم صاحب کو "اسلامی رواداری" کے موضوع پر (باقی برصفحہ آئندہ)

شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) سے دُعا کی درخواست کی، حضرت ممدوح نے جواباً تحریر فرمایا:

حضرت مجدد صاحب رحمۃ المولی القوی کے حالات پر مقالہ تحریر کرنا مبارک ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کما حقہٗ اس میں کامیاب فرمائے اور ایسے امور میں تحریر تم سے ہمیشہ کرائے۔[1]

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شیخ قدس سرہ کے مقالے کی خبر نے نہایت درجہ محظوظ کیا، مولیٰ تعالیٰ تمہیں تمہارے جدِ امجد کا مظہر بنائے۔[2]

؎ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے، پھر ایک کامل دل سے نکلی ہوئی بات کیوں نہ اثر رکھتی؟ تنگ دامانی اور کم علمی کے باوجود تکمیل آرزو کے اسباب پیدا ہوتے چلے گئے اور بفضلہٖ تعالیٰ جون ۱۹۶۱ء میں مقالے کی پہلی قسط (بعنوان شیخ احمد سرہندی) ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) میں منظر عام پر آگئی ؎

شکر کدام فضل بجا آورد کسے
عاجز بماند ہر کہ دریں افتکار کرد

اہلِ علم وفضل نے اس مقالے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ہمت افزائی فرمائی مناسب معلوم ہوتا ہے بطورِ تحدیث نعمت ان حضرات کے تاثرات پیش کر دیے جائیں، حاشا وکلا تفاخر مقصود نہیں۔

استادِ مکرم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ العالی نے جب یہ مقالہ مطالعہ کیا تو راقم کو تحریر فرمایا:

(بقیہ صفحہ سابقہ) ایک مقالہ ارسال کر دیا گیا جو سرورش کے کسی شمارے میں انگلستان سے شائع ہو گیا۔
مسعود

[1] مکتوب محررہ یکم نومبر ۱۹۶۰ء از دہلی
[2] مکتوب محررہ ۱۱ مئی ۱۹۶۱ء از دہلی

"آپ کا مضمون معارف (جون) میں حضرت مجدد قدس سرہ کے متعلق پڑھ کر بہت جی خوش ہوا، بارک اللہ! بارک اللہ! اللہ پاک خوب خوب نوازے! آمین"[1]

ایک دوسرے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مجدد قدس سرہ کے متعلق آپ کا مضمون باہر کے لوگوں نے یعنی ہندوستان والوں نے بھی سراہا ہے۔ ماشاء اللہ!"[2]

مدیر معارف مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے تحریر فرمایا:

"یہ مضمون بہت پسند کیا گیا، اس کی تعریف میں خطوط بھی آئے اور رسالہ الفرقان (لکھنؤ) اس کو مسلسل نقل کر رہا ہے، اس مقبولیت پر مبارک باد قبول فرمائیے"[3]

استاد محترم دامت برکاتہم العالیہ نے جب یہ مقالہ ماہنامہ الفرقان (لکھنؤ) میں ملاحظہ فرمایا تو بے ساختہ اپنی مشفقانہ دعاؤں سے نوازا اور تحریر فرمایا:

"ماشاء اللہ آپ کا مضمون معارف سے اب الفرقان (لکھنؤ) میں ستمبر اور اکتوبر کی قسطوں میں نکل رہا ہے، آپ یقیناً قابلِ فخر ہیں اور باعثِ صد افتخار ہیں، دنیا میں یہ مقبولیت ہے تو روحانیت اور عقبیٰ میں کس قدر نہ ہوگی، اللہ پاک خوب خوب نوازے، اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے الطاف اقربیت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین"[4]

خود مدیر الفرقان مولانا محمد منظور نعمانی زید عنایتہ نے یاد فرمایا اور اس مقالے کی تعریف فرمائی، انہوں نے تحریر فرمایا:

"معارف سے آپ کے مضمون کی غالباً ۸ قسطیں اب تک شائع ہو چکی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ کام خوب لیا اور آپ نے اس موضوع پر بہت سا ایسا مواد بھی فراہم کر دیا جو ہم جیسوں کی دسترس سے باہر تھا، جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ ہم جیسوں پر آپنے

---

[1] مکتوب محررہ ۲۷ جون ۱۹۶۱ء از حیدرآباد سندھ

[2] مکتوب محررہ ۲۸ اگست ۱۹۶۱ء از حیدرآباد سندھ

[3] مکتوب محررہ ۱۲ ستمبر ۱۹۶۱ء از اعظم گڑھ (یو۔ پی)

[4] مکتوب محررہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء از حیدرآباد سندھ

بڑا احسان فرمایا۔"

اس مکتوب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

"آخر میں ادنیٰ تصنع کے بغیر پھر عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ بڑا غیر معمولی کام لیا، میرا تو خیال ہے کہ آپ کے کام پر اب اس سلسلے میں شاید کوئی اضافہ نہ ہو سکے گا والعلم عند اللہ۔ کوئی شائع شدہ چیز الفرقان میں نقل کرنے کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی ہے بلکہ دستور و معمول نہیں ہے لیکن آپ کے اس مضمون کا حق جان کر اس کو شائع کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے عام ناظرین کو نفع پہنچائے اور اس کے اجر میں آپ کے ساتھ ہم لوگوں کو بھی کسی درجے میں شریک فرمائے"۔ [۱]

پاک و ہند اور بیرونِ ہند[۲] کے بعض دوسرے فضلاء نے بھی اس مقالے کی قدر و منزلت فرمائی۔ چنانچہ مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

"حضرت مجدد پر جو مقالہ پروفیسر مسعود احمد صاحب نے تحریر فرمایا وہ ہر لحاظ سے قابلِ قدر ہے"۔ [۳]

مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے بھی قدر افزائی فرمائی اور تحریر فرمایا:

"مضمون سرسری طور پر معارف میں پڑھا تھا اور پڑھتے وقت پسند بھی کیا تھا بلکہ جا بجا اس سے مستفید بھی ہوا تھا ——— کتابی صورت میں اسے ضرور چھپوائیے، مشتاق رہوں گا،" [۴]

فرانس کے ایک مستشرق انجہانی مارین موئے نے جب اس مقالے کی خبر سنی تو راقم کو لکھا:

"حضرت مجدد پر آپ کے مضمون سے مجھے بڑی دلچسپی ہے، میں نے کچھ اُردو پڑھی ہے اور میں اس مضمون کو پڑھ سکتا ہوں۔ میں اس کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہتا ہوں،

---

[۱] مکتوب محررہ ۱۶ر جنوری ۱۹۶۲ء، از لکھنؤ (یو۔ پی)

[۲] امریکہ اور کینیڈا میں بعض فضلاء نے اس سے استفادہ فرمایا۔

[۳] مکتوب مطبوعہ معارف شمارہ مارچ ۱۹۶۲ء بنام مدیر معارف، ص ۲۲۶،

[۴] مکتوب محررہ ۲ رمئی ۱۹۶۲ء از دریاآباد (یو۔ پی)

اگر ممکن ہوا تو میں کوشش کروں گا کہ اس مقالے کا انگریزی یا فرانسیسی ترجمہ یہاں چھپ جائے "۔ لہ

یہ مقالہ معارف (اعظم گڑھ) میں جون ۱۹۶۱ء میں چھپنا شروع ہوا اور فروری ۱۹۶۲ء تک مسلسل نو قسطوں میں شائع ہوا، ماہنامہ الفرقان (لکھنؤ) نے اس کو آٹھ قسطوں میں دسمبر ۱۹۶۱ء تا اپریل ۱۹۶۲ء نقل کیا، اس کی دوسری اور تیسری قسط جو دور اکبری سے متعلق تھی ہفت روزہ ایشیا (لاہور) نے اپنے خصوصی شمارے (۷، نومبر ۱۹۶۱ء) میں نقل کی۔

مقالے کی اشاعت کے بعد بعض کرم فرماؤں نے کتابی صورت میں شائع کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ چیف اڈمنسٹریٹر اوقاف ڈاکٹر شیخ محمد اکرم مرحوم (سی۔ایس۔پی) نے ایک ملاقات میں اس طرف متوجہ فرمایا اور یہ وعدہ فرمایا کہ یہ کتاب محکمۂ اوقاف (مغربی پاکستان) کی طرف سے شائع کی جائے گی، راقم کا خود بھی یہی خیال تھا کہ اس مقالے کو کتابی صورت میں مرتب کیا جائے لیکن دل یہ چاہتا تھا کہ اس پر اور اضافے کیے جائیں چنانچہ مزید مواد کی فراہمی میں مصروف ہو گیا اور یہ کوشش کی کہ یہ مقالہ جلد سے جلد کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے مگر طلب و شوق نے کسی منزل پر رکنے کا نام نہ لیا۔ چنانچہ گزشتہ دس سال (۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۲ء) میں بہت کچھ مطالعہ کیا، یہ تعویق رحمت بن گئی، بہت سی نادر چیزیں سامنے آئیں جو مقالے کی تدوین کے وقت پیش نظر نہ تھیں، مثلاً حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی جملہ تصانیف، آپ کے صاحب زادگان اور نبیرگان کے مکتوبات شریف اور دیگر رسائل برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری (لندن)، کے نادر مخطوطات۔ اور بعض دیگر اہم مطبوعات اور مقالات، الغرض ان تمام مآخذ سے بہت سا مواد فراہم کر لیا گیا۔

محترمی جناب حکیم محمد تقی صاحب (مالک مشہور آفسٹ پریس و مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ کراچی) کو جب اس کا علم ہوا تو موصوف نے کتاب کی تدوین کے لیے مسلسل اصرار فرمایا چناں چہ جب معلومہ مواد سمیٹنے بیٹھا تو محسوس ہوا کہ یہ کام دو تین برس سے پہلے ممکن نہیں، اتنی طویل فرصت کا ملنا مشکل نظر آیا، تاخیر پہلے ہی ہو چکی تھی، اس لیے یہی سوچا کہ معارف کے مطبوعہ مقالے میں بعض ضروری اضافے کر کے شائع

لہ مکتوب محررہ ۱۰ اگست ۱۹۶۲ء از پیرس (بزبانِ انگریزی)

کرایا جائے چنانچہ جولائی ۱۹۷۲ء میں کراچی میں ازسرِ نو تدوین و تبییض کا یہ کام شروع کیا اور مئی ۱۹۷۳ء میں ٹنڈو غلام حیدر خاں (سندھ) میں پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ فالحمد للہ علی ذلک، یہ مبیضہ معارف میں مطبوعہ مقالے سے تقریباً چھ گنا زیادہ ہے۔ اگر تمام مواد کو پیشِ نظر رکھا جاتا تو کئی گنا بڑھ جاتا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت مجدد کی بسیط سوانح میں معلومہ مواد سے استفادہ کیا جائے گا۔

تکمیل کے بعد "سیرت مجدد الف ثانی" کا مبیضہ تنقیح و تنقید کے لیے مختلف علماء و فضلاء کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ چنانچہ ماہِ جون ۱۹۷۳ء میں استاد محترم حضرت الحاج ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہ العالی (صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی۔ حیدر آباد) کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے نظرِ ثانی فرمائی اور ازراہِ کرم تقدیم تحریر فرمائی۔

ماہِ ستمبر ۱۹۷۳ء میں عالی جناب ڈاکٹر محمود حسین صاحب دام اجلالہم (وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے مبیضہ مطالعہ فرمایا اور ازراہِ عنایت تقریب تحریر فرمائی۔ آخر میں خاندانِ مجددیہ کے چشم و چراغ فاضل جلیل حضرت مولانا الحاج محمد ہاشم جان مجددی سرہندی دامت برکاتہم العالیہ نے ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۵ء کے درمیان کئی ماہ مبیضہ بامعان نظر مطالعہ فرمایا، ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف کو پرکھا، مفید مشوروں سے نوازا اور ازراہِ شفقت "محبت و تعارف" تحریر فرمایا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

بعض فضلاء نے مفید مشورے دیے تھے، اختصار و اجمال کی وجہ سے ان پر بھی عمل نہ کیا جا سکا محترمی جناب پیر حسام الدین راشدی صاحب (کراچی) نے فرمایا تھا کہ ایک مستقل باب میں پاک و ہند اور بیرونِ ہند سلسلۂ مجددیہ کی خانقاہوں کا جائزہ لیا جائے پھر خاندانِ مجددیہ کے متعلق بھی معلومات فراہم کی جائیں کہ یہ خاندان سرہند سے نکل کر کہاں کہاں پھیلا، اسی طرح حضرۃ العلامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی (حیدر آباد سندھ) نے فرمایا تھا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے شجرۂ خاندانِ مجددیہ میں بعض کڑیاں گم شدہ ہیں، ایک مغربی مستشرق نے بھی اس طرف توجہ دلائی تھی، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا تھا کہ اس کی پوری پوری تحقیق کی جائے لیکن یہ کام بھی نہ ہو سکا، ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت مجدد کے بسیط سوانح میں ان امور پر بحث کی جائے گی۔

مطالعہ کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ بعض فضلاء نے حضرت مجدد کے بارے میں غیر مستند باتیں لکھ دی ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے خیال ہوا کہ "استدراک" کے عنوان سے ایک علیحدہ باب قائم کر کے ان تسامحات کی نشاندہی کر دی جائے لیکن اجمال کی وجہ سے اس کو بھی نظر انداز کرنا پڑا اور آئندہ کے لیے اُٹھا رکھا۔ البتہ، یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تالیفات اور مقالات کی ایک مجمل فہرست پیش کر دی جائے جن میں یہ غیر مستند باتیں تحریر ہیں۔ اس فہرست میں ان کتابوں کو حذف کر دیا گیا ہے جو علمی حلقوں میں مستند نہیں سمجھی جاتیں، اپنی معلومات کی حد تک صرف انہیں کتابوں اور مضامین کا ذکر کیا جا رہا ہے جو کسی نہ کسی حیثیت سے مستند سمجھے جا سکتے ہیں:

اُردو اور فارسی تالیفات:

① فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

② ڈاکٹر برہان احمد فاروقی: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید، مطبوعہ لاہور ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء

③ لفٹیننٹ خواجہ عبد الرشید: معارف النفس، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء

④ ڈاکٹر معین الدین احمد: معاشرتی اور علمی تاریخ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

⑤ ڈاکٹر غلام جیلانی برق: فلسفیانِ اسلام، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

⑥ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام: رود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء

⑦ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ و سید نذیر نیازی: دائرۂ معارف اسلامیہ، جلد ۲، کالم ۳۹۲ (بذیل احمد، شیخ سرہندی)

⑧ امیر حمزہ شنواری: وجود و شہود، پشاور ۱۳۹۴ھ / ۱۹۷۴ء

انگریزی تالیفات :

8. Sayyid Fayyaz Mahmud : *A Short History of Islam* , Karachi 1960
9. John A. subhan : *Sufism Its Saints and shrines*, Lucknow, 1960
10. Prof Aziz Ahmed : *Studies in Islamic culture in the indian Environment* . Oxford , 1964
11. Dr. *A H Rizvi :Muslim Revivalists movements in Northern India in the 16th &17 centuries*, lucknow. 1965
M. Mujeeb : *The indian muslims* . london 1967
G. Allana : *Our Freedom Fighters.* Karachi.1969
Jamil Ahmad: *Hundred Great muslims.* lahore 1971
Dr Yohanan Friedmann: *Shaykh Ahmad Sirhindi an outline of His thought and a study of His Image in the eyes of poserity.* Montreal. 1971

انگریزی مقالات :

Prof Aziz Ahmad: *Religious and Political Ideas of Shaikh Ahmad Sirhindi.* Revista Degli Studi oriental, Volumes xxxvi, Roma 1961

17 Dr, Freeland Abbot: *The Decline of the Mughal Empire and Shah waliullah* __"The Muslim World" Volume III No, 2 April, 1962
Dr, Freeland Abbot: *Islam in India before Shah waliullah* __ "Studies In Islam" , volumes I,No I, New Delhi, january,1961

○

ممکن ہے کہ بعض قارئین کرام اس کتاب میں یہ بات محسوس کریں کہ اس میں کرامات و مکشوفات کے بیان سے گریز کیا گیا ہے نیز حضرت مجدد کے معارف روحانی کو یک قلم نظر انداز کر دیا گیا ہے اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے ـــــ ان امور کے متعلق وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

کشف و کرامات کو ہم نے اس لیے نظر انداز کر دیا کہ ایک تو یہ معیارِ ولایت نہیں دوسرے گزشتہ تین سو ساڑھے تین سو برس میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، تحصیل حاصل سے فائدہ؟ درحقیقت بے داغ سیرت ہی سب سے بڑا معیارِ ولایت ہے بلکہ قرآن نے تو اس کو معیارِ نبوت قرار دیا ہے اسی لیے مشرکین عرب کو بار بار سیرتِ مبارکہ کی طرف متوجہ کیا گیا۔

ہر زمانے کے اذواق اور تقاضے جدا ہوتے ہیں، ایک وہ زمانہ تھا جب کرامتیں سن سن کر دل اچھلتے تھے اور ایک زمانہ یہ ہے کہ بعض حضرات کو سن سن کر وحشت ہوتی ہے اور کرامات کا ذکر نہیں ہوتا تو اطمینان کا سانس لیتے ہیں اور اس کو سوانح کی سب سے بڑی خوبی قرار دیتے ہیں مثلاً ڈاکٹر شیخ محمد اکرام مرحوم، خواجہ محمد ہاشم کشمی کی زبدۃ المقامات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک روحانی بزرگ کے حالات ہونے کے باوجود یہ خرق عادت واقعات سے قریب قریب خالی

ہے۔[1]

اسی طرح جناب محمد اسلم صاحب (ریڈر شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی لاہور) مفتی غلام سرور لاہوری کی خزینۃ الاصفیاء پر تبصرہ کرتے ہوئے جدید اندازِ فکر کی اس طرح ترجمانی فرماتے ہیں:

"صاحب خزینۃ الاصفیاء نے اپنی کتاب میں "ہیبت ناک" قسم کی ایسی کرامات کی تفصیل دی ہے جن کو پڑھ کر انسانی عقل وخرد کو شرم آجاتی ہے، موجودہ نسلیں ان پر بحث ومباحثہ کرنے کی بجائے بے توجہی سے ان کو نظر انداز کرنا بہتر سمجھتی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کشف وکرامات کے بے معنی قصوں کا تصوف سے دور کا بھی تعلق نہیں"۔[2]

اس بات سے تو اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ کشف وکرامات بے معنی ہیں، اگر فاضل موصوف کے لیے بے معنی ہیں تو وہ مختار ہیں، روحانی معاملات میں عقل کا شرما جانا بھی مستبعد نہیں ع

ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

بیشک 'دانش برہانی' نادم وشرمسار ہے۔ ان معاملات کو سمجھنے کے لیے 'دانش نورانی' کی ضرورت ہے، دیکھا جائے تو کائنات کی ہر شے محیر العقول ہے اور فاضل موصوف کی اصطلاح میں 'ہیبت ناک' ہے ع

نظر پیدا کر اوّل پھر تماشا دیکھ قدرت کا

وہ بھی تھے جنہوں نے مکشوفات کو سنا، کرامات کو دیکھا اور سرِ تسلیم خم کیا، اللہ نے ان کو عقل دی تھی، عقل سے عاری نہ تھے بلکہ بہت سوں کو عقل سکھا گئے مگر وہ عقل منور ومستنیر تھی، یہ عقل امامت کے لائق نہیں جو قدم قدم پر شرماتی ہے۔ لیکن ہاں فاضل موصوف کی اس بات سے ہم اتفاق کریں گے کہ اولیاء اللہ کی سیرت کے اصلی خدوخال کرامات کی نذر ہو جاتے ہیں، واقعی یہ بات نہایت افسوس ناک ہے، فاضل موصوف لکھتے ہیں:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اگر آپ ان بزرگوں کے کارناموں، ان کی تعلیمی اور تربیتی کوششوں اور سوانح حیات سے واقفیت پیدا کرنا چاہیں تو آپ کو صحیح اور مستند حالات نہ مل

---

[1] شیخ محمد اکرام: ارمغان پاک، ص ۱۶۷

[2] پروفیسر محمد اسلم: تاریخی مقالات، مطبوعہ لاہور، سنہ ۱۹۷۰ء، ص ۲۷۹

سکیں گے، ان کے متعلق جس قدر لٹریچر ملتا ہے اس پر کشف و کرامات اور عقیدت کی گہر چھائی ہوئی ہے [۱]

بہر کیف ہم نے جدید نسل کی اس شکایت کے تحت کرامات کے باب کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ ہمارے خصوصی مخاطب وہی ہیں، جو حضرات کرامات کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں ان کو چاہیے کہ حضرت مجدد پر دوسری بہت سی تصانیف مطالعہ کریں جن میں سے بعض کا ذکر کتابیات میں کر دیا گیا ہے۔

دوسری بات جو ہم نے اس کتاب میں نظر انداز کر دی ہے حضرت مجدد کے بیشمار مکشوفات اور لامحدود معارفِ روحانی ہیں، ان کا بیان نہ کرنا حقیقت فراموشی ہے، لیکن یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس کا بیان کرنا آسان نہیں۔ جو حضرات بیان کرتے ہیں اُن میں اکثر فلسفیانہ اور منطقیانہ موشگافیاں کرتے نظر آتے ہیں، ان کی نظر صرف ظاہر تک ہے، لیکن یہاں بات دل میں اتر جانے اور دل میں اتار دینے کی ہے۔ یہ بات جبھی پیدا ہوتی ہے جب دل کو دل سے راہ ہوتی ہے ـــ عربی اور فارسی زبانیں جان لینا اور مصطلحات صوفیہ پر عبور حاصل کر لینا کافی نہیں بلکہ ان معارف کو سمجھنے کے لیے روحانی بلوغ کی ضرورت ہے۔ کم از کم اس بلندی تک پہنچنے کی ضرورت ہے جہاں سے وہ بلندیاں نظر آسکیں جہاں حضرت مجدد الف ثانی جلوہ افروز ہوئے ـــ بیان معارف میں اسی عجز و درماندگی کی وجہ سے محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ کی تصنیف فصوص الحکم پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر نکلسن نے لکھا ہے۔

"فصوص الحکم میں جن تصورات اور نظریات کا ذکر کیا گیا ہے ان کا سمجھنا مشکل ہے اور ان کی تشریح کرنا تو اور بھی مشکل ہے" [۲]

۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر محمد اقبال نے انگلستان میں ایک لیکچر دیا تھا، اس لیکچر میں ضمناً حضرت مجدد کے

---

[۱] ایضاً، ص۔ ۲۷۸

[۲] Nicholson . *Studies in Islamic Mysticism*. Cambridge, 1921. P 14.

مکتوبات اور آپکے روحانی معارف کا ذکر کیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنی بے بسی اور کم مائیگی کا اظہار بھی ان الفاظ میں کر دیا ہے:۔

"مجھے ڈر ہے کہ میں نفسیات حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کر سکوں کیونکہ اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں"۔[1]

جن معارف کو بیان کرنے سے فضلاء عصر عاجز ہوں ان کو ہم فرومایہ کیا بیان کر سکتے ہیں! ـــــ حضرت والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ نے بھی ایک مکتوب میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا تھا، آپ نے تحریر فرمایا تھا:

"ان مقامات کا تحریر کرنا (عام فہم) ناممکن ہے"۔[2]

چنانچہ ہم نے اسی عجز و درماندگی کی وجہ سے اس باب کو حذف کر دیا اور ضمناً انہیں معارف کا ذکر کیا گیا جو ضروری تھے، جن حضرات کو ان معارف کی تلاش و جستجو ہو ان کے لیے ضروری ہے کہ نہ صرف عربی اور فارسی زبانوں اور مصطلحات صوفیہ سے واقف ہوں بلکہ سوز و ساز بھی رکھتے ہوں، ان کو چاہیے کہ کسی اہلِ دل سے ان معارف کو سمجھیں، اہلِ دانش کے پاس نہ جائیں کہ وہاں سوائے زبانی جمع خرچ کے کچھ نہیں۔

آخر میں چند باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں ـــــ سیرت مجدد الف ثانی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں مکمل ہو گئی تھی (اس وقت راقم الحروف گورنمنٹ کالج ٹنڈو محمد خاں (ضلع بدین) میں تھا، اس کے بعد گورنمنٹ کالج، کھپرو (ضلع سانگھڑ) تقرر ہوا اور اب گورنمنٹ کالج مٹھی (ضلع تھرپارکر) میں کام کر رہا ہوں۔ تکمیل کے بعد کتاب کا مبیضہ مختلف فضلاء کے مطالعے میں رہا۔ پھر ناشر محترم حکیم محمد تقی صاحب زید مجدہ بعارضۂ فالج اچانک علیل ہو گئے اور ابتک علیل ہیں۔ اس طرح اشاعت میں تاخیر پر تاخیر ہوتی چلی گئی، بالآخر ناشر موصوف کے برادر زادہ برادرم فرید الدین صاحب اور فرزند نسبتی مکرم

---

[1] ڈاکٹر محمد اقبال: تشکیل جدید الٰہیات، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۳۹۹

[2] مکتوب محررہ ۱۱ رمئی ۱۹۶۱ء از دہلی۔

افتخار احمد صاحب سلمہا اللہ تعالیٰ نے کتابت و طباعت کا اہتمام کیا۔ ان دونوں حضرات کی مساعی جمیلہ سے یہ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے فجزاہما اللہ احسن الجزاء۔

سیرت مجدد الف ثانی کی تالیف کے بعد جو مواد حاصل ہوتا گیا، وہ ہمیشہ میں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح یہ کتاب گو ۱۹۷۳ء میں مکمل ہو گئی لیکن اس میں ۱۹۷۵ء تک اضافے ہوتے گئے اور ممکن ہے کہ طباعت کے مرحلے تک اضافے ہوتے رہیں کیونکہ تحقیقی کتابوں کا حال دوسری کتابوں سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں لمحہ بہ لمحہ ترمیم و اضافے کا عمل جاری رہتا ہے۔

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہم نے اس کتاب میں عربی، فارسی اور انگریزی کتابوں کے اقتباسات کے صرف اردو ترجمے دیے ہیں یہ اس لیے کہ اگر صرف متن پر اکتفا کیا جاتا تو بہت سے قارئین استفادہ نہ کر سکتے، متن اور ترجمہ دونوں کا اہتمام کیا جاتا تو کتاب کا حجم بڑھ جاتا (گو انگریزی تصانیف میں بالعموم ترجمہ دیا جاتا ہے) حجم بڑھ جانے سے کتاب کی قیمت پر اثر پڑتا۔ اس لیے سر دست ترجمہ دے دیا گیا ہے، لیکن تحقیقی نقطۂ نظر سے متن کا پیش کرنا ضروری ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت مجدد کی بسیط سوانح میں اس کمی کو پورا کر دیا جائے گا۔

مولیٰ تعالیٰ کا صد ہزار شکر و انعام ہے کہ اس نے مہلتِ حیات عطا فرمائی، ذوق و شوق سے نوازا۔ آرزو دی اور تکمیلِ آرزو کے اسباب فراہم کیے، اپنی محبت کے ساتھ ساتھ اہل اللہ کی محبت سے مشرف فرمایا، اور دولت محبت عطا فرما کے بے نیاز این و آں کر دیا۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

محمد مسعود احمد
پرنسپل
گورنمنٹ کالج، ٹھٹھہ (سندھ، پاکستان)

۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ
مطابق
۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء
یوم جمعۃ المبارک۔

ومن يتوكل على الله فهو حسبه

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خراجِ عقیدت

از

- مولٰنا عبدالرحمٰن جامی
- شیخ عبداللہ قطب
- خواجہ محمد عبداللہ المعروف بہ خواجۂ خورد
- خواجہ عبدالاحد وحدت
- شاہ ولی اللہ محدث دھلوی
- شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی
- ڈاکٹر محمد اقبال

①

مَوْلٰنَا عَبْدُالرَّحْمٰن جَامِیْ

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند | کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
ناقصے گر کند ایں سلسلہ را طعنِ قصور | حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیراں جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند | روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(روض الازہار فی ذکر الاخیار، مطبوعہ دھلی، ۱۳۴۴ھ)

②

شَیْخ عَبْدُاللہ قُطْبْ

صاحب مائۃ عاشر ظہور او در سنہ الف خواہد بود و شانِ او، شانِ غریب عجیب۔

(مکتوبات شیخ عبداللہ قطب، (قلمی) مکتوبہ ۸۸۰ھ)

③

خَواجہ عَبْدُاللہ

(ابن خواجہ باقی باللہ)

امامِ زماں قطبِ اقطابِ عالم | کہ چوں او ندانم کہ بگذشت یک تن
زبس ہمت و وسعت فیضِ باطن | بہ تجدید الف دوم شد معین
چو بہر شفاعت بہ محشر در آید | جہانے تہاں گرد و دش زیر دامن

(شیخ بدر الدین سرہندی، حضرات القدس، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۳ھ، ص ۲۶۵)

④

حضرت خواجہ عبدالاحد

وحدتؔ

بگو داستان ز احمد نقشبند — کہ داری دل از داغ عرش سپند

گزشتہ بیک گام زیں نہ طبق — زقد و سیان بردہ گوئے سبق

ہندوستان گرچہ دارد مقام — بالائے ہفتم فلک ماندہ گام

مربع نشین و مسدس سرا — براہش جبیں سودہ ہفتم سما

نگیں گشتہ در حلقۂ اولیاء — چو در انبیاء، خاتم الانبیاء

(از کتاب چار چمن مصنفہ حضرت وحدت،
قلمی کتب خانہ حافظ مجددی، کراچی)

⑤

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

وقد بلغ امرہ الی ان لا یحبہ الا مومن تقی ولا یبغضہ الا فاجر شقی۔

(ترجمہ) ان کی جلالت شان یہاں تک پہنچی ہے کہ ان کے متعلق بے خطر کہا جاسکتا ہے کہ ان سے نہیں محبت کرتا مگر مومن تقی اور نہیں بغض رکھتا مگر فاجر شقی۔

(شیخ محمد صالح الزواوی نقشبندی المجددی المظہری المکی: نفائس السانحات فی تذییل الباقیات الصالحات، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۰ھ، ص ۔ ۳۰)

(۶)

شاہ عبد الغنی محدث

مہاجر مدنی

اے خاک پاک روضہ، عبیری و عنبری — کہ اہلِ جہاں زبوئے تو مدہوش گشتہ اند
ساقی فشاند بر تو غوش آبے کہ اہلِ دہر — غافل پیشت آمدہ مخمور رفتہ اند!
سرے زخاک خلد تو داری کہ اہلِ ارض — یک نغمۂ تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
نے نے ترا ز تربت یثرب سرشتہ اند — پنہاں ز ردم و شام بہ سرہند ہشتہ اند
ایں خاک احمدی است بنات احد نگر — نے یک کہ صد ہزار ازیں خاک جستہ اند
اَھْلاً و مَرْحَبًا پے زوّار تو بسے! — اتفاں بعید بر رُخ اعدات بستہ اند
یارب مکن خلاص ازیں خاک در مرا — بد حال آں کساں کہ ازیں خاک رستہ اند
تیرے بخواب ناز بہ پہلوئے در شبل — یارب چہ رازہا است کہ ایں جا نہفتہ اند

تنہا غنی نہ مدح نغمہ تو ساز کرد
کرّوبیان عرش ہمیں گونہ گفتہ اند

(محمد میاں: علمائے ہند کی شاندار ماضی، حصہ اول، مطبوعہ مراد آباد، ۱۳۵۹ھ / ۱۹۳۹ء،
ص-۱۴۵)

(۷)

ڈاکٹر محمد اقبالؒ

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!

(بالِ جبریل، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء، ص-۲۱۱)

سیرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ
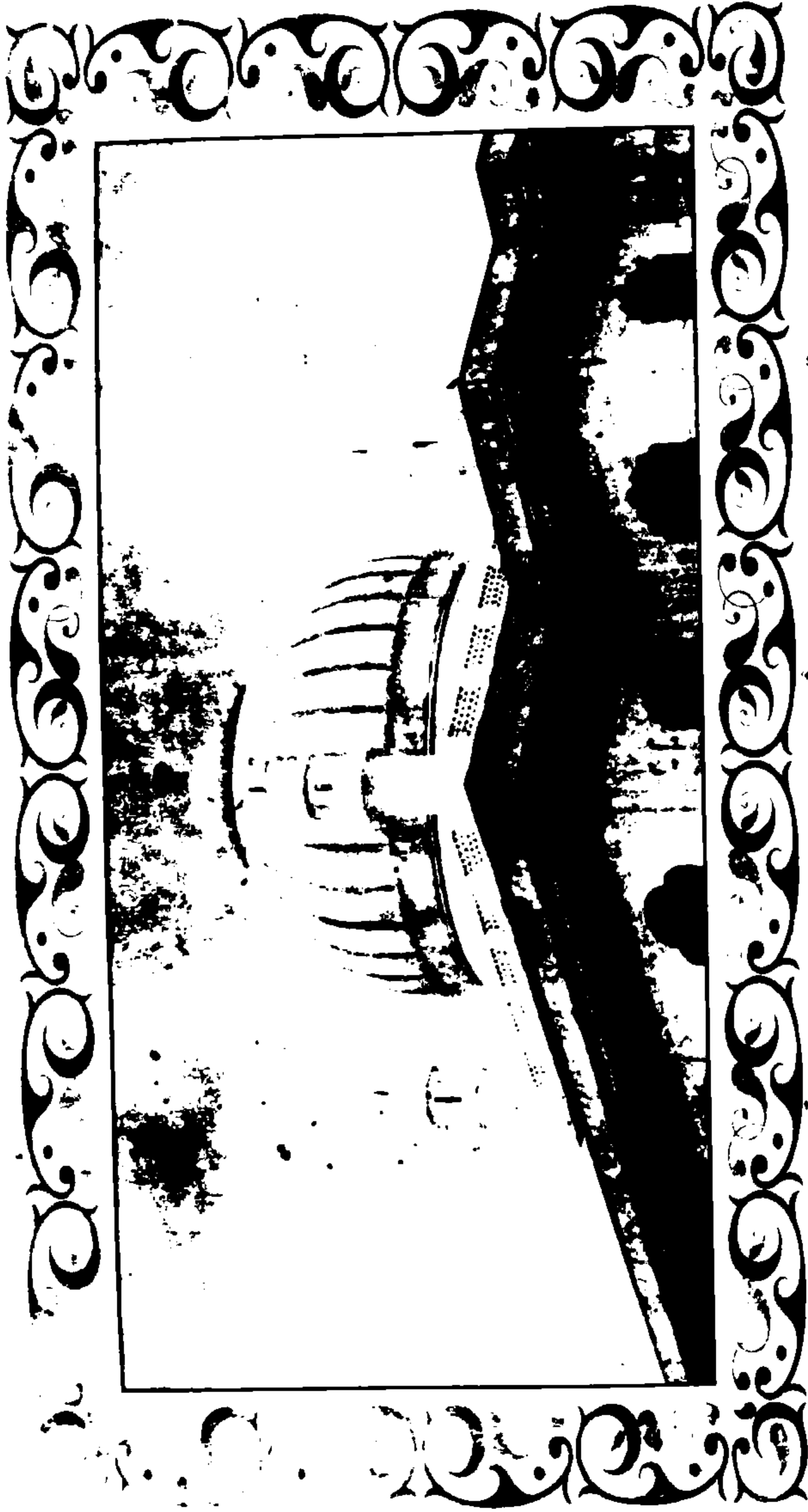
روضہ شریف حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سرہند شریف، پنجاب۔ بھارت

میلادِ مجدد قدس سرہٗ العزیز

از

حضرت محمد سلیم جان سلیم مجددی

دہر را مژدہ کہ صنعِ دگرے پیدا شد — زِ شبِ تیرہ مبارک سحرے پیدا شد
آں چناں ابرِ عطا و کرمِ حق بارید ! — گلشنِ فیض بہ ہر بام و درے پیدا شد
گشت آفاق منور ز ضیائے سرِ ہند — در شبِ تارِ ضلالت قمرے پیدا شد
ماہ و انجم درخشید و فلک داد نوید : — بر زمینِ مہ ہندی جلوہ گرے پیدا شد
تہنیت رفت ز گیتی بہ سماواتِ علیٰ — نائبِ احمدِ مرسل بشرے پیدا شد
حسنِ ذات از رخِ پُر نور برافگند نقاب — عشق رقصید کہ صاحب نظرے پیدا شد
مژدہ اے اہلِ دل و مژدہ اے اربابِ وفا — کہ مسیحا نفسے چارہ گرے پیدا شد
سزد از فخر اگر مادرِ گیتی نازد ! — در کنارش چہ خجستہ پسرے پیدا شد
شعلہ زد عشقِ رسول از دمِ او در عالم — باز از خاکِ فسردہ شررے پیدا شد
شکر کز قلزمِ انوارِ رسولِ عربی — احمدِ ہندی و الا گہرے پیدا شد
شکر در باغِ شریعت ز نہالِ فاروق — راحتِ قلب و نظر خوش ثمرے پیدا شد
عقدۂ شرع و طریقت باشارت وا کرد — شکر کہ ایں سلسلہ را باز سرے پیدا شد
بود از منزلِ خود صوفی و ملا گمراہ — شکر کہ ایں قافلہ را راہبرے پیدا شد
باز بنیادِ شہنشاہیٔ اسلام نہاد — خسروے بے کلہ و بے کمرے پیدا شد
سرنگوں بر درِ او سطوتِ شاہانِ جہاں — حاکمِ کشورِ دل تاجورے پیدا شد
کرد او بتکدۂ اکبر و فیضی مسمار — قصرِ دیں را چہ عجب کارگرے پیدا شد
گردنش پیشِ جہانگیر نشد خم ہرگز — آں شہے محتشمے مفتخرے پیدا شد
محرمِ سرِ نہاں سالکِ راہِ ایقاں — صاحبِ عزم و عمل دیدہ ورے پیدا شد
حامیٔ دینِ متین ماحیٔ شرک و بدعت — حق نما، حق طلبے، حق نگرے پیدا شد

نازشِ عالمیاں قدوۂ خاصانِ خدا — در نکویانِ جہاں خوبترے پیدا شد
بہ کمالات و فضائل، بہ علوم و عرفاں — فائق از اہلِ جہاں نامورے پیدا شد
آں مجدد کہ جہاں منتظر او بود: — شکر صد شکر کہ آں منتظرے پیدا شد

ظلمتِ بدعت و الحاد ز عالم بگریخت
شکر . . . . . ادت اثرے پیدا شد

باباطاہر ہمدانی

موآں بحرم کہ در ظرف آمدستم — چوں نقطہ بر سرِ حرف آمدستم
بہر الفی، الف قدی برآید — الف قدم کہ در الف آمدستم

(دو بیتی باباطاہر، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء، ص ۲۔)
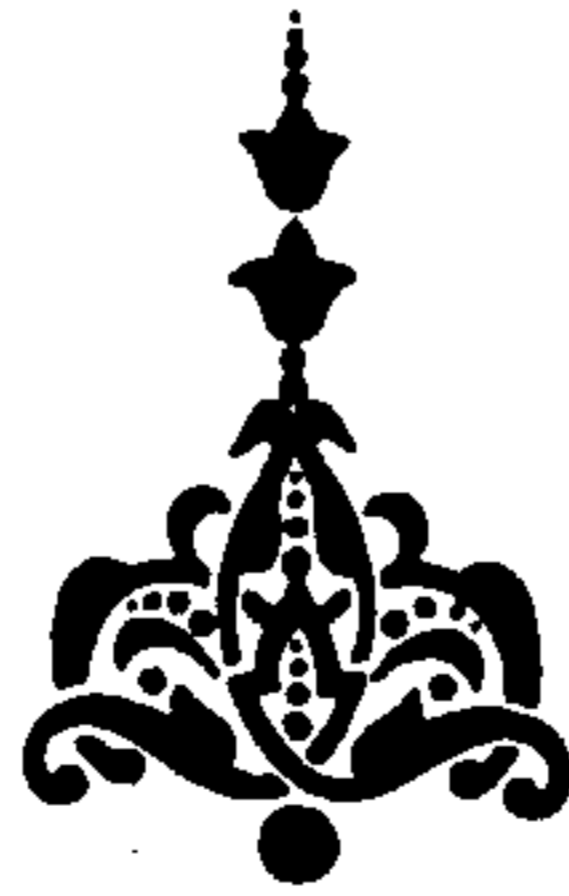
حسب ونسب

اجداد کرام

والد ماجد
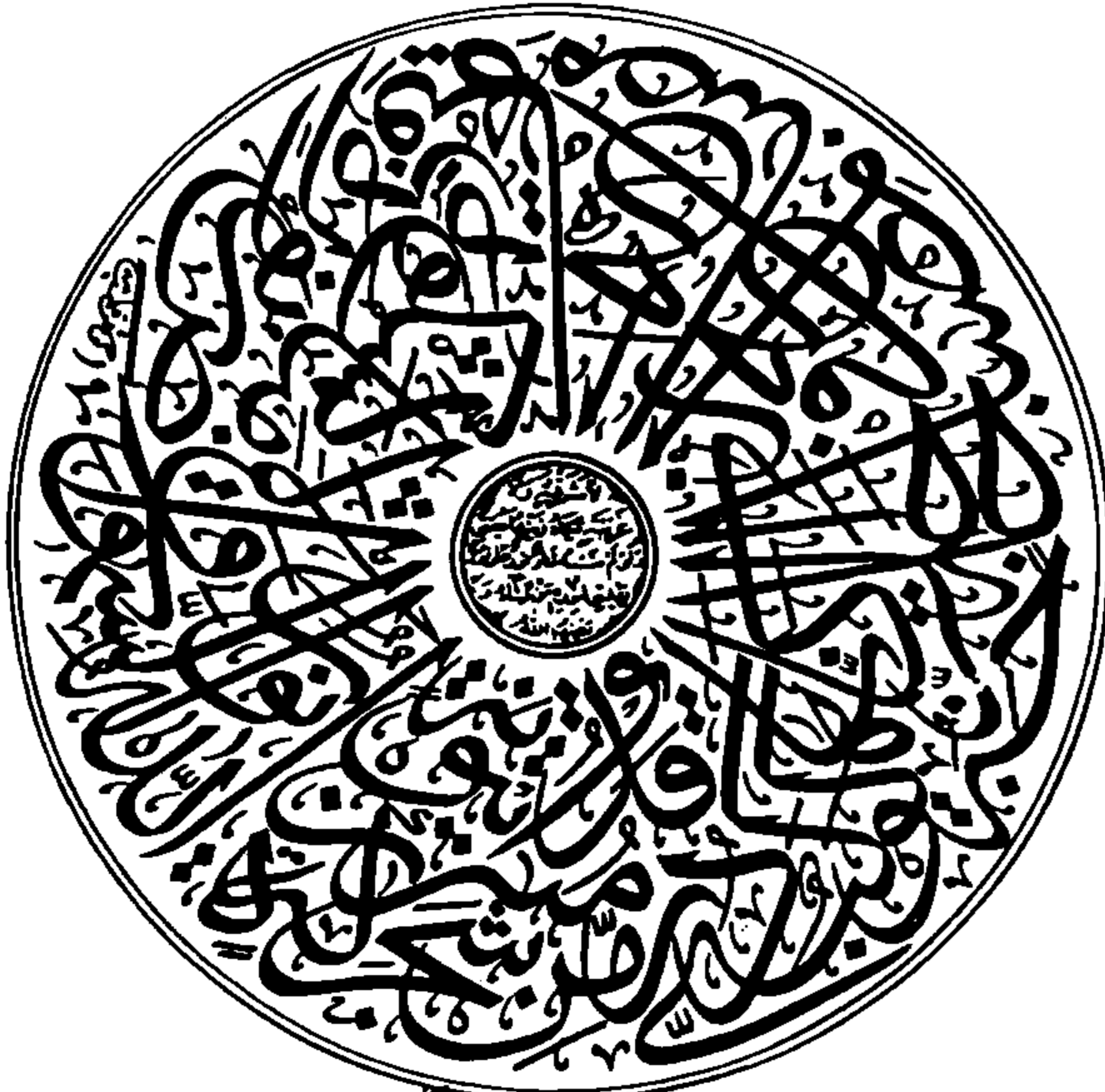
الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابوالکلام آزاد (۱۳۰۸ھ/۱۹۵۸ء) نے لکھا ہے:

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا وجودِ گرامی بھی منجملہ ان اکابرِ امت کے ہے جن کی تعظیم و توقیر تو حسنِ اعتقاد کی بنا پر بہت کی جاتی ہے لیکن ان کی زندگی کے اصل کارناموں پر پردے پڑ گئے ہیں۔[1]

اس میں شک نہیں کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اصل کارنامے عرصے تک مخفی رہے بلکہ خود آپ کی حیاتِ مبارکہ خود ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس نے عالم و عامی، صوفی و فقیہ، شاہ و گدا سب ہی کو متاثر کیا اور ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس نے سرزمینِ پاک و ہند میں سلطنتِ اسلامیہ اور ملتِ محمدیہ کی کایا پلٹ کر رکھ دی ڈاکٹر اقبال مرحوم (م۔ ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء) نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار[2]

حضرت مجدد، فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۔ ۲۴ھ/۶۴۴ء) کی اولادِ امجاد سے تھے پھر کیوں نہ آپ کی ذات گرامی اس قوت و شوکت کی امین ہوتی جو طوفان کا منہ موڑ دیا کرتی ہے اور سیلاب کا رُخ پھیر دیا کرتی ہے ؏

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

حضرت مجدد کی اس بے مثال روحانی قوت اور اس ہمہ گیر تاثیر کا ذکر کرتے ہوئے مولنا عبدالماجد دریا آبادی نے صحیح لکھا ہے:

عہد نبوت سے تقریباً ایک ہزار سال گزرنے پر شیخ احمد سرہندی پیدا ہوئے جنھوں نے نہ صرف سلسلۂ نقشبندیہ بلکہ تمام سلاسلِ تصوف میں تجدید و اصلاح کا صور اس بلند آہنگی

[1] ابوالکلام آزاد: تذکرہ، مطبوعہ لاہور ص۲۵۴

[2] ڈاکٹر محمد اقبال: بالِ جبریل: مطبوعہ لاہور ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء ص۔ ۲۱۱

کے ساتھ پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے در و دیوار سے آ رہی ہے[1]

حسب و نسب:

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا شجرۂ نسب ۲۹ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، یہ شجرۂ مبارکہ اس ترتیب سے ہے:

شیخ احمد[2] بن شیخ عبد الاحد[3] بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبد الحی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ امام رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحٰق بن شیخ عبد اللہ بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابلی بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبد اللہ (واعظ الاصغر) بن شیخ عبد اللہ (واعظ الاکبر) بن شیخ عبد الفتح بن شیخ اسحٰق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر[4] بن شیخ عبد اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

---

[1] عبد الماجد دریا آبادی: تصوف اسلام مطبوعہ لاہور ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، ص۔ ، پیش لفظ محررہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء

[2] ڈاکٹر قیام الدین احمد نے "سید احمد" لکھا ہے جو صحیح نہیں (ہندوستان میں وہابی تحریک، مطبوعہ کراچی، ۱۳۹۱ھ، ص۔ ۴۷۔ (مسعود)

[3] مصطفیٰ صبری نے "احمد بن عبد اللہ" لکھا ہے (موقف العقل و العلم، جلد اول ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) یہ بھی صحیح نہیں۔ نظامی بدایونی نے شیخ عبد الاحد کے بجائے شیخ عبد الوحید لکھا ہے (قاموس المشاہیر، مطبوعہ بدایوں جلد اول ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء) (مسعود)

[4] حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ (م ۱۰۵۴ھ) نے "ناصر بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب" لکھا ہے (زبدۃ المقامات مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء، ص۔ ۸۸) لیکن دوسرے خلیفہ خواجہ بدر الدین سرہندی نے ناصر کی بجائے "سالم" لکھا ہے (حضرات القدس، مطبوعہ لاہور) آریانا دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار نے ان دونوں خلفاء کے بیانات کی تطبیق کرتے ہوئے لکھا ہے "احتمال یہی ہے کہ سالم ناصر کا لقب ہوگا (باقی بر صفحہ آئندہ)

اجدادِ کرام :

حضرت مجدد کے بعض اجداد کے متعلق کتب سوانح و سیر سے کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً شاہ محمد فضل اللہ علیہ الرحمۃ (م ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۲ء) نے حضرت مجدد کے چودھویں جد کے متعلق تحریر فرمایا ہے[1]

حضرت مجدد کے چودھویں جد سلطان شہاب الدین المعروف بہ فرخ شاہ کابلی دانِ کابل تھے[2]

آپ نے کئی بار ہندوستان پر لشکر کشی کی (غالباً محمود غزنوی کے ہمراہ ۳۹۱ھ / ۱۰۰۰ء اور ۴۱۵ھ / ۱۰۲۴ء کے درمیان[3]) کفار سے جہاد کیا۔ بتوں کا قلع قمع کیا اور اسلام کا بول بالا کیا۔ بارہا بکثرت مالِ غنیمت لے کر فتح و نصرت کے ساتھ ہندوستان سے لوٹے، آخر میں ترکِ سلطنت کر کے فقر اختیار کیا اور سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہو گئے، کوہستانِ کابل میں سکونت اختیار کی۔ بندگانِ خدا کو اپنے روحانی فیوض و برکات سے مستفیض فرماتے رہے اور یہیں انتقال فرمایا۔ شیخ ضیاء الحق علیہ الرحمہ نے یہاں خانقاہ اور مسجد تعمیر کرائی، آج کل یہ مقام "درۂ فرخ شاہ" کے نام سے مشہور ہے[4]۔

(بقیہ صفحہ سابقہ) کیونکہ حضرت عبداللہ کی صلبی اولاد میں یہ نام ملتا ہے (جلد دوم، مطبوعہ کابل ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء ص ۱۳)

لیکن ابن حزم اندلسی (م ۴۵۶ھ / ۱۰۶۳ء) نے جمہرۃ الانساب میں شیخ ناصر کے والد شیخ عبداللہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرزند قرار نہیں دیا بلکہ اس طرح لکھا ہے :- عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ (بحوالہ حضرت مجدد الف ثانی مؤلفہ شاہ زوار حسین مطبوعہ کراچی ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء، ص ۳۰) فاضل جامعہ ازہر حضرت زید ابو الحسن مدظلہ العالی (سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ۔ دہلی) کی تحقیق بھی یہی ہے جس کا اظہار موصوف نے ایک ملاقات میں فرمایا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صاحب زبدۃ المقامات نے عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سمجھ کر شجرہ یہیں ختم کر دیا۔ (مسعود)

[1] حضرت شاہ محمد فضل اللہ علیہ الرحمۃ عارفِ کامل اور متبحر عالم تھے، ۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء میں ولادت ہوئی اور ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۲ء میں وصال فرمایا، سلسلۂ نسب ۷ واسطوں سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے۔ قندھار کے وسط میں درگاہ حضرت جی صاحب کے قریب آپ کا مزار مبارک ہے۔ (مسعود)

[2] خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ نے حضرت فرخ شاہ کابلی کے متعلق لکھا ہے : (باقی بر صفحہ آئندہ)

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد کے پانچویں جد حضرت امام رفیع الدین کے متعلق لکھا ہے:

حضرت مجدد کے پانچویں جد امام رفیع الدین حضرت شیخ جلال الدین بخاری (م ۷۸۵ھ/ ۱۳۸۴ء) کے مرید اور خلیفہ تھے، اپنے مرشد کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے، جب یہ دونوں حضرات موضع سرائس پہنچے جو سرہند شریف سے پانچ چھ کوس کے فاصلے پر ہے تو وہاں کے باشندوں نے درخواست کی کہ جب آپ دہلی رونق افروز ہوں تو سلطان فیروز شاہ تغلق (م ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء) سے فرمادیں کہ سرائس سے سامانہ آنے والوں کے لیے راستہ پر خطر ہے۔ جنگل میں وحشی درندے ہیں، اس لیے ان دونوں موضعوں کے درمیان ایک شہر آباد کر دیا جائے تاکہ جو لوگ سامانہ سے مالیانہ جمع کرانے سرائس آنا چاہیں تو ان کو تکلیف نہ ہو۔ سلطان فیروز شاہ تغلق، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت جلال الدین بخاری علیہ الرحمہ کا مرید تھا، آپ نے سرائس والوں کی سفارش فرمادی چنانچہ سلطان وقت نے حضرت مجدد کے پانچویں جد شیخ امام رفیع الدین علیہ الرحمۃ کے بڑے بھائی خواجہ فتح اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ وہ جاکر اس مقام پر شہر آباد کریں، خواجہ موصوف دو ہزار سوار لے کر وہاں پہنچے اور وہاں ایک قلعے کی تعمیر شروع کردی لیکن یہ عجیب حادثہ پیش آیا کہ ایک دن میں جتنا قلعہ تعمیر کیا جاتا، دوسرے دن وہ سب منہدم ہو جاتا۔ حضرت جلال الدین بخاری کو جب اس حادثہ کا علم ہوا تو آپ نے حضرت امام رفیع الدین علیہ الرحمہ کو سنام لکھا کہ وہ خود جاکر قلعہ کی بنیاد رکھیں اور شہر میں آباد ہوں، چنانچہ آپ تشریف لائے قلعہ تعمیر فرمایا اور پھر یہیں متوطن ہو گئے، یہ قلعہ پہلے موجودہ شہر سے دور تھا، اب

بقیہ صفحہ سابقہ: "وے از اجلۂ امراء و اعاظم وزراء سلاطین کابل بودہ، نخستین زیل ہندوستان دمت کہ از غزنہ و کابل بدیار ہند آمدہ و بہمیں وجہ امروز قبیلہ را کہ بوے منسوب است "کابلی" خوانند"

(زبدۃ المقامات، ص۔ ۸۸، ۸۹)

۳۔ محمد قاسم ہندو شاہ، فرشتہ: "تاریخ فرشتہ"، جلد اول مطبوعہ بمبئی ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۲ء

۴۔ محمد فضل اللہ: عمدۃ المقامات، مطبوعہ لاہور ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء، ص۔ ۹۹۔

(۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) آبادی کی وجہ سے شہر کے اندر آگیا ہے، اس شہر کو سہرند کہا جاتا تھا جس کے معنی "کچھار" کے ہیں، امتداد زمانہ کی وجہ سے سہرند، سرہند ہو گیا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۹۷۱ھ میں اسی شہر میں ہوئی[۱]

والد ماجد :

حضرت مجدد کے والد ماجد حضرت شیخ عبد الاحد علیہ الرحمہ (م ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء) . . . . . کے کچھ حالات خواجہ محمد ہاشم کشمی نے خود حضرت مجدد سے نقل کیے ہیں، یہاں حضرت مجدد اور خواجہ محمد ہاشم کشمی کی ان روایات اور بیانات کو مجملاً پیش کیا جاتا ہے :

حضرت شیخ عبد الاحد ایام جوانی میں اکتساب فیض کے لیے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی علیہ الرحمہ (م ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آستانہ عالی پر قیام کا ارادہ کیا لیکن حضرت شیخ نے فرمایا کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد آنا، چنانچہ جب تحصیل علم کے بعد حاضر ہوئے تو حضرت شیخ وصال فرما چکے تھے اور ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین علیہ الرحمہ (م ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء) مسند خلافت پر متمکن تھے، شیخ عبد الاحد کو سلسلۂ قادریہ اور چشتیہ میں خلافت سے مشرف فرمایا اور فصیح و بلیغ عربی میں اجازت[۲] نامہ مرحمت فرمایا۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء) آپ کے پیر بھائی تھے اس لیے اکثر ان کے ساتھ محفلیں رہتیں چناں انہیں محافل میں آپ کی ملاقات حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمۃ (م ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء) سے ہوئی جو سلسلۂ قادریہ کے عارف کامل تھے۔ حضرت موصوف ہی کے صاحبزادے حضرت شاہ سکندر کیتھلی علیہ الرحمہ (م ۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء)

---

[۱] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، (۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء) ص ۸۹-۹۱ ملخصاً

[۲] یہ اجازت نامہ ۹۰۹ھ / ۱۵۷۱ء میں حضرت شیخ رکن الدین علیہ الرحمہ نے خود تحریر فرمایا جو زبدۃ المقامات میں (صفحہ ۹۳ تا ۹۶) خواجہ محمد ہاشم کشمی نے نقل کر دیا ہے۔

حضرت مجدد کی خدمت میں خرقۂ مبارکہ (حضرت غوث اعظم) لے کر حاضر ہوئے تھے[1]

حضرت شیخ عبدالاحد کافی عرصے سفر میں رہے اور بہت سے ارباب معرفت سے ملاقاتیں کیں بالآخر سرہند تشریف لے آئے اور آخر عمر تک یہیں رہے اور کتب معقول و منقول کا درس دیتے رہے۔ فقہ و اصول میں بے نظیر تھے، کتب صوفیہ مثلاً تعرف، عوارف المعارف، اور فصوص الحکم کا بہت خوب درس دیتے تھے، بہت سے مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا چنانچہ شیخ میرک (جو اس زمانے میں لاہور میں خلوت گزیں تھے) نے فصوص الحکم شیخ عبدالاحد ہی سے پڑھی تھی ــــــ المختصر

"درآگاہی از اسرار ارباب توحید وجودی رتبہ علیا داشت و در حل دقائق شیخ محی الدین العربی قدس سرہ الانور از فرط علم و غلبۂ حال ید طولیٰ و بر مشرب او بود"[2]

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ وہ نزع کے وقت والد ماجد کے پاس موجود تھے، اچانک فرمایا:

سخن ہمان ست کہ شیخ بزرگوار فرمودہ[3]

آپ سمجھے کہ شیخ بزرگوار سے شاید شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ مراد ہیں، اس لیے عرض کیا:

"شیخ ابن العربی"؟[4]

آپ نے فرمایا:

"نہ، شیخ ما، شیخ عبدالقدوس"[4]

حضرت مجدد نے عرض کیا کہ "وہ کیا بات ہے"؟ تھوڑی دیر خاموشی کے بعد فرمایا:

"آں شخص این است کہ گفت حقیقت او سبحانہ ہستی مطلق است، اما کسوت کونیہ خاک در چشم محجوباں می اندازد و دور و مہجور می سازد"[5]

---

[1] زبدۃ المقامات، ص ۱۱۳

[2] تا [5] زبدۃ المقامات، ۱۲۲ تا ۱۲۳

حضرت شیخ عبدالاحد نے ۸۰ سال کی عمر میں ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء میں وصال فرمایا، اور سرہند شریف میں شہر کے مغربی جانب آغوش لحد میں رکھدیا گیا۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے:۔

آں شیخ کہ بود اعلم اندر ہر فن — جانش گہر سر ازل را معدن
چوں شیخ زمانہ بود در علم و عمل — تاریخ وصال او بگو شیخ زمن[۵۱]

۱۰۰۷ھ

سکندرے کے قریب اٹاوے میں ایک نیک گھرانے میں حضرت شیخ عبدالاحد کا عقد ہوا تھا، آپ کے ہاں سات صاحب زادے تولد ہوئے۔ حضرت مجدد چوتھے صاحب زادے ہیں، یہ سب کے سب بھائی صاحب علم وفضل تھے، حضرت مجدد کے بڑے بھائی حضرت شاہ محمد علیہ الرحمہ تھے جو آپ سے ایک سال بڑے تھے، قال وحال میں والد ماجد کے تلمیذ رشید تھے۔ دوسرے بھائی شیخ مسعود علیہ الرحمہ تھے، آپ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) سے تلقین ذکر حاصل کی۔ چھوٹے بھائیوں میں ایک شیخ غلام محمد تھے اور دوسرے شیخ مودودی۔ مکتوبات امام ربانی میں ان دونوں بھائیوں کے نام متعدد مکاتیب موجود ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کی حضرت مجدد نے تربیت فرمائی، دونوں ظاہری وباطنی خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ تھے[۵۲]

علوم دینیہ میں شیخ عبدالاحد علیہ الرحمۃ کی متعدد تصانیف ہیں، تصوف میں بعض رسائل ہیں مثلاً کنوز الحقائق، اسرار التشہد وغیرہ۔ اسرار التشہد کے بعض نکات صاحب زبدۃ المقامات نے نقل کیے ہیں[۵۳]۔

---

۵۱ زبدۃ المقامات، ص ۱۲۲

۵۲ زبدۃ المقامات، ص ۱۲۳، ۱۲۶

۵۳ زبدۃ المقامات، ص ۱۱۰ - ۱۲۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القارعة ما القارعة

وما ادراك ما القارعة يوم يكون الناس كالفراش المبثوث

وتكون الجبال كالعهن المنفوش صدق اللہ العظیم

کتبہ: خورشید عالم گوہر قلم برائے
حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب دامت برکاتہم

طفولیّت و شبابْ

- ولادت باسعادت
- تعلیم و تعلّم
- سفر اکبر آباد

مرکزی دروازہ خانقاہ عالیہ مجددیہ سرہند شریف مشرقی پنجاب ۔ بھارت

ولادتِ باسعادت :

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۹۷۱ھ / ۱۵۶۳ء میں سرہند شریف میں ہوئی، خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے :

یہ آفتابِ ولایت اپنے پیر بزرگوار (خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ) کی طرح ۹۷۱ھ میں طلوع ہوا، حضرت خود بھی تخمیناً یہی فرماتے تھے اور اس احقر نے آپ کے بعض معتمر عزیزوں اور اقارب سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی بتایا۔ کلمہ "خاشع" (۹۷۱ھ) سے سنہ ولادت معلوم ہو سکتا ہے، آپ سرہند شریف میں تولد ہوئے۔[1]

حضرت مجدد بچپن میں بہت سرخ و سپید تھے، ایک مرتبہ کچھ بیمار ہو گئے اور کافی کمزور ہو گئے، آپ کی والدہ شریفہ بے چین ہو گئیں اور عارفِ کامل حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمہ (م ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء) کی خدمت میں حاضر ہوئیں، دعا کی درخواست کی۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا :

"مطمئن رہو، اس بچے کی عمر دراز ہوگی، یہ عارفِ کامل و عامل ہوگا اور ہمارے تمہارے جیسے اس کے دامن سے نکلیں گے"[3]

حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد کے متعلق آپ کے والد ماجد شیخ عبد الاحد علیہ الرحمہ کو بہت سی بشارتیں دیں۔ جب شاہ کمال کا وصال ہوا تو حضرت مجدد سات آٹھ سال کے ہوں گے لیکن آپ کو حضرت شاہ صاحب کی شکل و شباہت یاد تھی بلکہ وہ جگہ تک یاد تھی جہاں حضرت شاہ صاحب، شیخ عبد الاحد کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔[4]

---

[1] جدید محققین میں ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد اول، ص ۹۰۰) اور سی۔ اے۔ اسٹوری نے اسی سنہ ولادت کو ترجیح دی ہے (ہسٹری آف پرشین لٹریچر، جلد اول، حصہ دوم، ص ۹۸۸)

[2،3،4] زبدۃ المقامات، ص ۱۲۷

تعلیم و تعلم :

حضرت مجدد نے اوائل عمر ہی میں قرآن پاک پڑھ لیا بلکہ بقول خواجہ محمد ہاشم کشمی حفظ بھی فرمالیا[1] اور پھر اپنے والد ماجد شیخ عبد الاحد علیہ الرحمۃ بیشتر علوم معقول و منقول حاصل کیے۔ والد ماجد کے علاوہ دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا مثلاً مولانا کمال کشمیری علیہ الرحمہ سے بعض مشکل کتابیں عضدی وغیرہ پڑھیں۔ حضرت مولانا شیخ یعقوب کشمیری علیہ الرحمۃ[2] سے کتب حدیث پڑھیں اور سند لی۔ قاضی بہلول بدخشی علیہ الرحمہ سے یہ کتابیں پڑھیں۔

۱۔ تفسیر واحدی اور اس کی مؤلفات، تفسیر بسیط، تفسیر وسیط، اسباب النزول

۲۔ تفسیر بیضاوی اور اس کی مصنفات منہاج الوصول، الغایۃ القصوی

۳۔ بخاری شریف اور اس کی مؤلفات ثلاثیات، ادب المفرد، افعال العباد

۴۔ مشکوٰۃ تبریزی

---

[1] اور دوسرے سوانح نگاروں نے بھی یہی لکھا ہے کہ اوائل عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا لیکن خود حضرت مجدد کے ایک مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دولت قلعہ گوالیار میں نظر بندی کے زمانے (۱۰۲۸ھ تا ۱۰۲۹ھ) میں حاصل ہوئی، چنانچہ آپ ایک مکتوب میں اپنے صاحبزادگان کو تحریر فرماتے ہیں:

دوسری بات یہ کہ قرآن پاک سورۂ عنکبوت تک ختم ہوگیا ہے، رات کو جب اس مجلس (جہانگیر بادشاہ کی مجلس) سے واپس ہوتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہو جاتا ہوں، حفظ کی یہ دولت عظمیٰ اس پریشانی میں حاصل ہوئی جو جانِ جمعیت تھی الحمد للہ اولاً و آخراً۔

(مکتوبات شریف، جلد سوم، مکتوب نمبر ۴۳)

[2] شیخ یعقوب کشمیری، شیخ حسین خوارزمی علیہ الرحمۃ کے اجلۂ خلفا تھے اور حرمین شریفین کے کبار محدثین سے سندِ حدیث حاصل کی تھی۔

(زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۲۸)

۵ شمائل ترمذی

۶ جامع صغیر سیوطی

۷ قصیدہ بردہ شیخ بو سعید بوصیری

قاضی بہلول بدخشی علیہ الرحمہ[۱] نے حدیث مسلسل "ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" کے ساتھ حضرت مجدد کو مشکوٰۃ المصابیح کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حصولِ اجازت کے بعد حضرت مجدد نے فرمایا:-

یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے طبقۂ محدثین میں داخل کر لیا گیا ہے[۲]

سفرِ اکبر آباد:

تقریباً ۹۹۸ھ میں تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مجدد آگرے تشریف لے گئے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے حلقۂ درس میں فضلائے عصر شریک ہوتے تھے، یہ اکبری دورِ حکومت تھا اور پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے آگرے کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور وہ گہوارۂ علم و حکمت تھا، ہر علم و فن کے کاملین یہاں جمع ہو گئے تھے۔ قیام آگرہ ہی کے زمانے میں شیخ مبارک ناگوری کے بیٹے شیخ ابوالفیض فیضی (م ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء) اور شیخ ابوالفضل سے حضرت مجدد کے مراسم ہو گئے تھے اور آپ ان کے ہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ یہ دونوں بھائی حضرت مجدد کا بڑا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ ابوالفضل کے ایک شاگرد نے حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ سے بیان کیا:

میرے استادِ گرامی اپنے کسی دوست کو خط لکھ رہے تھے، اثنائے تحریر میں تمہارے شیخ کا ذکر آیا تو تعریف و توصیف میں بہت سے القاب لکھے[۳]

---

[۱] قاضی صاحب کے متعلق خواجہ محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں:

"قاضی مذکور اجازت ایں کتب مذکورہ با حدیث مسلسل از شیخ معظم عبد الرحمٰن بن فہد داشتہ کہ او و آبائے او در اں بلاد معظمہ از کبار محدثین بودہ اند و خانۂ ایشاں آباً عن جدٍ بیت الحدیث ۔"

[۲] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۰

[۳] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۲

ایک مرتبہ آپ فیضی کے ہاں تشریف لے گئے تو وہ اپنی تفسیر سواطع الالہام (تصنیف ۱۰۰۲ء) لکھنے میں مصروف تھا، (یہ تفسیر فیضی نے صنعت غیر منقوطہ میں لکھی ہے) کہ ایک جگہ پہ اٹک گیا۔ جیسے حضرت مجدد کی تشریف آوری کا علم ہوا تو فرط مسرت سے کہا:۔

اچھے موقع پر تشریف لائے، ایک جگہ اٹک گیا ہوں، تاویل تفسیر کے لیے حرف غیر منقوطہ نہیں ملتے، بہت دماغ سوزی کی مگر دل پسند عبارت ہاتھ نہ لگی، ذرا آپ کوشش فرمائیں۔[۱]

حضرت مجدد نے اسی وقت کاغذ لیا اور قلم برداشتہ کمال بلاغت کے ساتھ صنعت غیر منقوطہ میں ایک صفحہ تحریر فرمادیا۔ زبانِ عربی پر حضرت مجدد کی یہ قدرت و مہارت دیکھ کر فیضی حیران رہ گیا۔[۲]

ان دونوں بھائیوں سے حضرت مجدد کے تعلقات خوشامدانہ نہ تھے بلکہ غیرت مندانہ تھے، اس حقیقت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایک روز آپ ابوالفضل کے ہاں تشریف لے گئے، مجلس جمی، علمی گفتگو شروع ہوئی، اتفاقاً ابوالفضل نے فلاسفہ کی تعریف شروع کر دی، حضرت مجدد کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی اور آپ نے فلاسفہ کے رد میں حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) کا قول پیش کیا، ابوالفضل نے تنک کر کہا:۔

"غزالی نے نامعقول بات کہی ہے۔"[۳]

حضرت امام غزالی جیسے عارفِ کامل کی جناب میں یہ گستاخی کیسے برداشت کی جاسکتی تھی، چنانچہ حضرت مجدد فوراً اس مجلس سے اٹھے اور چلے آئے۔ اس واقعہ کی تفصیل خود ابوالفضل کے ایک شاگرد کی زبانی سنیے:۔

حضرت شیخ ان کلمات کو سن کر متغیر ہو گئے، مجلس سے اٹھ گئے، اٹھتے ہوئے فرمایا کہ "تم کو علماء کی صحبت کا ذوق و شوق ہے تو اس قسم کی بے ادبانہ طرز گفتگو سے باز رہو۔"

---

[۱] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۲

[۲] ایضاً، ص۔ ۱۳۲

[۳] ایضاً، ص۔ ۱۳۲

یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے اور چند روز مجلس میں نہیں آئے حتیٰ کہ خود ابوالفضل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے کسی کو بھیج کر معذرت خواہی کی اور آپ کو بلایا۔[1]

قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد نہ صرف ابوالفضل اور فیضی کی مجلسوں میں شریک ہوئے بلکہ دیگر امرائے شاہی اور خود شاہی مجالس میں بھی شریک رہے جیسا کہ خود رسالہ ردِّ شیعہ (۱۰۰۱ھ/۱۵۹۲ء) میں تحریر فرماتے ہیں :-

"بعضے از طلبہ شیعہ کہ متردد ایں حدود بودند مقدمات افتخار مسالمت می نمودند، در مجالس امراء و سلاطین ایں مغالطات شہرت می دادند و ایں حقیر در مجلس و معرکہ شاذ بمقدمات معقولہ و منقولہ ردِّ آں ہا می کرد"[2]

حضرت مجدد کو آگرے میں خاصا وقت گزر چکا تھا، والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد آپ سے بڑی محبت فرماتے تھے، وہ آپ کے ہجر و فراق میں بے چین ہو گئے اور ضعف و کبرسنی کے باوجود سرہند شریف سے بنفس نفیس آگرے پہنچے، خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے یہ تمام تفصیلات تحریر کی ہیں، یہاں مجملاً عرض کیا جاتا ہے :-

جس زمانے میں کہ آپ آگرے گئے ہوئے تھے، کافی عرصہ گزر گیا تو والد ماجد اس فرشتہ صفت بیٹے کے شوق دیدار میں بے چین ہو گئے اور باوجود دوری مسافت اور کبرسنی کے آگرہ تشریف لائے۔ آگرے کے ایک فاضل نے دریافت کیا "یہ تکلیف کیوں فرمائی"؟ آپ نے فرمایا کہ فرزند دلبند شیخ احمد سلمہ اللہ کے ملاقات کے شوق میں یہاں آ گیا، چوں کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے ان کا میرے پاس آنا مشکل تھا اس لیے میں آ گیا ہوں

یوسف نرود کنعان یعقوب بروں آید[3]

حضرت شیخ عبدالاحد حضرت مجدد کو اپنے ساتھ ہی سرہند لے گئے، راستے میں جب

---

[1] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۲

[2] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۳

[3] ایضاً، ص۔ ۱۳۳

تھانیسر پہنچے تو وہاں کے رئیس شیخ سلطان (مقربین اکبر بادشاہ) کی لڑکی سے حضرت مجدد کا عقد مسنون ہوگیا[1] پھر یہ دونوں حضرات سرہند تشریف لے آئے۔ حضرت مجدد ایام جوانی میں آگرے سے واپس آنے کے بعد اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد دو تین بار پھر آگرے تشریف لائے[2]

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

---

[1] کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیۃ، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۶۷ و ۶۸

[2] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۵۹

سیر و سلوک

- مشائخ طریقت
- خواجہ عبدالاحد
- خواجہ محمد باقی باللہ
- سفر دہلی
- پہلا سفر
- دوسرا سفر
- تیسرا سفر
- چوتھا سفر

مزار مبارک خواجہ خواجگان شاہ نقشبند علیہ الرحمہ قصر عارفاں

مشائخ طریقت:

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے متعدد شیوخ سے مختلف سلاسل طریقت میں اجازت و خلافت حاصل فرمائی مثلاً:

(۱) سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے استاد محترم حضرت شیخ یعقوب کشمیری علیہ الرحمہ سے اجازت و خلافت حاصل فرمائی۔[1] حضرت شیخ ممدوح شیخ حسین خوارزمی کے اجلۂ خلفاء میں تھے

(۲) سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد (م ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء) سے اجازت و خلافت حاصل فرمائی۔[2] موصوف حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کے فرزند حضرت شیخ رکن الدین علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں تھے اور آپ ہی سے سلسلۂ چشتیہ اور قادریہ میں اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔

(۳) سلسلۂ قادریہ میں کیتھلی (مضافات سرہند) کے بزرگ حضرت شاہ سکندر علیہ الرحمہ (م ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء) سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔[3] موصوف عارف کامل حضرت شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمہ کے خلیفہ و جانشین تھے۔

(۴) سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) سے اجازت و خلافت حاصل فرمائی۔[4] حضرت ممدوح شیخ المشائخ حضرت خواجہ امکنگی علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں تھے۔

حضرت مجدد غالباً سب سے پہلے اپنے استاد محترم حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے مستفیض ہوئے۔ اس کے بعد اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد سے، پھر حضرت خواجہ باقی باللہ سے اور آخر میں حضرت شاہ سکندر سے۔

۱؎ بدرالدین سرہندی: حضرات القدس، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۱۰

۲؎ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات۔ ص ۲۴

۳؎ حضرات القدس، ص۔ ۴۴ تا ۴۸

۴؎ حضرت مجدد: مکاشفات غیبیہ۔ ص ۱۰۔ ۱۱

حضرت مجدد نے ان سلاسل ثلاثہ میں اپنی اکتساب فیض کا اس طرح ذکر فرمایا ہے :

مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی واسطوں سے ارادت ہے طریقۂ نقشبندیہ میں اکیس واسطوں سے ۔ طریقۂ قادریہ میں پچیس اور طریقۂ چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے [1]

ایک اور جگہ اپنے اکتساب باطنی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اس فقیر کو نسبت فردیت اپنے والد بزرگوار سے ملی ہے ، اس کے علاوہ اس فقیر کو عبادت نافلہ خصوصاً نماز نافلہ کی توفیق بھی اپنے والد بزرگوار سے ملی ہے [2]

حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد کے مختلف شجرہ ہائے طریقت زبدۃ المقامات اور مکاشفات عینیہ میں نقل کیے ہیں۔ زبدۃ المقامات میں سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شیخ عبد الاحد کی سند اجازت ۔ نقل کی جو موصوف کو حضرت شیخ رکن الدین علیہ الرحمہ نے عنایت فرمائی تھی اس میں سلسلۂ چشتیہ کے شیوخ طریقت کی ترتیب یہ ہے :۔

شیخ عبد القدوس گنگوہی ، شیخ محمد عارف ، شیخ احمد عبد الحق ، شیخ جلال پانی پتی [3] ، شیخ شمس الدین ترکستانی ، شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر ، شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ، خواجہ معین الدین سجزی ، شیخ عثمان ہرونی ، حاجی شریف زندنی ، شیخ مودود چشتی ، شیخ ابو یوسف چشتی ، شیخ ابی محمد چشتی

---

[1] حضرت مجدد :۔ مکتوبات شریف ، جلد سوم ، مطبوعہ امرتسر (۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء) ، مکتوب نمبر ۸۷

[2] (ا) حضرت مجدد : مبدا و معاد ، مطبوعہ لاہور ، ص ۵

(ب) زبدۃ المقامات ، ص ۱۳۲ و ۱۴۳

[3] مکاشفات عینیہ (مکاشفات غیبیہ مجددیہ ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء) مطبوعہ کراچی (۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء) میں خواجہ محمد ہاشم کشمی نے شیخ محمد عارف کے بعد شیخ شمس الدین تحریر فرمایا ہے (ص ۱۱)

[4] خواجہ محمد ہاشم کشمی نے شیخ جلال پانی پتی کا ذکر نہیں کیا۔

شیخ ابی اسحٰق الشامی، شیخ حذیفۃ المرعشی، شیخ ابراہیم الادھم، شیخ فضیل بن عیاض، شیخ عبدالواحد بن زید، شیخ حسن البصری، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2]

طریقۂ نقشبندیہ میں حضرت مجدد کے شیوخ طریقت کا خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد کی یادداشت سے اس طرح ذکر کیا ہے:۔

شیخ محمد الباقی، خواجہ امکنگی، مولینا درویش محمد، مولینا محمد زاہد، خواجہ عبیداللہ احرار، شیخ یعقوب چرخی، خواجہ بہاؤالدین نقشبند، شیخ امیر کلال، بابا محمد سماسی، عزیزاں علی رامیتنی، شیخ محمود ابخیر فغنوی، شیخ عارف ریوگری، شیخ عبدالخالق غجدوانی، شیخ یوسف ہمدانی، شیخ بوعلی فارمدی طوسی، شیخ ابوالحسن خرقانی، حضرت ابویزید بسطامی، حضرت امام جعفر صادق، حضرت امام قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابی بکر الصدیق، حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم [3]

طریقۂ قادریہ کا شجرہ بھی خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد کی قلمی یادداشت سے اس طرح نقل کیا ہے:۔

شیخ عبدالاحد، شیخ سکندر، شیخ کمال، شاہ فضیل، سید گدا رحمٰن، شیخ شمس الدین صحرائی، سید عقیل، سید بہاؤالدین، سید عبدالوہاب، سید شرف الدین قتال، سید عبدالرزاق، محی الدین ابی محمد عبدالقادر جیلانی، شاہ ابی صالح، سید موسیٰ جنگی دوست، سید عبداللہ، سید یحییٰ زاہد، سید محمد مورث، سید داؤد، شاہ موسیٰ، سید عبداللہ مورث، شاہ محمد جون، سید عبداللہ محض،

---

[1] خواجہ ممدوح نے شیخ حذیفۃ المرعشی سے پہلے شیخ ہبیرۃ البصری اور شیخ ابی اسحٰق دینوری کا ذکر کیا ہے۔

[2] زبدۃ المقامات، ص۔ ۹۴

[3] حضرت مجدد ، مکاشفات غیبیہ، ص۔ ۱۰، ۱۱

سید حسن مثنیٰ، حضرت امام حسن، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلسلۂ قادریہ میں حضرت شاہ کمال کیتھلی نے حضرت مجدد کو بچپن ہی میں اپنی توجۂ خاص سے نوازا اور بعد میں خرقۂ خلافت عطا فرمایا تھا جو آپ کے جانشین حضرت شاہ سکندر علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد کو عنایت فرمایا۔ اس واقعہ کی تفصیل خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اس طرح لکھی ہے :۔

جب پہلی مرتبہ (۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹ء) خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی صحبت سے مستفیض ہو کر دہلی سے واپس سرہند تشریف لائے تو ایک روز مریدین کے حلقے میں مراقبہ فرما رہے تھے، اثنائے مراقبہ شاہ سکندر نبیرہ شاہ کمال کیتھلی تشریف لائے اور شاہ کمال کا خرقہ شریف آپ کے شانوں پر ڈال دیا، حضرت مجدد جب مراقبے سے فارغ ہوئے تو خرقہ شریف زیب تن فرمایا اور دولت کدے میں تشریف لے گئے، کچھ دیر بعد باہر تشریف لائے اور فرمایا :۔

حضرت شاہ کمال کا خرقہ پہننے کے بعد عجیب حالت رونما ہوئی۔[2]

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت مجدد کو مختلف سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل تھی لیکن سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سے آپ کو خاص لگاؤ تھا، آپ ہی کے دم سے اس سلسلے کو پاک و ہند اور دیگر ممالک

---

[1] نوٹ :۔ شیخ رکن الدین علیہ الرحمہ نے حضرت شیخ عبدالاحد کو سلسلۂ قادریہ میں جو اجازت نامہ (۹۹۶ھ/۱۵۸۸ء) مرحمت فرمایا تھا اس میں شیوخ طریقت کی ترتیب یہ ہے :۔

شیخ ابراہیم بن معین الحسنی، شیخ احمد الجیلی، شیخ موسیٰ القادری، شیخ عبدالقادر سید حسن، شیخ ابی الصالح، شیخ عبدالرزاق، شیخ محمد عبدالقادر جیلانی، شیخ ابی سعید مخزومی، ابی الحسن علی القرشی، شیخ ابوالفرح یوسف طرطوسی، شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمی، شیخ ابی بکر الشبلی، حضرت جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، شیخ معروف کرخی، شیخ سلیمان داؤد طائی، شیخ علی بن موسیٰ، حضرت جعفر صادق، حضرت علی محمد الباقر، حضرت امام حسین، حضرت علی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (زبدۃ المقامات، ص ۹۴، ۹۹)

[2] زبدۃ المقامات، ص ۱۳۵ (ملخصاً)

اسلامیہ میں فروغ حاصل ہوا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں بیعت و اجازت کے حالات و واقعات اور اس سلسلے کے شیخ طریقت حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے متعلق مجملاً عرض کر دیا جائے۔

خواجہ محمد باقی باللہ:

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نسباً خلجی ترک[1] تھے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی قاضی عبدالسلام تھا۔ ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء یا ۹۷۲ھ/۱۵۶۴ء میں کابل (افغانستان) میں حضرت خواجہ کی ولادت باسعادت ہوئی، مولانا صادق حلوائی سے علوم رسمیہ کی تحصیل کی اور موصوف ہی کے ہمراہ کابل سے ماوراء النہر تشریف لے گئے، تھوڑے عرصہ بعد اپنے عہد کے ممتاز علماء میں آپ کا شمار ہونے لگا مگر طلب و شوق روحانی نے مجبور کیا اور بجائے درس و تدریس میں مشغولیت کے پیر کامل کی تلاش میں بادیہ پیمائی شروع کر دی، ہندوستان تشریف لائے[2]، یہاں لوگوں نے چاہا کہ لشکر شاہی میں ملازمت اختیار کریں اور اس طرح اکبر بادشاہ کی عنایات خسروانہ سے نوازے جائیں مگر آپ نے اس عارضی اور فانی امارت کو فقر محمدی پر ترجیح نہ دی، بے نیازانہ اس منزل سے گزر گئے اور طلب و شوق میں جو قدم آگے بڑھایا تھا، پیچھے نہ ہٹایا، دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ شہر لاہور میں دیوانہ وار پھرتے تھے، بے چینی سی بے چینی تھی۔ والدہ ماجدہ عالم اضطراب میں دعا فرماتیں۔

الٰہی یا تو میرے بیٹے کو اس حیرانی و پریشانی سے نجات عطا فرما یا مجھ کو اٹھا لے[3]

---

[1] فاضل جامع ازہر مولانا ابوالحسن زید مدظلہ العالی کی تحقیق کے مطابق حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نسباً خلجی تھے (کلیات باقی، ص ۱۱) بعض تذکرہ نگاروں نے جو آپ کی سیادت کا ذکر کیا ہے، صحیح نہیں۔ مسعود

[2] قیام لاہور کے زمانے میں شیخ فرید بخاری (جو اکبر بادشاہ کے بخشی بیگی تھے) نے آپ کے روزینہ مصارف کی ذمہ داری لی۔ یہ بات صاحب گلزار ابرار مولانا محمد غوثی سے حضرت خواجہ باقی باللہ کے ایک مرید صوفی محمد صدیق ہمدانی نے بیان کی تھی (اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار)، ۱۳۲۶ھ ص ۸۰-۴۷

[3] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات۔ ص ۸
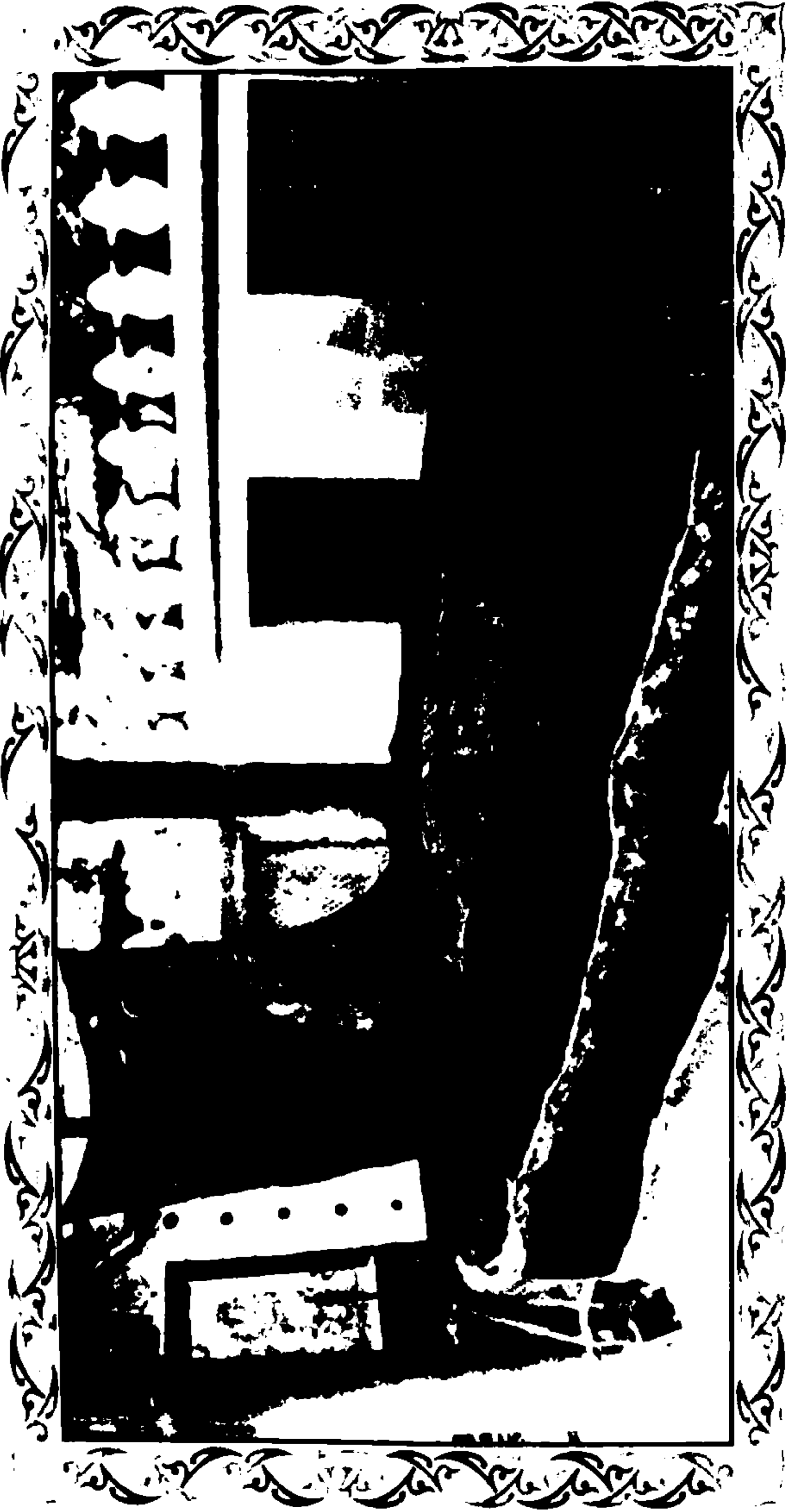
مزارِ مبارک حضرت خواجہ باقی اللہ علیہ الرحمہ دہلی۔ بھارت

خود حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ والدہ صاحبہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر میرے لیے دُعا فرماتی تھیں، الحمد للہ کہ ان کی دعاؤں نے اپنا اثر دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے کشائش سے نوازا اور میں حضرت خواجہ امکنگی علیہ الرحمہ (م ۱۰۰۸ھ/۱۵۹۹-۱۶۰۰ء) کی خدمت میں حاضر ہوا۔[1]

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نے اپنے طلب و شوق اور حضرت خواجہ امکنگی کی خدمت بابرکت میں حاضری کا ذکر فرمایا تھا جو آپ کے ایک مرید با اخلاص نے تقریباً ۱۰۰۹ھ میں قلم بند کر لیا تھا حضرت خواجہ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:۔

اس فقیر نے ابتداء میں حضرت خواجہ عبید علیہ الرحمہ[2] سے رجوع کیا، اس کے بعد خواجہ افتخار شیخ علیہ الرحمہ[3] کی طرف متوجہ ہوا لیکن انہوں نے فرمایا کہ ابھی تم جوان ہو، چنانچہ پھر حضرت امیر عبداللہ بلخی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تجدید توبہ کی۔ اس کے بعد خواب میں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند علیہ الرحمہ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی، اسی طلب و شوق میں کشمیر جنت نظیر گیا، وہاں حضرت شیخ بابائے والی علیہ الرحمہ سے فیض حاصل کیا، بس پھر کیا تھا، فیض روحانی کے دروازے کھل گئے اور جمعیت خاطر نصیب ہوئی، انہیں کی خدمت کی برکات نے مجھے خواجہ امکنگی علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچایا۔[4]

حضرت خواجہ امکنگی علیہ الرحمہ نے حضرت خواجہ کو تین شبانہ روز اپنی خدمت میں رکھا اور اس کے بعد فرمایا:۔

اللہ کی عنایت اور اس سلسلۂ عالیہ کے اکابر کی روحانیت کی برکت سے تمہاری

---

[1] زبدۃ المقامات، ص۔ ۸

[2] یہ مولانا لطف اللہ علیہ الرحمہ کے خلیفہ ہیں جو مولانا خواجگی دہبیدی علیہ الرحمہ کے خلیفہ تھے۔

[3] یہ حضرت خواجہ احمد یسوی علیہ الرحمہ کے خانوادۂ عالی کے بزرگوں میں تھے۔

[4] کلمات طیبات (۱۰۰۹ھ)، مطبوعہ دہلی ۱۳۲۲ھ، ص۔ ۲۰ تا ۲۴ ملخصاً)

نوٹ:۔ حضرت مجدد نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت خواجہ نے اپنے آبائے مادری سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔

(جلد اوّل، مکتوب نمبر ۲۹۰)

تربیت مکمل ہو گئی، ہندوستان جاؤ، وہاں یہ سلسلہ عالیہ تم سے خوب پھیلے گا۔[1]

چنانچہ آپ ہندوستان تشریف لائے اور ایک سال لاہور میں قیام فرمایا، یہاں بہت سے علماء و فضلاء آپ کے گرویدہ ہو گئے، ایک سال بعد لاہور سے سرہند شریف ہوتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے اور یہاں قلعہ فیروزی[2] میں جو دریا کے کنارے واقع تھا اور جس میں شاندار مسجد[3] بھی تھی، قیام فرمایا اور آخر وقت تک یہیں مقیم رہے[4] اور ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء-۱۶۰۴ء میں چالیس سال کی مختصر عمر میں یہیں وصال فرمایا۔ مادۂ تاریخ وفات "ہادی شریعت بود" (۱۰۱۲ھ) سے نکلتا ہے۔ قدم گاہ[5] حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن کیا گیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے

---

[1] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳

نوٹ:۔ مولانا غوثی نے خواجہ امکنگی کے یہ الفاظ بھی نقل فرمائے ہیں:۔

"ہندوستان میں ایک شہباز تمہارے ہاتھ لگے گا" (اذکار ابرار، ص۔ ۴۷۸)

[2] صاحب زبدۃ المقامات نے قلعہ فیروزی لکھا ہے (ص۔ ۱۴) لیکن شمس سراج عفیف نے کوشک فیروز آباد لکھا ہے (تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء، ص۔ ۲۱۴) آج کل اس کو کوٹلہ فیروز شاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ قلعہ تقریباً ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں فیروز شاہ تغلق نے تعمیر کرایا تھا۔

[3] یہ مسجد بھی تقریباً ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں فیروز شاہ تغلق (م ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) نے تعمیر کرائی تھی، اس مسجد کو ضیاء الدین برنی نے فیروز شاہی مسجد جمعہ لکھا ہے (تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ کلکتہ، ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء، ص۔ ۵۶۲) اور نظام الدین احمد نے مسجد جامع فیروز آباد لکھا ہے (طبقات اکبری، مطبوعہ کلکتہ، ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء، ص۔ ۲۳۹) یہ بڑی شاندار مسجد تھی، اس کے مثمن برج کے آٹھ اطراف فیروز شاہ تغلق نے فتوحات فیروز شاہی کندہ کرائی تھی۔ عہد جہانگیری تک مسجد باقی رہی، اب اس کی صورت مٹ گئی، صرف آثار رہ گئے ہیں۔ مسعود

[4] زبدۃ المقامات، ص۔ ۴۲

[5] یہ مقام اب قدم شریف کے نام سے مشہور ہے۔ قدم مبارک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت شیخ جلال الدین بخاری علیہ الرحمہ (م ۷۸۵ھ)، فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں (۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ) میں مصر سے دہلی لائے تھے، اس قدم مبارک کو ایک شاندار عمارت میں رکھا گیا جس کے اردگرد ایک وسیع و عریض قبرستان بن گیا۔ ۱۸۵۷ء میں چند وہابیوں نے اس کو اکھاڑنے کی کوشش کی جو شاہ وقت بہادر شاہ ظفر نے ناکام

خلیفہ خواجہ حسام الدین علیہ الرحمہ (جو دربارِ اکبری کے ایک ممتاز رکن رہے تھے) نے مزار مبارک کے اطراف کو آبشاروں اور درختوں سے سجایا تھا لیکن اب تو یہ ظاہری رونق وصفا معدوم ہو چکی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے ایک مرید نے مرثیہ لکھا ہے جو نہایت ہی پُر سوز و دلگداز ہے۔ کلیات باقی (ص - ۹۹ - ۱۰۰) میں موجود ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

گویند خضرِ وقت و مسیحِ زمانہ مُرد : خورشید نور گسترِ ایں ہفت خانہ مُرد
پوشیدہ چشم یک رہ و شد زندۂ ابد : معشوق و ہر بود و وے عاشقانہ مُرد :
نالند بلبلانِ چمن از فراقِ او : ہیہات : کاں طراوت زیبِ فسانہ مُرد
رنگِ رخم شکستہ تر آمد زجامِ دل : خوں در رگِ ترانۂ چنگ و چغانہ مُرد
بر حکم وہم و دیدہ کوتاہ بیں مگوے : کاں روح بخش زندگی جاودانہ مُرد

چوں نو عروسِ وصل در آغوش بر گرفت
از بس حلاوتش لب خاموش بر گرفت

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ صاحبِ تصنیف بزرگ تھے، آپ کی تصانیف میں مکاتیب اور منظومات وغیرہ یادگار ہیں، ان میں اکثر و بیشتر کو یکجا کر کے کلیاتِ باقی کے نام سے لاہور سے شائع کر دیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ کے دو صاحبزادگان تھے یعنی حضرت خواجہ عبید اللہ المعروف بہ خواجہ کلاں (م ۱۰۷۴ھ) اور حضرت خواجہ عبد اللہ المعروف بہ خواجہ خورد (م ۱۰۷۴ھ) علیہما الرحمہ۔ دونوں اہل دل اور صاحب علم و فضل تھے۔ دونوں حضرات ایامِ شیر خوارگی اور اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے مستفیض ہوئے۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے خلفاء میں یہ حضرات قابلِ ذکر ہیں:۔

(۱) شیخ تاج الدین سنبھلی (م ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء)

(بقیہ صفحہ سابقہ) بناری (بشیر الدین احمد : واقعات دار الحکومت دہلی، مطبوعہ آگرہ، ۱۹۱۹ء حصہ سوم، ص ۱۶۴)
لیکن ۱۹۴۷ء کے واقعات کے زمانے میں اس قدم مبارک کو سخت نقصان پہنچا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا بعد میں شاید یہ ٹکڑے جمع کر کے اپنے مقام پر لگا دیے گئے۔

(حواشی صفحہ ہذا) سلہ زبدۃ المقامات، ص ۱۴۰ — مسعود

② خواجہ حسام الدین (م ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء)

③ شیخ اللہ داد (م ۱۰۴۹ھ / ۱۶۳۹ء)

④ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء)

⑤ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء)

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی روحانی بلندیوں کا ادراک تو اہل باطن ہی کر سکتے ہیں، بظاہر آپ کے کمال روحانی پر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی شاہد عادل ہے۔ روحانی کمالات سے قطع نظر آپ کی سیرت مبارکہ میں جو اخلاقی کمالات ودیعت کیے گئے تھے وہ لائق تقلید ہیں۔ عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ نسلی ترک تھے، جوانی میں ایک ترک کے کیا احساسات و جذبات ہو سکتے ہیں لیکن آپ کی سیرت میں کمال عاجزی و انکساری، تحمل و بردباری، فقیری و مسکینی، ایثار و قربانی، عفو و درگزر، وسعت قلبی و فراخ حوصلگی تمام صفات حمیدہ موجود تھیں اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بے داغ آئینہ تھے۔ ان تمام خوبیوں کا تفصیلی تذکرہ ضروری تھا لیکن چونکہ یہاں اختصار پیش نظر ہے اس لیے اسی اجمال پر اکتفا کیا گیا[1]

---

[1] حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات کے لیے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کیا جائے:

۱ — خواجہ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء،

۲ — ملا بدر الدین سرہندی: حضرات القدس، جلد اول (ترجمہ اردو)، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء ص ۲۱۶ تا ۲۵۸

۳ — علی اکبر اردستانی، مجمع الاولیاء (۴۲-۱۰۴۲ء) قلمی، انڈیا آفس لائبریری، لندن ورق ۳۱ تا ۴۴

۴ — محمد دارا شکوہ: سفینۃ الاولیاء، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء،

۵ — عزیز حسن بقائی: سیرت باقی، مطبوعہ دہلی، ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

۶ — محمد عابد میاں، انوار العارفین، مطبوعہ دہلی، ۱۳۵۵ھ، ص ۵۵۰ تا ۶۲۶

۷ — شیخ محمد اکرام: دربار ملی مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء، ص ۱۹۱

۸ — 〃 〃 〃: رود کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء

۹ — رشید احمد ارشد: حیات باقی، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء

۱۰ — ابو الحسن زید فاروقی: کلیات باقی، مطبوعہ لاہور

ان شاء اللہ آئندہ بسیط سوانح میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے حالاتِ زندگی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے جائیں گے۔ خواجہ باقی باللہ کی سیرت مبارکہ خصوصاً اس جذباتی دور میں اصلاحِ حال کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

آئیے اب ہم حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اکتسابِ باطنی کا جائزہ لیں لیکن اس سے قبل اگر حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کا شجرۂ طریقت پیش کر دیا جائے تو مناسب ہے حضرت مجدد کے خلیفہ شیخ آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء) نے اپنی تصنیف خلاصۃ المعارف میں شجرۂ طریقت اس ترتیب سے لکھا ہے:۔

خواجہ محمد باقی، خواجہ امکنگی، مولانا درویش محمد، مولینا محمد زاہد، خواجہ عبید اللہ احرار، مولینا یعقوب چرخی، خواجہ بہاؤ الدین نقشبند، میر سید کلال، خواجہ محمد بابا سماسی، خواجہ علی رامیتنی، خواجہ محمود انجیر فغنوی، خواجہ عارف ریوگری، خواجہ عبد الخالق غجدوانی، خواجہ یوسف ہمدانی، بوعلی فارمدی طوسی، ابو الحسن خرقانی، شیخ بایزید بسطامی، امام جعفر صادق، حضرت قاسم (بن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) حضرت سلمان فارسی، حضرت صدیق اکبر اور خاتم النبیین علیہ التحیۃ والتسلیم[1]

اب ہم خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ سے حضرت مجدد کے اکتسابِ باطنی اور اس سلسلے کے بعض حالات و واقعات بیان کرتے ہیں جو بظاہر محض ایک اتفاق کا نتیجہ تھے لیکن یہ عجیب حسنِ اتفاق تھا، ایک ایسا حسنِ اتفاق جس کے لیے بشارتوں پر بشارتیں دی گئی تھیں ؎

اب وہ زماں نہ وہ مکاں، اب وہ زمیں نہ آسماں
تو نے جہاں بدل دیا آکے مری نگاہ میں
اصغر

حضرت مجدد علیہ الرحمہ، حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں دہلی حاضر ہونے سے قبل مولینا یعقوب کشمیری قدس سرہ العزیز سے سلسلۂ سہروردیہ میں اجازت و خلافت حاصل کر چکے تھے

---

[1] شیخ آدم بنوری: خلاصۃ المعارف، مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، لندن نمبر ۱۰۳۵ھ - ۱۰۲۷ء، ورق ۔ ۳

نیز اپنے والد محترم حضرت شیخ عبد الاحد علیہ الرحمہ سے سلسلۂ چشتیہ میں اجازت و خلافت حاصل کر چکے تھے بلکہ ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء میں اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد ان کے نائب مناب اور سجادہ نشین ہو گئے تھے۔ اس وقت تک حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کو اپنے شیخ طریقت سے اجازت و خلافت حاصل نہ ہوئی تھی، ایک سال بعد ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء میں حضرت خواجہ امکنگی علیہ الرحمہ (م ۱۰۰۸ھ) نے اجازت و خلافت سے نواز کر دھلی جانے کا حکم دیا، آپ لاہور اور سرہند سے گزرتے ہوئے دہلی پہنچے، خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب وہ سرہند سے گزرے تو انہیں دکھایا گیا کہ وہ ایک "قطبِ وقت" کے قریب اترے ہیں، اس کا حلیہ بھی بتایا گیا، اس قطبِ وقت کو بہت تلاش کیا مگر نہ پایا، دہلی روانہ ہوئے اور بات آئی گئی ہو گئی۔ ۱۰۰۸ھ میں جب حضرت مجدد دہلی حاضر ہوئے اور ملاقات سے مشرف ہوئے تو آپ کو دیکھتے ہی حضرت خواجہ کو سرہند کا یہ واقعہ یاد آگیا اور آپ کو اس حلیے کے عین مطابق پایا جو بتایا گیا تھا، اب معلوم ہوا کہ وہ قطب وقت، آپ ہی تھے، اسی لیے حضرت خواجہ آپ کے بے حد گرویدہ ہو گئے اور دہلی میں چند روز قیام پر اصرار فرمایا۔

ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد جب دہلی حاضر ہوئے تو وہ ایک مبتدی نہ تھے بلکہ راہِ معرفت کے منتہی تھے، صاحب مجاز شیخ طریقت اور سجادہ نشین تھے اور سلوک و معرفت کی بہت سی منزلیں طے کر چکے تھے، حضرت مجدد کی انہیں سابقہ روحانی ترقیات اور بے پناہ صلاحیتوں کی وجہ سے حضرت خواجہ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے جو دیکھنے والوں کی نظر میں عجائبات سے کم نہ تھا، ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے ان حقائق پر روشنی ڈالیں گے۔

الحمد للہ

سفر دھلی

پہلا سفر :

حضرت مجدد علیہ الرحمہ اپنے والد ماجد کی حیات میں زیادہ تر سرہند شریف ہی میں رہے البتہ ایام جوانی میں چند سال کے لیے آگرے تشریف لے گئے تھے۔ ۱۰۰۷ھ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد کا وصال ہوا۔ دوسرے سال یعنی ۱۰۰۸ھ میں آپ زیارت حرمین شریفین اور (نفلی) حج بیت اللہ کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ دوران سفر جب دہلی پہنچے تو آپ کے محب خاص مولانا حسن کشمیری نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ سے ملاقات کی تحریک پر حضرت مجدد، خواجہ باقی باللہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، آپ نے حضرت مجدد پر بڑی شفقت فرمائی اور فرمایا:

> مانا کہ آپ ایک مبارک سفر پر جارہے ہیں لیکن اگر چند روز فقرا کی صحبت میں رہیں تو کیا اچھا ہو، زیادہ دن نہیں کم از کم ایک ماہ یا ایک ہفتہ، اس میں کیا مضائقہ ہے [1]

حضرت مجدد، خواجہ باقی باللہ کے اس مشفقانہ اصرار سے متاثر ہوئے اور آپ کی صحبت کیمیا اثر میں کچھ روز گزارنے کا فیصلہ فرمالیا چنانچہ آپ تین ماہ اور چند روز مقیم رہے اور اس قلیل عرصے میں وہ کچھ پالیا جو بہت سے طالبوں نے برسوں میں بھی نہ پایا ہوگا۔ آپ نے ایک جگہ ان احوال ومقامات کا ذکر فرمایا ہے جو حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی صحبت فیض اثر میں رہ کر حاصل فرمائے ان احوال کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کیسی کیسی روحانی بلندیوں پر سرفراز ہوئے۔ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے اپنے مشہور انگریزی خطبات کے آخری خطبے میں فرمایا ہے کہ (حضرت مجدد نے جن تجربات و مشاہدات کا ذکر فرمایا ہے)، جدید علم النفس اس ترقی وکمال کے باوجود اس کی گرد تک نہیں پہنچ سکتا [2]

---

[1] زبدۃ المقامات، ص ۔ ۱۳۹

[2] Muhammad Iqbal : *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Lahore, 1962, p. 192

بلکہ ان کیفیات روحانیہ اور واردات قلبیہ کا فارسی سے انگریزی زبان میں ترجمہ بھی مشکل ہے کیوں کہ اس کا دامن ان مصطلحات سے خالی ہے۔ اللہ اللہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے کیسا بلند مقام پایا کہ جس کی تعبیر و تشریح کے لیے دورِ حاضر کے ماہرین علم النفس بھی عاجز و قاصر ہیں!

حضرت مجدد نے مندرجہ ذیل احوال و مقامات کا ذکر فرمایا ہے جو منزل بمنزل آپ کو حاصل ہوتے رہے :۔

① آغازِ تعلیم و ارشاد کے دو روز بعد کیفیت بے خودی پیدا ہوئی جس کو اصطلاح تصوف میں غیبت کہا جاتا ہے۔

② پھر فنائے مصطلح حاصل ہوئی۔

③ اس کے بعد فنائے فنا۔

④ پھر مقام حیرت پر پہنچے اور حضور نقشبندیہ حاصل فرمایا جس کو حضورِ غیبی کہا جاتا ہے۔

⑤ اس کے بعد فنائے حقیقی حاصل ہوئی۔

⑥ پھر مقام جمع الجمع پر پہنچے

⑦ اس کے بعد آخری منزل مقام فرق بعد الجمع پر رسائی حاصل کی۔ مشائخ طریقت اس کو مقام تکمیل کہتے ہیں اور یہی مقام سالک کی سعی و آرزو کا منتہا ہے۔

دورِ جدید کے عقل پرستوں کو یہ باتیں وہمی و خیالی بلکہ لغو معلوم ہوتی ہیں، وہ بڑی بیباکی کے ساتھ ان حقائق کا انکار کرتے ہیں لیکن کسی شے کے انکار کے لیے بھی اس شے کے ہونے نہ ہونے کا علم ضروری ہے، اگر یہ علم حاصل نہیں تو پھر انکار کو معقول نہیں کہا جا سکتا، بلکہ عقل پرستوں کی طرف سے ایسا 'نامعقول انکار' اہل دانش کے لیے موجب استعجاب ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے خوب فرمایا ہے :۔

فکر بے نور ترا جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی صحبت کاملہ میں جو کچھ پایا اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے :۔

"اس درویش کو جب اس راہ کی لگن لگی تو حق جل و علا نے ہدایت فرمائی اور یہ فقیر حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا، آپ خاندان نقشبندیہ کے خلفاء کبار میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ نے ذکر اسم ذات کی تعلیم فرمائی اور توجہ دی جس سے دل میں بڑی ہی لذت محسوس ہوئی اور از دیاد شوق کی وجہ سے رقت طاری ہو گئی۔

ایک روز کے بعد کیفیت بے خودی پیدا ہو گئی جو ان اکابر کے ہاں معتبر ہے اور اس کو غیبت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس عالم بے خودی میں ایک وسیع و عریض سمندر دیکھتا تھا جس میں تمام شکلیں اور صورتیں سایہ کی طرح نظر آتی تھیں۔ یہ بے خودی رفتہ رفتہ غالب آنے لگی، ایک پہر رہتی، کبھی دوپہر اور کبھی تو رات رات بھر اسی بیخودی میں گزر جاتی۔ جب میں نے اس کیفیت کا حضرت خواجہ سے ذکر کیا تو فرمایا:۔

"ہاں کچھ فنا حاصل ہو گئی ہے"

چنانچہ آپ نے ذکر کی ممانعت فرما دی اور فرمایا کہ

"آگاہی پر نظر رکھو"؛

دو روز کے بعد مجھ کو فنائے مصطلح حاصل ہو گئی جس کا میں نے آپ سے ذکر کیا تو فرمایا:۔

"اپنے کام میں مشغول رہو"

اس کے بعد فنائے فنا حاصل ہو گئی، جب اس کیفیت کا میں نے ذکر کیا تو دریافت فرمایا:۔

"کیا سارے عالم کو ایک دیکھتے ہو اور متصل پاتے ہو؟"

عرض کیا "جی ہاں"۔ فرمایا:۔

"فنائے فنا میں معتبر کیفیت تو یہ ہے کہ اتصال دیکھنے کے باوجود بے شعوری حاصل ہو جائے"

چنانچہ اسی رات اسی قسم کی فنائے فنا حاصل ہوئی تھی اس کا بھی ذکر کیا اور عرض کیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں اپنے علم کو حضوری[1] محسوس کرتا ہوں، اس کے بعد وہ نور جو تمام اشیاء عالم

---

[1] علم حضوری کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کا علم ذہن میں اس کی صورت آئے بغیر حاصل ہو جائے، اس میں استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے اپنے نفس کا علم سب کو ہوتا ہے اور علم حصولی میں معلوم کی صورت ذہن میں آتی ہے (رباتی رمزوا کتہ)

پر چھایا ہوا ہے، ظاہر ہو گیا اور میں اس کو خدا سمجھا، اس نور کا رنگ سیاہ تھا میں نے اس کیفیت کا آپ سے ذکر کیا تو فرمایا:۔

"حق مشہود ہے لیکن پردۂ نور میں"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

"جو انبساط اس نور میں دکھایا جاتا ہے وہ انبساط علم ہے، اب نفی اثبات کرنی چاہیے، اس کے بعد وہ نور سیاہ جو پھیلا ہوا تھا سکڑنا شروع ہوا اور سمٹنے لگا حتیٰ کہ ایک نقطہ بن کر رہ گیا۔ جب اس کیفیت کا ذکر کیا گیا تو فرمایا:۔

"اس نقطے کی بھی نفی کرو اور مقام حیرت پر پہنچو"

ایسا ہی کیا گیا، چنانچہ وہ نقطۂ موہوم بھی درمیان سے ہٹ گیا اور میں مقام حیرت پر پہنچ گیا۔ یہاں شہود حق سبحانہٗ خود بخود میسر آتا ہے، جب اس کیفیت کے متعلق عرض کیا گیا تو فرمایا:۔

ہاں، یہی حضور، حضور نقشبندیہ ہے اور نسبت نقشبندیہ اسی حضور سے عبارت ہے اور اس حضور کو حضور غیبی کہا جاتا ہے"

اس فقیر کو یہ نسبت عزیز الوجود آغاز تعلیم سے دو ماہ اور چند روز کے اندر اندر حاصل ہو گئی اور دل میں وہ وسعت پیدا ہو گئی کہ عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام عالم اس وسعت کے مقابلے میں، رائی کے برابر بھی نہ ہو گا۔ اس کے بعد ہر وجود کائنات بلکہ ہر ذرّے میں خدا کا مشاہدہ کرنے لگا، پھر کیفیت یہ ہوئی کہ عالم کے ہر ذرّے کو فرداً فرداً 'عین خود' پاتا اور خود کو 'عین ہمہ'، یہاں تک کہ تمام عالم کو ایک ذرّے میں گم پایا۔ اس کے بعد خود کو بلکہ ہر ذرّے کو اس قدر وسیع و عریض مشاہدہ کیا کہ تمام عالم بلکہ دو گنے عالم کی بھی اس میں گنجائش ہو گی۔ اپنے وجود اور کائنات کے ذرّے ذرّے کو نور ہی نور پایا جو اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ عالم کی تمام اشکال و صور اس میں گم تھیں اس کے بعد خود کو بلکہ ہر ذرّے کو متقوم تمام عالم پایا۔ جب اس کیفیت

(بقیہ صفحہ سابقہ) اور اس میں استدلال کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مسعود

متعلق عرض کیا گیا تو فرمایا :۔

" توحید میں مرتبہ حق الیقین یہی ہے اور جمع الجمع اسی مقام سے عبارت ہے "

اس کے بعد عالم کی صور و اشکال کو جیسا کہ ابتداء میں حق محسوس کیا تھا، اب ان کو 'موہوم' پایا، ہر ذرّے کو حق پایا اور بغیر کسی تفاوت و تغیر کے اسی ذرّے کو موہوم پایا۔ اس کیفیت نے بڑی حیرت میں ڈال دیا۔ اسی اثناء میں فصوص الحکم (مؤلفہ شیخ محی الدین ابن عربی) کی عبارت جو اپنے والد ماجد سے سنی تھی مجھ کو یاد آ گئی عبارت یہ تھی جس میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

" اگر میں چاہوں تو کہوں کہ عالم حق ہے، اگر چاہوں تو کہوں کہ عالم خلق ہے۔ اگر میں چاہوں تو کہوں کہ وہ ایک اعتبار سے حق ہے اور ایک اعتبار سے خلق۔ اگر میں چاہوں تو کہوں کہ میں دونوں میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے متحیر ہوں "

یہ عبارت اس عالم اضطراب میں مسکن ثابت ہوئی۔ میں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا حال عرض کیا، ارشاد فرمایا :

" ابھی تمہارا حضور صاف نہیں ہوا، اپنے کام میں مشغول رہو تاکہ موجود و موہوم کا فرق ظاہر ہو جائے "

میں نے فصوص الحکم کی مذکورہ بالا عبارت پڑھ کر سنائی جس میں عدم تمیز ہی کو کمال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :۔

" شیخ نے مکمل کیفیت (حال کامل) بیان نہیں فرمائی "

چنانچہ حسب ارشاد اپنے کام میں مشغول ہو گیا، حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کی توجہ کی برکت سے دو روز کے بعد 'موجود' و 'موہوم' میں فرق ظاہر فرما دیا یہاں تک کہ میں نے 'وجود حقیقی' کو وہمی اور خیالی اشیاء سے ممتاز کر لیا اور صفات و افعال و آثار کو (خارج ذات) موہوم ہی پایا اور خارج میں سوائے ایک ذات وجود کے کسی کو نہ پایا جب خدمت عالی میں اس کیفیت کے متعلق عرض کیا گیا تو فرمایا :۔

" مقام فرق بعد الجمع یہی ہے اور منتہائے سیر یہی مقام ہے۔ اس مقام کو مشائخ

طریقت مقام تکمیل کہتے ہیں۔"[1]

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ سے پہلی ملاقات کے بعد ہی حضرت مجدد کو مستقبل قریب میں اپنی باطنی ترقیوں اور روحانی کامرانیوں کا اندازہ ہو گیا تھا چنانچہ آپ نے اپنے خلیفہ حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ سے فرمایا :۔

جس روز سے فقیر نے اپنے حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ کی خدمت عالی میں تعلیم طریقت حاصل کرنی شروع کی اسی روز مجھے یقین ہو گیا تھا کہ عنقریب اللہ سبحانہ وتعالیٰ محض اپنے کرم سے مجھ کو راہ طریقت کی معراج تک پہنچا دے گا۔ ہر چند کہ اپنے احوال اعمال پر نظر جاتی تو اس یقین کی نفی کرتا مگر چین نہیں آتا اور زبان پر اکثر یہ شعر رہتا:۔

ازیں نورے کہ از تو بر دلم تافت
یقین دانم کہ آخر خواہمت یافت[2]

حضرت مجدد نے اپنے پیرزادگان خواجہ عبید اللہ اور خواجہ عبد اللہ علیہما الرحمہ کے نام جو مکتوب شریف ارسال فرمایا تھا اس میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے فیض روحانی کا اس طرح ذکر فرمایا ہے :۔

یہ فقیر آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں سرتاپا غرق ہے، راہِ طریقت میں "الف"، "ب" کا سبق انہیں سے لیا ہے، اس راہ کے حروف کی ہجا کرنا بھی انہیں سے سیکھا ہے۔ ابتداء سے انتہا کے مدارج حاصل ہونے کی دولت انہیں کے فیض صحبت سے حاصل ہوئی ہے اور سفر در وطن کی سعادت انہیں کی خدمت کے صدقے میں پائی ہے ان کی توجہ شریف نے ڈھائی ماہ میں اس نا قابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور اکابر نقشبندیہ کا حضور عطا فرمایا۔ اس قلیل مدت میں جو تجلیات، ظہورات، انوار،

---

[1] (الف) محمد حسین مراد آبادی: انوار العارفین (۱۲۸۲ھ)، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء، ص۔ ۴۴۰ تا ۴۴۱
(ب) حضرت مجدد، مکتوبات شریف، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۹۰

[2] زبدۃ المقامات، ص، ۱۴۵،

رنگ و بے رنگیاں، کیف و بے کیفیاں حاصل ہوئیں ان کو کیا بیان کروں اور کہاں تک بیان کروں![1]

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد کی باطنی استعداد و صلاحیت کا ذکر فرمایا ہے، یہ مکتوب دربار اکبری کے ایک اہم رکن کے نام تحریر فرمایا ہے، اس سے حضرت مجدد کے تعارف کے ساتھ ساتھ آپ کے اور آپ کے عزیزوں کے کمالات باطنی کا اظہار بھی مقصود ہے۔ حضرت خواجہ تحریر فرماتے ہیں:۔

شیخ احمد سرہند کے رہنے والے ہیں، بڑے عالم اور عامل ہیں، فقیر نے چند روز ان کے ساتھ نشست و برخاست کی ہے اور بہت ہی عجیب باتیں مشاہدہ کی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگے چل کر ایک ایسا چراغ بن جائیں گے جس سے جہاں روشن ہوں گے۔ الحمدللہ ان کے احوال کامل کو دیکھ کر مجھے اس بات کا یقین ہوگیا ہے (کہ ایسا ہی ہوگا)۔ شیخ موصوف کے بھائی اور رشتہ دار بھی ہیں اور سب کے سب نیک اور صالح ہیں اور طبقۂ علماء میں سے ہیں، ان میں سے چند ایک سے اس دُعاگو نے بھی ملاقات کی ہے وہ جواہر عالیہ ہیں اور عجیب صلاحیتیں رکھتے ہیں، شیخ مذکور کے صاحبزادگان جو ابھی بچے ہی ہیں، اسرار الٰہی ہیں، ایک ایسا شجر طیبہ ہیں جس کو اللہ نے بڑھایا اور خوب ہی بڑھایا۔[2]

یہ مکتوب ۱۰۰۸ھ اور ۱۰۱۲ھ کے درمیان کسی وقت لکھا گیا ہے، اغلب یہی ہے کہ ابتداء میں لکھا گیا ہوگا، بہرکیف اس کے مطالعے سے شیخ طریقت کی نظر میں حضرت مجدد کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت مجدد نے اپنی بے پناہ فطری صلاحیتوں کی بناء پر حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی صحبت کیمیا اثر میں "ترقیات عالیہ اور عروجات متعالیہ" حاصل کیے اور اس میں شک نہیں کہ اس انعام و اکرام کا سہرا مولانا حسن کشمیری علیہ الرحمہ کے سر ہے جنہوں نے قیام دہلی کے زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ رح سے ملاقات کی تحریک کی چنانچہ حضرت مجدد احساس تشکر و امتنان کے

---

[1] حضرت مجدد: مکتوبات شریف، جلد اوّل۔ مکتوب نمبر ۲۶۶

[2] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۴۵

ساتھ مولانا نے موصوف کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فقیر آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر اور اس احسان کا بدلہ اتارنے سے عاجز ہے۔ یہ ساری روحانی ترقیاں اور یہ سارے مشاہدات و کمالات آپ کے اسی احسان و انعام پر مبنی اور اسی سے وابستہ ہیں۔ آپ کے طفیل وہ کچھ دیا گیا ہے جو شاید ہی کسی نے دیکھا ہو، آپ کے وسیلے کی برکت سے وہ لطف و سرور ملا ہے جس کا مزہ شاید ہی کسی نے چکھا ہو گا[1]

حضرت مجدد سے پہلی ملاقات (۱۰۰۸ھ) کے بعد خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نے کابل (افغانستان) سے اپنی ہندوستان روانگی اور پھر سرہند شریف میں قیام کے دوران جو حالات و واقعات گزرے تھے ان کا ذکر فرمایا۔ ان واقعات سے حضرت مجدد کی روحانی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر حضرت خواجہ کا حضرت مجدد سے پہلے سے تعارف ہوتا تو شاید یہ واقعات حسن عقیدت و محبت پر محمول کیے جاتے اور ماہرین علم النفس اس کی یہی تعبیر و تشریح کرتے لیکن یہ صورت حال قطعاً مختلف ہے، پہلے سے کوئی تعارف نہیں، کبھی نام بھی نہیں سنا، ایسی حالت میں اس قسم کے واقعات کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔ بہر کیف حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نے اپنے حالات اور مشاہدات کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:۔

جب فقیر کے شیخ طریقت خواجہ امکنگی علیہ الرحمہ (م ۱۰۰۸ھ) نے فقیر کو ہندوستان جانے کا حکم دیا تو خود کو اس سفر کے لائق نہ دیکھتے ہوئے فقیر نے کچھ پس و پیش کیا، خواجہ موصوف نے استخارے کے لیے فرمایا، استخارہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شاخ پر طوطا بیٹھا ہے، دل میں یہ خیال آیا اگر یہ طوطا شاخ سے اڑ کر ہاتھ پر آ بیٹھے تو اس سفر میں کچھ سہولت ہو جائے، معاً وہ طوطا اڑ کر فقیر کے ہاتھ پر آ بیٹھا۔ فقیر نے

---

[1] زبدۃ المقامات، ص ۱۳۵۔

[2] خواجہ باقی باللہ، خواجہ امکنگی علیہ الرحمہ کی ہدایت پر ہندوستان تشریف لائے، چونکہ خواجہ موصوف کا وصال ۱۰۰۸ھ میں ہوا اور سنہ مذکور ہی میں حضرت مجدد، خواجہ باقی باللہ سے بیعت ہوئے اسی لیے حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ، ۱۰۰۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے۔

اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس نے فقیر کے منہ میں شکر ڈالی[1]

دوسرے روز خواجہ امکنگی سے جب یہ خواب عرض کیا تو آپ نے فرمایا :-

طوطا ہندوستانی جانور ہے، ہندوستان میں تمہارے دامن سے ایک ایسا عزیز وابستہ ہوگا جس سے عالم منور ہوگا اور تم بھی اس سے مستفیض ہوگے[2]

حسب ارشاد شیخ طریقت، خواجہ باقی باللہ کابل سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے، پھر وہاں سے دہلی روانہ ہوئے، راستے میں سرہند سے گزر ہوا، اس شہر میں یہ واقعہ پیش آیا :-

جب فقیر تمہارے شہر سرہند میں پہنچا تو دکھایا گیا کہ 'تو قطب کے' قریب اترا ہے، اس 'قطب' کے حلیے سے بھی آگاہ کیا گیا، چنانچہ دوسرے روز اس شہر کے درویشوں اور گوشہ نشینوں کی تلاش میں نکلا مگر کسی کو بھی اس حلیے کے مطابق نہیں پایا اور کسی پر آثار قطبیت مشاہدہ نہیں کیے، ناچار یہی خیال کیا کہ شاید اہل شہر میں آئندہ کوئی اس قابل ہوگا، جوں ہی کہ فقیر نے تم کو دیکھا، تمہارا حلیہ اس حلیے کے عین مطابق پایا اور اس قابلیت کے آثار بھی تم میں مشاہدہ کیے[3]

آپ نے ایک اور واقعے کا اس طرح ذکر فرمایا :-

فقیر نے دیکھا کہ ایک بڑا چراغ روشن کیا گیا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روشنی بڑھتی گئی، لوگ ہزاروں چراغ اس سے روشن کر رہے ہیں حتیٰ کہ میں سرہند کے قریب پہنچا تو وہاں کے دشت و در کو چراغوں سے منور پایا، یہ اشارہ بھی تمہاری ہی طرف تھا[4]

الغرض حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نے ڈھائی ماہ کے اندر اندر فیوض و برکات سے مالا مال فرما کر سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور خرقہ شریف سے مشرف فرما کر سرہند شریف

---

[1] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۴۰ و ۱۴۱

[2] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۴۱

[3] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۴۱

[4] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۴۱

رخصت فرمایا، جب آپ سرہند پہنچے تو آپ نے بعد نازش و افتخار فرمایا:۔

"باز آمدیم با صد ہزار خلعت و فتوح"[1]

اور شیخ طریقت کے ارشاد کے مطابق مریدین کی تعلیم و تربیت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، تھوڑے ہی عرصے میں ہزاروں طالبوں کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب فرمایا اور سلسلے کو فروغ ہوتا چلا گیا۔

دوسرا سفر:

سرہند شریف میں کچھ عرصے قیام کے بعد حضرت مجدد دوبارہ دہلی تشریف[2] لے گئے اور شیخ کامل کے فیضِ صحبت سے اور مستفیض ہوئے۔ ایک مدت دہلی رہے اور پہلے سے کہیں زیادہ روحانی ترقی فرمائی[3] ان دونوں حضرات میں بڑا پیار و محبت اور چاہ تھی، ایک دوسرے کا اتنا احترام و اکرام کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی، چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی (خلیفہ حضرت مجدد) اس باہمی اخلاص و محبت اور ادب و احترام کو "عجائب زمانہ" میں شمار کرتے ہیں۔ صاحب مرآۃ عالم اور صاحب مرآۃ جہان بھی عجائبات روزگار میں شمار کرتے ہیں۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

> ان دونوں پیر و مرشد (قدس سرہما) کے درمیان جس قسم کی راہ و رسم محبت ہے، شاذ و نادر ہی کسی نے سنی ہوگی۔ یہ دنیا کے عجائبات میں سے ہے، اہلِ نظر دیکھ دیکھ کے حیرت زدہ ہوئے جاتے ہیں[4]

یہ اس مرید با اخلاص کے مشاہدات ہیں جو حضرت مجدد کی صحبتِ کیمیا اثر میں رہا[5] اور جس نے

---

[1] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۴۶

[2] حضرت مجدد نے ایک مکتوب (جلد اول، نمبر ۲۴۴) میں سفر دہلی کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے، ایک دوسرے مکتوب میں (جلد اول نمبر ۱۰) دہلی میں ہلال رمضان دیکھنے کا ذکر فرمایا ہے۔ مسعود

[3] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۴۰

[4] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۵۵

[5] (ل) حضرت مجدد، مکتوبات شریف، جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۔ (بقیہ برصفحہ آئندہ)

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی زیارت بھی کی۔ اس لیے یہ بیانات و مشاہدات ہر حیثیت سے مستند و معتبر ہیں
خواجہ محمد ہاشم علیہ الرحمہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے ایک خلیفہ میر محمد نعمان علیہ الرحمہ کے حوالے سے یہ مشاہدہ نقل فرماتے ہیں :-

ایک روز حضرت مجدد حجرے میں تخت پر آرام فرما رہے تھے، خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ آپ کی مزاج پرسی کے لیے بنفس نفیس حجرے کے دروازے تک پہنچے، خادم نے چاہا کہ حضرت مجدد کو جگا دے مگر آپ نے باصرار منع فرمادیا اور نیاز و ادب کے ساتھ دروازے کے باہر انتظار فرماتے رہے، تھوڑی دیر میں حضرت مجدد کی آنکھ کھل گئی، باہر آہٹ سن کر آواز دی "کون ہے"؟ خواجہ باقی باللہ نے بڑے ادب کے ساتھ فرمایا "فقیر محمد باقی" ——— حضرت مجدد آواز سنتے ہی مضطربانہ تخت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور باہر آ کر نہایت عجز و انکسار سے خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں بیٹھ گئے۔[1]

حضرت خواجہ کی روحانی بلندیوں اور فیض صحبت کا حال حضرت مجدد کی زبانی سنیے :-

اس فقیر کو یقین تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد اس قسم کی صحبت اور تربیت و ارشاد ہرگز کہیں نہیں دیکھی گئی ہوگی۔ فقیر اس نعمت پر حق کا شکر ادا کرتا ہے کہ اگرچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے مشرف نہیں ہوا لیکن اس صحبت کی سعادت سے بھی محروم نہیں رہا۔[2]

دہلی میں کچھ عرصے قیام کرنے کے بعد حضرت مجدد سرہند شریف تشریف لے آئے اور یہاں بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا، طالبان راہِ حقیقت حلقہ بگوش ہوتے رہے، خواجہ باقی باللہ

(بقیہ صفحہ سابقہ)

(ب)

C.A. Storey : *The Persian Literature*, Volumes -I. Part-II. London. 1953.

حاشی صفحہ ہذا : [1] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۵۴

[2] حضرت مجدد : مبدأ و معاد، ص۔ ۶۷

سے بھی جو بیعت ہونے آتا آپ اسی طرف اس کو متوجہ فرماتے اس سے ایک طرف خواجہ کی کمال شفقت اور دوسری طرف حضرت مجدد کے کمالات باطنی کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت مجدد خود تحریر فرماتے ہیں:۔

ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ اس وقت تک طالبان طریقت کی تربیت میں مصروف رہے جب تک ہمارا معاملہ انتہا تک نہیں پہنچ گیا لیکن ہماری تربیت سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ آپ نے مشیخت کی ساری ذمہ داریاں ترک کر کے طالبانِ طریقت کو ہمارے حوالے کر دیا اور فرمایا:۔

"ہم بخارا اور سمرقند سے یہ بیج لائے تھے اور ہندوستان کی متبرک زمین میں ہم نے اس کو بو دیا"[1]

حضرت مجدد کے اس بیان کی تصدیق خواجہ باقی باللہ کے بعض مکاتیب سے بھی ہوتی ہے کہ خواجہ صاحب نے آخری ایام میں تمام طالبوں کو آپ کی طرف متوجہ فرمایا تھا۔ چنانچہ خواجہ صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

جناب سیادت مآب امیر صالح نیشاپوری سلمہ اللہ نے طلب ظاہر کی تھی، چوں کہ تقاضائے وقت کے مطابق نہ تھا کہ میں ان کو مرید کرتا، اس لیے ان کی تضییع اوقات کو مسلمانی کے منافی خیال کیا اور تمہارے پاس بھیج دیا۔ ان شاء اللہ وہ اپنی استعداد کے مطابق بہرہ مند ہوں گے اور توجہ خاص اور لطف کامل سے بہرہ اندوز ہوں گے[2]

تیسرا سفر:

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ تیسری بار ۱۰۱۱ھ اور ۱۰۱۲ھ کے درمیان خواجہ باقی باللہ کے آخری ایام میں دہلی تشریف لے گئے۔ اس مرتبہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے اپنے دونوں شیر خوار بچوں (جو حضرت کی دو ازواج مطہرات کی اولاد تھے) خواجہ عبید اللہ (ولادت ۱۰۱۰ھ) اور خواجہ عبداللہ (ولادت ۱۰۱۱ھ) علیہما الرحمۃ کو طلب فرمایا اور حضرت مجدد سے ارشاد فرمایا کہ دونوں بچوں پر توجہ ڈالیں، پھر ان بچوں

---

[1] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۵۶

[2] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۵۴

کی والدات پر توجہ ڈالنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ حضرت مجدد نے اپنے ایک مکتوب میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ مکتوب دونوں صاحب زادگان مذکور کے نام لکھا گیا ہے:

> اس فقیر کو تین بار حضرت کے در دولت کی عتبہ بوسی کا شرف حاصل ہوا جب آخری مرتبہ زیارت ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ضعف بدن غالب ہے، زندگی کی امید بہت کم ہے، تم بچوں کے احوال سے باخبر رہنا۔ پھر آپ کو اپنے سامنے طلب فرمایا اس وقت آپ دونوں شیر خوار بچے تھے، اس فقیر کو حکم دیا کہ ان پر توجہ دو حضرت کے حکم سے حضرت کے سامنے میں نے آپ کو توجہ دی، حتیٰ کہ اس توجہ کا اثر ظاہر ہوا اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ والدات کو بھی غائبانہ توجہ دو، چنانچہ ان کو بھی غائبانہ توجہ دی گئی، امید ہے کہ حضرت کی موجودگی کی برکت سے اس توجہ کے بھی اچھے اثرات ظاہر ہوئے ہوں گے [1]

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کی زندگی میں حضرت مجدد کا یہ آخری سفر تھا۔ دہلی سے واپس آنے کے بعد آپ کچھ روز سرہند رہے اس کے بعد پیر بزرگوار کی ہدایت کے مطابق لاہور تشریف لے گئے اور وہاں تعلیم و ارشاد کا سلسلہ جاری کیا، فضلائے عصر آپ کی صحبت سے مستفیض ہوئے، مشہور عالم مولانا جمال تلوی علیہ الرحمہ اکثر خدمت میں حاضر ہوتے تھے، تقریباً ۱۰۱۱ھ سے ۱۰۱۲ھ تک آپ کا لاہور میں قیام رہا۔

چوتھا اور پانچواں سفر:

حضرت مجدد ابھی لاہور ہی میں تھے کہ ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ کو خواجہ باقی باللہ کا دہلی میں وصال ہو گیا۔ یہ جانکاہ خبر جب لاہور پہنچی تو آپ فوراً دہلی روانہ ہو گئے۔ یہ حضرت مجدد کا چوتھا سفر تھا۔ دہلی پہنچ کر آپ نے مزار پر انوار کی زیارت کی، فاتحہ خوانی اور اہل خانہ کی تعزیت سے فارغ

---

[1] حضرت مجدد: مکتوبات شریف جلد اول، مکتوب نمبر ۲۴۶

[2] حضرت مجدد نے ایک مکتوب (جلد اول، نمبر ۲۹۱) میں دہلی حاضری کا ذکر کیا ہے اور یوم عید پر خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے مزار مبارک کی زیارت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ مسعود

ہو کر سرہند تشریف لائے۔ اس کے بعد پانچویں مرتبہ حضرت خواجہ کے عرس کے موقعہ پر غالباً ۱۰۱۳ھ میں دہلی تشریف لے گئے۔ واپسی کے بعد سرہند شریف ہی میں رہے البتہ دو تین بار آگرہ تشریف لے گئے اور آخری عمر میں جہانگیر کی مخالفت و مزاحمت کی وجہ سے ۱۰۲۸ھ سے ۱۰۲۹ھ تک قلعہ گوالیار میں نظر بند رہے اور پھر ۱۰۲۹ھ سے ۱۰۳۴ھ لشکر شاہی کیساتھ پابند رہے، اس زمانے میں چند دیگر مقامات پر جانے کا اتفاق ہوا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی وفات (۱۰۱۲ھ) کے بعد حضرت مجدد نے تبلیغ وارشاد اور اصلاح و تجدید کا کام کچھ تیز کر دیا لیکن شاید اکبر کے جبر و استبداد کی وجہ سے یہ کام مکمل کرنہ کیا جاسکا تاہم اکبر بادشاہ کے انتقال (۱۰۱۴ھ) کے بعد آپ نے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے ملک کے طول و عرض میں خلفاء و مریدین کا جال پھیلا دیا۔ اس طرح آپ کی اصل جدوجہد کا زمانہ عہد جہانگیری (۱۰۱۴ھ، ۱۰۳۷ھ) ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم حضرت مجدد کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کا جائزہ لیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گرد و پیش کے حالات پیش کر دیے جائیں تاکہ پس منظر کے ساتھ تجدید و اصلاح کے اصل محرکات اور مقاصد کا پتا چل سکے۔ اس لیے ہم آئندہ باب میں اکبر بادشاہ کے دور حکومت کے مضرات و مہلکات کا تجزیہ کریں گے۔

گردوپیش

- عہد اکبری
- پہلا دور
- دوسرا دور
- تیسرا دور
- اکبر کی موت
- عہد اکبری حضرت مجدد کی نظر میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر مسلم مؤرخوں نے اکبر بادشاہ کو 'اکبر اعظم' کا خطاب دیا اور اس قدر بڑھایا چڑھایا کہ شاہجہان اور اورنگ زیب کے چراغ ٹمٹماتے نظر آنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مؤرخین نے اُن مسلم حکمرانوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے جن کے دورِ حکومت میں اسلام کا استیصال کیا گیا اور اُن مسلمان بادشاہوں سے یا تو اغماض نظر کیا گیا یا ان کے محاسن کو معائب بنا کر پیش کیا گیا جن کے دورِ حکومت میں اسلام اور مسلمانوں کو فروغ حاصل ہوا۔ تاریخی اور مذہبی حیثیت سے جب دورِ اکبری کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس کے دورِ حکومت میں الحاد اور بے دینی کو بہت فروغ ہوا جو شاید کسی مسلم بادشاہ کے عہد میں نہ ہوا ہوگا، غالباً اسی لیے یہ مسلمان بادشاہ غیر مسلموں کا محبوب ترین مسلم حکمران ہے۔

اکبر بادشاہ کا باپ نصیر الدین محمد ہمایوں، دیندار اور خدا ترس بادشاہ تھا، موت کے سانحے سے اس کے دینی رجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔ نظام الدین احمد نے طبقاتِ اکبری میں لکھا ہے کہ ۵ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو شام کے وقت ہمایوں بادشاہ لائبریری کی چھت سے نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک اذان مغرب کی آواز آئی، فوراً زینے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا، جب اذان ختم ہوئی تو اپنے عصا پر ٹیک لگا کر اُٹھنا چاہا لیکن چونکہ سیڑھیاں سنگِ مرمر کی تھیں اور ڈھلوان تھیں، جوں ہی وہ اٹھا عصا پھسل گیا اور ہمایوں نیچے آ رہا، شدید چوٹیں آئیں، جانبر نہ ہو سکا اور بالآخر ۱۱ ربیع الاول ۹۶۳ھ کو دہلی میں انتقال ہو گیا۔

عہدِ اکبری:

ہمایوں کا انتقال ہوا تو اکبر بادشاہ بیرم خاں (م ۹۶۷ھ) کے ساتھ ضلع گورداسپور میں کلانور کے مقام پر سکندر سور کے تعاقب میں مصروف تھا، یہ اطلاع پہنچی تو بیرم خاں نے وہیں رسمی طور پر رسمِ تخت نشینی ادا کی اور اکبر کے شاہ ہندوستان ہونے کا اعلان کر دیا گیا (۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ) اس سے قبل دہلی سے بھی یہ اعلان کیا جا چکا تھا۔

جب اکبر جنگی مہمات سے فارغ ہوا تو آگرے میں دربار لگایا۔ اس وقت اکبر بالکل نوعمر تھا اور

حکومت کی باگ ڈور عملاً بیرم خاں کے ہاتھ میں تھی۔ جہاں بانی کے لیے جہاں عقل و دانش کی ضرورت ہے وہاں علم و حکمت کی بھی ضرورت ہے۔ اس لیے بیرم خاں نے اکبر کو تحصیل علم کی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر وہ اس طرف متوجہ نہ ہوا۔ اس سے پہلے ملا عصام الدین، ابراہیم، ملا بایزید، ملا عبد القادر، ملا پیر محمد وغیرہ نے پڑھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ ناکام رہے۔ بہرکیف اکبر بادشاہ ان پڑھ ہی رہا صرف دستخط کرنے آتے تھے لیکن ان پڑھ ہونے کے باوجود اس میں جہاں بانی کی بہت سی خداداد صلاحیتیں تھیں۔ اس کے طویل دورِ حکومت سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

پہلا دور: ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء تا ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء

اکبر بادشاہ نے ۹۶۷ھ میں حکومت شروع کی جب کہ بیرم خاں کو عظیم آباد میں شہید کر دیا گیا۔ اکبر کے دورِ حکومت کو تین ادوار پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ہر دور اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے منفرد نظر آتا ہے، پہلے دور میں وہ ایک دیندار سنی مسلمان نظر آتا ہے۔ مستند کتب تاریخ سے جن حقائق کی تصدیق ہوتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

اٹھارہ بیس برس تک اس کا یہ حال تھا جس طرح سیدھے سادے مسلمان، خوش اعتقاد ہوتے ہیں اسی طرح احکام شرع کو ادب کے کانوں سے سنتا تھا اور صدقِ دل سے بجا لاتا تھا جماعت سے نماز پڑھتا، آپ اذان کہتا تھا، مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا تھا، علماء و فضلاء کی نہایت تعظیم کرتا تھا، ان کے گھر جاتا تھا، بعض کے سامنے کبھی کبھی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیتا تھا، مقدماتِ سلطنت شریعت کے فتوٰی سے فیصلہ ہوتے تھے، جابجا قاضی و مفتی مقرر تھے، فقراء و مشائخ کے ساتھ کمال اعتقاد سے پیش آتا تھا اور ان کے برکتِ انفاس سے اپنے کاروبار میں فیض حاصل کرتا تھا۔

شیخ سلیم چشتی کے سبب سے اکبر فتحپور (سیکری) رہتا تھا۔ محلوں کے پہلو میں سب سے الگ پرانا سا حجرہ تھا، پاس پتھر کی ایک سل پڑی تھی، تاروں کی چھاؤں میں اکیلا وہاں بیٹھتا نوروں کے تڑکے، صبحوں کے سویرے، رحمت کے وقت مراقبوں میں خرچ ہوتے تھے عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ وظیفے پڑھتا، اپنے خدا سے دعائیں مانگتا اور نورِ سحر کے

فیض دل پر لیتا، عام صحبت میں بھی اکثر خدا شناسی، معرفت، شریعت اور طریقت ہی کی باتیں ہوتی تھیں، رات کو علماء و فضلاء کے مجمعے ہوتے تھے، اس میں بھی یہی باتیں اور حدیث تفسیر، اس میں علمی مسائل کی تحقیقیں، اس میں مباحثے بھی ہو جاتے تھے[1]

لیکن زہد و ورع کے باوجود اس نے ہندو عورتوں سے شادیاں بھی کی تھیں شاید سیاسی مصالح کی بناء پر۔ چنانچہ اوائل ۹۷۰ھ میں جب اکبر اجمیر شریف گیا اور خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ (۶۳۳ھ) کے آستانے پر حاضری دے کر واپس ہوا تو جے پور میں راجہ بہاری مل نے غالباً اظہار وفاداری کے طور پر اپنی صاحب زادی پیش کی جو غیر شرعی نکاح کے بعد حرم میں داخل کر لی گئی۔ انہیں سیاسی مصالح کی بنا پر اکبر نے ۹۷۲ھ میں جزیہ بھی معاف کر دیا جو بہت بعد میں دور عالمگیری میں ۱۰۹۰ھ میں دوبارہ نافذ کیا گیا۔

اکبر کے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوتی تھی چنانچہ اس نے فتحپور سیکری میں شیخ سلیم چشتی (م ۹۷۹ھ) سے دُعا کی درخواست کی، ان کی دُعا کی برکت سے ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو دختر راجہ بہاری مل کچھواہہ کے بطن سے جہانگیر تولد ہوا جس کا نام شیخ موصوف کے نام پر تیمناً سلیم، رکھا گیا اکبر نے منت مانی تھی کہ جب لڑکا ہوگا تو وہ اجمیر شریف حاضر ہوگا، چنانچہ وہ یہ نیت پوری کرنے کے لیے پاپیادہ آگرے سے اجمیر شریف گیا، دونوں شہروں کے درمیان کوئی کم فاصلہ نہیں، تقریباً میل کا فاصلہ ہوگا۔ اس واقعہ کا ذکر عبد الباقی نہاوندی نے کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

> شہزادہ فرخندہ مولود کی ولادت سے پہلے حضرت نے یہ منت مانی تھی کہ اگر خدا نے کوئی فرزند عطا فرمایا تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار مبارک کی زیارت کرنے پیدل جاؤں گا، چنانچہ اس منت کو پورا کرنے یوم جمعہ ۱۲ شعبان ۹۷۷ھ

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

۱ ابو الفضل: آئین اکبری، مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

۲ عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ، مطبوعہ کلکتہ، ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء

۳ محسن فانی، دبستان مذاہب، مطبوعہ بمبئی، ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء

کو آگرے سے پا پیادہ اجمیر شریف حاضر ہوئے۔[1]

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر ابتدائی دور میں نیک دل اور خوش عقیدہ مسلمان تھا، عبادات و ریاضات اور مراقبات سے اس کو کافی شغف تھا، اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری اور ان سے محبت و اخلاص کو اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ غرض اس کے فکر و خیال میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جس سے الحاد و بے دینی کا اندازہ ہو الا یہ کہ اس نے ہندو عورتوں سے شادیاں کیں جنہوں نے آگے چل کر اس کے فکری انقلاب میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ ازدواجی تعلقات سے دو گھرانوں کا اتصال ہوتا ہے، ایک دوسرے کو متاثر کرتا ہے، جو قوی ہوتا ہے وہ ضعیف کو اپنے ساتھ بہائے جاتا ہے یا پھر دونوں میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، تصادم کی صورت ہوتی ہے تو علیحدگی ہو جاتی ہے مگر یہاں ایسی کوئی صورت پیش نہیں آئی۔ بہر کیف آگے چل کر جو کچھ ہوا اس کی تفصیلات ایک ہم عصر مورخ ملا عبد القادر بدایونی نے بیان کی ہیں، یہ مورخ دربار اکبری سے متعلق رہا اور اس نے جو کچھ دیکھا اپنی آنکھوں سے دیکھا، سنی سنائی بیان نہیں کی لیکن پھر بھی دور جدید کے بعض محققین و مورخین اس کو متعصب و تنگ نظر خیال کرتے ہیں شاید اس لیے کہ اس نے جو کچھ دیکھا ایک مسلمان کی نظر سے دیکھا، اس جرم کی پاداش میں یہ مورخین اس اہم تاریخی ماخذ کو قابل توجہ نہیں سمجھتے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملا عبد القادر کے کردار کے متعلق پہلے ایک عالم جلیل مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کی رائے پیش کر دی جائے جن کو اہل علم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ملا عبد القادر کے متعلق مولانائے موصوف فرماتے ہیں:۔

> "جامع فنون و فضائل" اور "امام اقران و اماثل" تھے۔ شیخ مبارک ناگوری اور دیگر فضلائے عصر سے کسب کمالات کیا تھا۔ علمی فضیلت کے ساتھ عربی نظم و نثر بھی خوب لکھتے تھے، ہندی اور حساب بھی جانتے تھے، دیسی اور بدیسی نغموں سے بھی شوق تھا خوش مذاق تھے، شطرنج وغیرہ کھیلا کرتے تھے۔ نے نوازی کا بھی شوق تھا، قناعت پسند اور راست گفتار تھے۔

جلال خاں قورچی اور میر فتح اللہ شیرازی کی سفارش سے دربار اکبری میں منصب

---

[1] عبد الباقی نہاوندی، مآثر رحیمی، جلد اول مطبوعہ کلکتہ، ۱۹۲۴ء، ص - ۶۸۷

"پیش امامی" پر فائز ہوئے ۔ چالیس سال تک فیضی اور ابوالفضل کے مصاحب رہے
موصوف کی راست گفتاری کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ اکبر بادشاہ کے چالیس
سالہ واقعات کی بال کی کھال نکال کر پیش کی ہے اور کلمۂ حق کے اظہار میں اس قسم
کے صاحب داعیہ بادشاہ کی مخالفت کا بھی خیال نہ کیا اور آیۂ کریمہ "اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ
عَبْدَہٗ" پر عمل کیا۔[1]

ملا عبدالقادر کی راست گفتاری پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے:

اور بڑی خوبی یہ ہے کہ اصلی حال کے لکھنے میں دوست دشمن کا ذرا لحاظ نہیں کرتا۔
جن لوگوں کو برا کہتا ہے، وہ بھی جہاں اپنے ساتھ سلوک کرتے ہیں، لکھ دیتا ہے[2]

مندرجہ بالا بیانات سے ملا عبدالقادر کی بیباکی، جرأت مندی، راست گفتاری اور صداقت
شعاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایسے مورخ کے بیانات کی طرف توجہ دی جانی چاہیے۔

ملا عبدالقادر بدایونی کے بیان کے مطابق ابتدائی دور میں اکبر کے دینی رجحان کا یہ حال تھا:

بادشاہ بتقاضائے کمال تعظیم و تکریم احادیث نبویہ سننے کے لیے شیخ (عبدالنبی)
کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے اور ایک دن تو بادشاہ نے شیخ موصوف
کی جوتیاں بھی سیدھی کی تھیں[3]

مگر علماء کرام کا یہ احترام دوسرے دور میں باقی نہ رہا اور حالت یہ ہو گئی کہ جب یہی ملا عبدالنبی
جلاوطنی کے دن گزار کر مکہ معظمہ سے وطن عزیز واپس آئے اور اکبر کے حضور حاضر ہوئے تو:

بادشاہ نے بنفس نفیس شیخ (عبدالنبی) کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ رسید کیا
اس پر شیخ نے (جھلا کر) کہا، مجھ کو چھری سے کیوں حلال نہیں کر دیتے[4]

---

[1] غلام علی آزاد بلگرامی: مآثر الکلام، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۲۸ھ، ص۔ ۴۰

[2] محمد حسین آزاد: دربار اکبری، ص۔ ۵۲۱

[3] عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، جلد دوم مطبوعہ ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء، ص۔ ۳۱۵

[4] ایضاً، ص۔ ۳۱۱

نوٹ:۔ عہد اکبری کے مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ، جلد دوم میں (باقی برص۹)

اس سے قبل کہ ہم عہد اکبری کے دوسرے دور کا جائزہ لیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اُن تین شخصیتوں کا تعارف کرا دیا جائے جنہوں نے اس دور میں اکبر کے ذہنی انقلاب میں نمایاں کردار ادا کیا یعنی شیخ مبارک ناگوری اور ان کے دو صاحب زادے ابوالفیض فیضی اور ابوالفضل۔

شیخ مبارک ناگوری بن شیخ خضر ناگوری متبحر علماء میں شمار کیے جاتے تھے، صاحب تصنیف بزرگ تھے، بقول مولانا غلام علی آزاد بلگرامی شیخ موصوف نے پانچ سو ضخیم مجلدات اپنے ہاتھ سے کتابت کیں، آخر عمر میں قوتِ باصرہ جواب دے چکی تھی لیکن پھر بھی محض قوتِ حافظہ کی بناء پر تفسیر عیون المعانی کی چار جلدیں محرّروں سے لکھوائیں[1] لیکن اس علمی تبحر کے باوجود الحاد و بے دینی کے فروغ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ بھی آپ کے سامنے آتے جاتے ہیں۔ شیخ موصوف کا ۱۰۰۱ھ میں انتقال ہوا۔

شیخ ابوالفیض فیضی بقول مولانا غلام علی آزاد بلگرامی:۔

'برہانِ فضیلت تھے'[2]، جب ان کی علمی لیاقتوں کی خبر اکبر تک پہنچی تو اس نے ۹۷۴ھ میں دربار میں طلب کیا، خدمت میں حاضر ہو کر موردِ عنایاتِ شاہی ہوئے 'ملک الشعراء'

(بقیہ صفحہ سابقہ) اکبر کے خیالات و افکار اور بدعات و اختراعات کا ذکر کیا ہے۔ عہد شاہجہانی کے مورخ صاحب دبستان مذاہب محسن فانی کے بیانات سے بعض باتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ خود ابوالفضل نے آئین اکبری و اکبر نامہ میں جو حسنِ تاویل سے کام لیا ہے اس سے بھی بدایونی کے بعض بیانات کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ عہد عالمگیری کے مورخ محمد ہاشم خافی خان نے منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ منتخب التواریخ کی خرید و فروخت پر جہانگیر نے پابندی لگا دی تھی پھر بھی یہ خوب بکی اور پھیلی، جھوٹی باتیں ایسی جاندار نہیں ہوتیں۔ مسعود (حواشی صفحہ ۹۰)

[1] غلام علی آزاد بلگرامی، مآثر الکلام، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۲۸ھ، ص۔ ۱۹۸

[2] شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے فیضی کے ساتھ دوستانہ مراسم رہے مگر جب اس نے بے راہ روی اختیار کی تو آپ نے علیحدگی اختیار کی۔ اس کے متعلق حضرت شیخ کے خیالات ملاحظہ ہوں:۔

فیضی اگرچہ شاعرِ سخن ور ہے، فصاحت و بلاغت میں یگانہ روزگار ہے (باقی بر صفحہ ۹۱)

کا خطاب ملا۔ موصوف نے صرف دو برس میں تفسیر بے نقط سواطع الالہام لکھی اور فضلائے عصر نے اس پر توقیعات لکھیں، علمی دنیا میں یہ تالیف فیضی کا زبردست شاہکار ہے۔
اکبر کو فیضی سے بڑی محبت تھی جب مرض الموت میں مبتلا ہوا تو آدھی رات کو خود عیادت کے لیے آیا اور سر اُٹھا کر اپنے زانو پر رکھا[1] ۱۰۰۴ھ میں فیضی کا انتقال ہوا۔
شیخ ابو الفضل فنِ انشاء میں یگانۂ روزگار تھے، فیضی کی وساطت سے ۹۸۱ھ میں اکبر کے دربار میں باریاب ہوئے پھر دوسری مرتبہ ۹۸۲ھ میں شرفِ باریابی حاصل کیا اور اس مرتبہ یہ اکبر کے منظورِ نظر ہو گئے۔ صاحب تذکرہ ہفت اقلیم امین احمد رازی شیخ موصوف کے متعلق لکھتا ہے:

آج عقل و فہم میں کوئی اس کا ثانی نہیں، باوجود اس کے کہ وہ شاہی خدمت میں ہر وقت اس طرح حاضر رہتا ہے جیسے جوہر کے ساتھ عرض مگر پھر بھی جب کبھی وقت ملتا ہے تحصیل و تحقیقِ علم میں لگا رہتا ہے اور فنِ تحریر میں تو یدِ بیضا رکھتا ہے[2]

شیخ مبارک ناگوری اور ان کے دونوں صاحبزادوں نے کمال علم و فضل کے باوجود علمائے اسلام کی قوت کو توڑا اور ان کو سرِ دربار ذلیل کروایا، اس طرزِ عمل سے خود اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ ایسے فضلاء سے ایسی حرکات یقیناً تعجب خیز اور حیرت ناک ہیں لیکن جب اس کے پس منظر کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے علماء سوء ان انتقامی کارروائیوں کے ذمہ دار ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے:۔

شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک دربار میں بڑا وقار رکھتے تھے۔ اکبر ان کا دل سے احترام کرتا تھا۔ ان دونوں حضرات نے شیخ مبارک ناگوری سے اکبر کو کچھ ایسا بدظن کیا کہ عتابِ شاہی نازل ہوا، دربار سے نکالے گئے، سفارش کے لیے بھاگے بھاگے شیخ سلیم چشتی علیہ الرحمہ کے پاس پہنچے،

(بقیہ صفحہ ۹) لیکن افسوس ہاویۂ ضلالت میں ایسا گرا کہ (اب تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ اہلِ دین و ملت کو اس کا نام لینے اور اس کی بدبخت جماعت سے محفوظ ہی رکھے (تذکرۂ مصنفین درسی مطبوعہ حیدرآباد دکن ص۱)

(حواشی صفحہ نمبر ۹۱)

[1] مآثر الکرام، ص ۱۹۹

[2] بحوالہ محمد حسین آزاد، دربارِ اکبری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء، ص۔ ۹

اکبر کو موصوف سے بڑی عقیدت تھی مگر انہوں نے جلالِ شاہی کے پیشِ نظر سفارش مناسب نہ سمجھی، اور شیخ مبارک کو شورہ دیا کہ وہ سیدھے گجرات چلے جائیں، شیخ مبارک دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرے اور آخر کار مرزا عزیز کوکہ کے توسل سے دربارِ اکبری میں رسائی حاصل ہو گئی، کھویا ہوا وقار مل گیا، اب انہوں نے علماء سے انتقام لینے کی ٹھانی، دونوں بیٹے بھی ان کے ساتھ تھے اور بیٹے بھی عقل کے پتلے، علماء کے خلاف اس انتقامی کاروائی کا جو المناک نتیجہ نکلا اس کو دیکھ دیکھ کر ابوالفضل خود منفعل ہو ہو جاتا تھا، ملا عبد القادر لکھتے ہیں کہ وہ حسرت و یاس میں اکثر یہ رباعی پڑھتا تھا:

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش

چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش!

کس دشمن من نیست منم دشمن خویش!

اے وائے من و دست من و دامن خویش[1]

(ترجمہ) میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے خرمن میں آگ لگائی ہے، جب آگ خود لگائی ہے تو دشمن کا رونا کیا روؤں؟

میرا کوئی دشمن نہیں، میں خود اپنا دشمن ہوں، مجھ پر افسوس، میرے دست و دامن پر افسوس۔

ان تینوں حضرات کے انتقامی جذبے نے اکبر کو لادینیت کی طرف مائل کر دیا اور بالآخر ۹۹۱ھ میں 'دینِ الٰہی' کا اعلان کر دیا گیا جس کی تفصیل آگے آتی ہے، شیخ مبارک ناگوری، فیضی اور ابوالفضل نے اس نئے دین کو قبول کر لیا تھا کیوں کہ یہ انہیں کی کوششوں کا پھل تھا۔ ایک مغربی مورخ پوویل پرائس ان تینوں کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے:۔

'دینِ الٰہی' کی تشکیل کے لیے جو راہ ہموار کی گئی، شیخ مبارک کا خاندان اس کا پورا پورا ذمہ دار ہے۔ فیضی اور ابوالفضل اس دین کے خاص نمائندے تھے۔ راجہ بیربل بھی ان کا شریکِ کار تھا[2]

---

[1] عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ۔ جلد دوم

ابوالفضل کے متعلق خود جہانگیر کے یہ تاثرات تھے :۔

جس نے اپنے ظاہر کو زیور اخلاص سے آراستہ کر کے بہت گراں قیمت پر میرے باپ کے ہاتھ بیچا تھا۔[1]

جہاں گیر اس سے اتنا متنفر تھا کہ بالآخر بیر سنگھ دیو کے ہاتھوں ۱۰۱۱ھ میں اس کا سر قلم کروا کر الٰہ آباد منگایا اور اس ذاتی رنجش کا پورا پورا انتقام لیا ؎ تیغ اعجاز رسول سر باغی برید (۱۰۱۱ھ)

دوسرا دور :

۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء تا ۹۸۵ھ / ۱۵۷۸ء

۹۸۳ھ میں ایک عمارت تعمیر ہوئی جس کا نام عبداللہ نیازی سرہندی نے عبادت خانہ تجویز کیا یہ عبادت خانہ اسی جگہ تعمیر ہوا تھا جہاں اکبر اپنے ابتدائی دور میں :

مراقبے فرماتے تھے اور فیض صبح گاہی حاصل کرتے تھے۔[2]

اس عبادت خانے کی سرگرمیوں سے اکبر کے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔

اکبر کو اصولی اور فروعی مسائل دین کی تحقیق کا بڑا ذوق و شوق تھا چنانچہ عبادت خانے میں ہر جمعہ کو رات کے وقت جو مجلس ہوا کرتی تھی اس میں ہر مکتب فکر کے علماء و مشائخ شریک ہوتے۔ مختلف مسائل پر گفتگو رہتی، بادشاہ انعام و اکرام سے نوازتا جس سے علماء میں مسابقت کا جذبہ پیدا ہو گیا اور بات بغض و عناد تک جا پہنچی۔ بقول ملا عبدالقادر بدایونی اس مجلس شاہی میں سو سے زیادہ علماء و فضلاء شریک ہوتے تھے۔

مباحثین و مناظرین، محقق و مقلد تقریباً سو سے متجاوز ہوں گے۔[3]

---

[1] محمد مشتاق حسین، حالات نورالدین جہاں گیر مطبوعہ آگرہ

[2] منتخب التواریخ جلد دوم، ص۔ ۲۱۵

[3] ایضاً، ص۔ ۱۸۸

علماء میں پہلے نشستوں پر چپقلش شروع ہوئی، شاید بعض حضرات قربِ شاہی کے متلاشی رہتے ہوں گے۔ اس کے علاوہ مختلف مسائل پر حکیمانہ اور عالمانہ تبادلۂ خیال کے بجائے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا، لڑائی بھی معمولی نہیں، یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ایک دوسرے کو کھا جائیں گے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے یہ آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے:

تیغ زبان کھینچ کر آپس میں مقابلے پر آجاتے، ایک دوسرے کو کھلم کھلا کافر گمراہ کہتے [1]

غصے میں آپے سے باہر ہوتے کہ نہ اپنا ہوش رہتا اور نہ آدابِ شاہی کا، جاہلوں اور عام لوگوں کی طرح،

غصے سے علماء عصر کی رگیں پھول جاتیں اور پھر خوب ہی غل مچتا [2]

اور حاجی ابراہیم سرہندی (م ۹۹۴ھ) کے فتوے پر تو علماء اتنے برہم ہوئے کہ اپنے اپنے عصا اٹھا لیے، ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے تھے مگر خدا نے لاج رکھ لی۔ بہرکیف اس قسم کی نازیبا اور ناشائستہ حرکات کو دیکھ کر اکبر علماء سے بدظن ہو گیا اور پھر یہ بدظنی تنفر میں بدل گئی اور آگے چل کر اس تنفر نے اکبر کو علماء اسلام کا دشمنِ جاں بنا دیا بلکہ خود اسلام سے اس کو ایک قسم کی چڑ ہو گئی۔

علماء کے دو گروہ ہو گئے، ایک طرف حاجی ابراہیم سرہندی اور ابوالفضل اور دوسری طرف مخدوم الملک اور مولینا عبداللہ سلطان پوری۔ ان دونوں گروہوں کے خوب خوب مقابلے ہوتے جس میں فیضی اور ابوالفضل بھی شریک رہتے۔ یہ دو گروہ متشدد سُنّی علماء اور باصطلاح زمانہ حاضرہ روشن خیال عقل پرست علماء کی نمائندگی کر رہے تھے۔ پروفیسر پرائس نے دونوں گروہوں کے درمیان مباحثات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

اوّل یہ مباحثے اور مناظرے مسلم علماء تک محدود رہے، علماء اہلِ سنت کے صدر

---

[1] منتخب التواریخ، جلد دوم، ص۔ ۲۶۵ (ترجمہ اردو محمود فاروقی مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۲ء ملخصاً)۔

[2] ایضاً، جلد دوم۔

مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی خاص مناظرین تھے۔ شیخ مبارک اور ان کے صاحبزادگان فیضی اور ابو الفضل ایسی رواداری کے حامی تھے جس میں آزادی فکر کی پوری پوری اجازت ہو۔ اس طرح ان مباحث کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا[1]

اکبر بادشاہ غالباً سیاسی مصلحتوں کی بنا پر "صلح کل" کا حامی ہوگیا۔ اس حکمت عملی کی تشکیل میں ہندو گھرانوں سے اس کے ازدواجی تعلقات نے موثر کردار ادا کیا ہوگا، شیخ مبارک اور ابو الفضل و فیضی نے مزاج شاہی کو دیکھتے ہوئے یہی روش اختیار کرلی، ان کے نزدیک مصلحت وقت کا بھی یہی تقاضا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تینوں حضرات بادشاہ کی نظر میں محبوب ہوگئے اور وہ علماء جنہوں نے اس حکمت عملی کی مخالفت کی اور خود بھی کوئی اچھا کردار پیش نہ کیا، معتوب ٹھہرے، پوویل پرائس لکھتا ہے:

سنی علماء کے تشدد اور باہمی دشنام طرازیوں نے اکبر کو ان سے بیزار کردیا، چنانچہ اس نے مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی کو (جلاوطن کرکے) مکہ معظمہ بھیج دیا۔[2]

۹۸۳ھ میں گیلان سے حکیم ابو الفتح (م ۹۹۷ھ) اور ان کے دونوں بھائی حکیم ہمام (م ۱۰۰۳ھ) اور نور الدین قراری ہندوستان آئے، اکبر کی ذہنی کج روی میں یہ ابو الفضل کے شریک کار تھے حتیٰ کہ اکبر کو نبوت اور وحی جیسے اہم عقائد سے بیزار کردیا[3]

علماء کی طرف سے اکبر کے دل میں بدگمانیاں کچھ تو بعض علماء کی اپنی غلط روش کی وجہ سے پیدا ہوئیں اور کچھ عقل پرستوں نے ورغلایا۔ بہر کیف ان پڑھ ہونے کی وجہ سے اس کا ذہن علمی اور مذہبی حیثیت سے ناپختہ تھا اس لیے اپنے دور کے چند علماء سے کیا بگڑا سب ہی سے بگڑ گیا بلکہ علماء کے خلاف ایک قسم کا انتقامی جذبہ پیدا ہوگیا۔ کج فہمی کی انتہا ملاحظہ ہو، ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں:۔

اکبر اپنے عہد کے علماء کو امام غزالی اور امام رازی سے بھی بہتر جانتا تھا عجب

---

[1] Fowell Price : *A History of India*, p. 261

[2] Ibid. p 261.

[3] مفتی ذکاء اللہ: اقبال نامہ اکبری، مطبوعہ دہلی، ۱۸۹۷ء

اس نے ان کی دلیک حرکتوں کو دیکھا تو حاضر کو غائب پر قیاس کر کے اسلاف سے بھی بیزار ہو گیا [1]

چنانچہ ایک روز اکبر نے شیخ مبارک ناگوری سے کہا :۔

ہم کو ان ملاؤں کے احسان سے کیوں سبکدوش نہیں کر دیتے ہو [2]

شیخ مبارک تو موقعہ کی تلاش میں تھے چنانچہ انہوں نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا اور اس پر تمام سرکردہ علماء کے دستخط ثبت کرا لیے، طوعاً و کرہاً سب نے دستخط کیے۔ اس میں دیگر باتوں کے علاوہ آخر میں یہ کہا گیا ہے :۔

جن مسائل دین میں مجتہدین میں اختلاف پایا جاتا ہے، اگر بادشاہ اپنے 'ذہن ثاقب' اور 'فکر صائب' سے اس اختلاف کو رفع کریں اور معیشت بنی آدم کی سہولت اور انتظام عالم کی مصلحت کی بناء پر کوئی خاص راستہ اختیار فرمائیں اور حکم دیں تو وہ متفق علیہ سمجھا جائے گا، اس کی اتباع عوام پر لازم اور لابدی ہو گی۔ اگر اپنی 'رائے صائب' کی بنا پر ایسا حکم صادر فرمائیں جو نص کے مخالف نہ ہو اور اس میں رفاہ عامہ ہو تو اس پر عمل کرنا ہر ایک کے لیے لازم اور ضروری ہو گا، اس کی مخالفت دینی اور دنیوی بربادی و خسران اور اخروی مواخذہ کی مستوجب ہو گی [3]

یہ تھا وہ محضر نامہ جس نے حدیث، اجماع امت اور قیاس وغیرہ کی اہمیت کو یک قلم ختم کر کے علماء اسلام کی قوت و شوکت کو خاک میں ملا دیا اور ایک ان پڑھ اور عامی بادشاہ "سلطان عادل" اور "امام عادل" قرار پایا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ ایک روز فتح پور سیکری کی جامع مسجد میں جمعہ کے روز حافظ محمد امین خطیب کو ہٹا کر خود بدولت خطبہ پڑھنے کھڑے ہو گئے، یہ خطبہ منظوم تھا اور فیضی نے لکھا تھا پڑھنا تو جانتا نہ تھا شاید اشعار رٹ لیے ہوں گے۔ چند ہی شعر پڑھے ہوں گے کہ کپکپی چھوٹ گئی، فوراً نیچے اتر آیا اور خطیب مذکور کو کھڑا کیا، دنیا نے یہ تماشا بھی دیکھا۔

---

1. منتخب التواریخ، جلد دوم، ص ۔ ۲۷۰
2. عبد القادر بدایونی ؛ منتخب التواریخ ۔ ج ۲
3. منتخب التواریخ، جلد دوم، ص ۔ ۲۷۲

دینی امور میں اکبر کی اس مداخلت بے جا کو دیکھ کر ۹۸۸ھ میں جونپور کے قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے برملا یہ فتویٰ دیا کہ بادشاہ بد مذہب ہو گیا ہے اس کے خلاف جہاد واجب ہے اور خود دربار میں بھی اکبر کی مخالفت کی، ان کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی مخالفت کی اور کچھ اعیانِ مملکت بھی مخالف ہو گئے لیکن ان کو یا تو جیل بھیج دیا گیا، یا جلا وطن کر دیا گیا اور یا قتل کر دیا گیا حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اس دور کی قتل و غارت گری کا اس طرح ذکر فرمایا ہے :۔

جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق (فتور دیکھا) اور لوگوں میں اس کا شائع ہونا متحقق ہو گیا یہاں تک کہ شرائع کی پیروی اور رسولوں پر یقین میں پختہ ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو مختلف سختیاں اور ایذائیں پہنچائیں جن کا ذکر مناسب[1] نہیں، بہت سے علماء اہلِ اسلام قتل کر دیے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی تصریح ترک کر دی گئی[2]

وہ عبادت خانہ جس کی مجالس میں صرف مسلمان علماء شریک ہوتے تھے، اب ہر مذہب و ملت کے علماء کے لیے کھول دیا گیا۔ چنانچہ پوویل پرائس لکھتا ہے :۔

اب اکبر نے نہ صرف مسلم علماء بلکہ جینی، ہندو، زردشتی اور بودھ علماء کو بھی ان مباحث میں شامل کر لیا اور جلد ہی ایک عیسائی تبلیغی جماعت کو بھی بلا بھیجا[3]

چنانچہ ستمبر ۹۸۷ھ / ۱۵۷۹ء میں اکبر نے عبداللہ کو سفارت پر گوا بھیجا اور عیسائی مبلغوں کو مدعو کیا۔ مبلغین کی ایک جماعت ۱۷ نومبر ۹۸۷ھ / ۱۵۷۹ء کو گوا سے روانہ ہو کر فروری ۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء کو فتح پور سیکری پہنچی۔

---

[1] حضرت مجدد نے ایک عالم و صوفی شیخ محمد زکریا کی رہائی کے لیے ایک مکتوب میں صدر جہاں سے سفارش کی ہے (مکتوب نمبر ۲۷، جلد اوّل) مسعود

[2] حضرت مجدد : اثبات النبوۃ، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء، ص۔ ۵۰ و ۵۱

[3]

اس جماعت میں یہ لوگ شریک تھے :

۱۔ انٹونیو مونسیرٹ (Antonio Monserrate)

۲۔ روڈلف ایکوداوا (Radalphe Acquaviva)

۳۔ فرانسس انریکوز[1] (Francisce Enriques)

یہ جماعت دربار میں حاضر ہوئی، عبادت خانے کی محفلوں میں شریک رہی، ان لوگوں نے اسلام کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا مگر اکبر خاموشی سے تماشا دیکھتا رہا بلکہ ان کی تقریروں سے اس حد تک متاثر ہوا کہ شہزادہ سلیم (جہانگیر بادشاہ) اور شہزادہ مراد کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے تیمناً انجیل کے چند اسباق پڑھیں۔ چنانچہ یہ اسباق پڑھے گئے اور ابوالفضل نے ترجمانی کے فرائض انجام دیے۔

معلوم ہوتا ہے کہ عام مسلمان اکبر کی اس غیر محدود رواداری سے بددل تھے۔ ان کے دلوں میں ان پادریوں کے خلاف نفرت موجزن تھی، وہ اس جماعت کو کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے، غالباً اسی وجہ سے ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں روڈلف ایکواوا کو آگرے میں قتل کر دیا گیا۔

۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں عیسائی تاجروں کی ایک جماعت ملکہ الزبتھ (۹۶۶ھ/۱۵۵۸ء تا ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) کا پیغام لے کر ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء میں آگرے پہنچی۔ اس جماعت میں یہ تین افراد شامل تھے :۔

۱۔ ریلف فلچ (Ralph Fitch)

۲۔ جان نیوبری (John Newbery)

۳۔ ولیم لیڈس[2] (William Leeds)

۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء ایک یونانی شخص لیو گریمان کی وساطت سے گوا کے عیسائی مبلغوں

---

[1] Smith : *Akbar The Great*, p. 180

[2] G.T. Garret : *The Lagacy of India*. Oxford, 1951, PP. 27-28.

پھر دعوت دی گئی۔ چنانچہ اس دعوت پر پادریوں کی یہ جماعت ۱۰۰۰ھ/ ۱۵۹۱ء میں لاہور پہنچی اور ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء میں واپس چلی گئی۔[1]

۱ ایڈورڈ لیوٹن (Edwardes Leiton)

۲ کرسٹوفر ڈی ویگو (Christopher di vego)

۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۴ء میں گوا سے عیسائی مبلغوں کی تیسری جماعت آئی جس میں یہ افراد شریک تھے:۔

۱ جیرم ژیویر (Jeromo Xavior)

۲ فادر میکاڈو (Father Machado)

۳ ایمونیل پنھیرو (Emmahuel Pinheiro)

۴ برادر بینی ڈکٹ (Brother Benedict)

یہ جماعت ۳ دسمبر ۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۴ء کو گوا سے روانہ ہوئی اور ۵ مئی ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء کو لاہور پہنچی۔[2]

عیسائی مبلغوں کے علاوہ (بقول ملا عبد القادر بدایونی) اکبر کے دربار میں ہندو اور بدھ رشی اکثر باریاب ہوتے تھے، ان لوگوں کی یہی کوشش رہتی تھی کہ اکبر کی نگاہوں میں اسلام کو دین باطل قرار دے کر اپنی حقانیت جتائیں چنانچہ یہ لوگ مذہب اسلام پر بے باکانہ حملے کرتے تھے اور اکبر اطمینان و سکون سے یہ سب کچھ سنتا رہتا، کسی کی مجال نہ تھی کہ بادشاہ کے سامنے دم مارے۔ انہیں رشیوں سے متاثر ہو کر اکبر نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں اتھر وید، رامائن اور مہابھارت وغیرہ کے ترجمے کا حکم دیا اور دوسری طرف پادریوں سے متاثر ہو کر ابوالفضل کو انجیل کے ترجمے کا حکم دیا گیا۔

ہندو گھرانوں سے ازدواجی تعلقات پہلے ہی تھے، اس کے علاوہ اعیان مملکت اور ملکی امور میں ہندوؤں کا بڑا عمل دخل تھا اور اب ہندو رشیوں کی باقاعدہ تعلیم نے سونے پر سہاگے

---

[1] Smith : Akbar the Great, P.188

[2] Ibid P.188

کا کام کیا۔ چنانچہ اکبر کو عربی زبان سے نفرت ہوگئی اور اس نے ہوتم نامی ایک برہمن سے چیزوں کے عربی نام کے بجائے سنسکرت نام تجویز کرنے کی فرمائش کی اور عربی حروفِ تہجی کو تلفظاً ساقط کر دیا گیا۔

دیبی نامی ایک اور برہمن جس نے مہابھارت کی شرح بھی لکھی تھی، اکثر باریاب ہوتا تھا، اس نے اکبر کو بتوں کی پوجا پاٹ کے طریقے سکھائے، آگ، سورج اور ستاروں کی پوجا کے طریقے بھی بتائے اور اپنے دیوتاؤں کی پرستش کے آداب سکھائے۔

اکبر نے اپنی اس بے راہ روی کے لیے کچھ اسلام سے بھی سہارا لیا کیوں کہ وہ چاہتا تھا کہ اس وبال کا بوجھ مسلمانوں پر بھی رہے۔ اس سلسلے میں تصور وحدۃ الوجود کی غلط تعبیر و تشریح سے اس کو بڑی مدد ملی اور وہ الحاد کی طرف مائل ہوگیا۔ بقول ملّا عبد القادر بدایونی، صاحب نزہتہ الارواح شیخ تاج الدین دہلوی اکثر دربار میں باریاب ہوتے، رات رات بھر رہتے اور وجودی فلسفے پر تقریریں کرتے۔ خود ابو الفضل بھی اسی غلط تعبیر و تشریح سے متاثر نظر آتا ہے اور یہ اس لیے کہ اس غلط تعبیر سے ان کے اپنے اغراض و مقاصد پورے ہو رہے تھے۔ ابو الفضل کے خیالات خاص قسم کی ذہنی کیفیت کی غمازی کرتے ہیں:۔

> اے خدا! میں تیرے طالبوں کو ہر معبد میں دیکھتا ہوں۔ ہر زبان میں تیری ہی حمد کی جاتی ہے، ہر مذہب یہی تعلیم دیتا ہے کہ تو وحدہٗ لاشریک ہے۔
>
> مسجد و مندر ہو یا گرجا، ہر جگہ تیری ہی عبادت کی جاتی ہے۔ کبھی میں تجھ کو گرجا میں تلاش کرتا ہوں اور کبھی مسجد میں، ہاں ایک معبد سے دوسرے معبد میں تلاش کرتا پھرتا ہوں۔
>
> اے خدائے برتر: تیرے ہاں دین و الحاد کا کوئی امتیاز نہیں کیونکہ تیری ردائے حق کے پیچھے ان دونوں میں سے کسی کی گنجائش نہیں۔
>
> الحاد ملحدوں کو مبارک ہو اور دین دینداروں کو ہاں پھول کی پنکھڑیاں گل فروش کو مبارک ہوں[1]

---

[1] Powell Price : A Histo. v of India, P.268

یہ خیالات نہ صرف ابو الفضل کے ترجمانِ دل ہیں بلکہ اکبر بادشاہ کے دل میں بھی یہی خیالات جاگزیں ہو چکے تھے۔ لادینیت اکبر کی زندگی میں پوری طرح سرایت کر چکی تھی، جس نے لادینیت کی راہ اختیار کی اس کے قلب ونظر میں ہر دین کی گنجائش نکل آتی ہے، جو کسی کا نہیں بن سکتا وہ در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے، اکبر کی اس تلون مزاجی کے متعلق ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں:۔

> ولایت گجرات کے شہر نوساری سے آتش پرست آتے تھے۔ ان لوگوں نے بادشاہ کے سامنے زرتشت کی حقانیت کو ثابت کیا، آگ کی پرستش سکھائی اور اپنی طرف مائل کر کے کیانیوں کی رسم وراہ سے واقف کیا[1]

اور اسلام کی زبوں حالی یہاں تک پہنچی:۔

> عجمی بادشاہوں کی طرح محل شاہی میں دن رات آگ سلگتی رہتی تھی اور اس کی نگرانی ابو الفضل کیا کرتے تھے[2]

بقول صاحب دبستان مذاہب اکبر کے دربار میں ایک سر پھرا اور منچلا فلسفی بھی آنکلا جس نے منطقیانہ اور فلسفیانہ طرز پر یہ ثابت کیا کہ نبی کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ وہ نوعِ انسانی سے اطاعتِ کاملہ کا طلب گار ہو۔ اسی تصور کے تحت اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یاوہ گوئی سے کام لیا اور مذہب اسلام کے متعلق تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ مذہب نہ عقلمندوں کے لیے مفید ہے اور نہ احمقوں کے لیے (معاذ اللہ) یہ لایعنی گفتگو اکبر ٹھنڈے دل سے سنتا رہتا اور اس کی پیشانی پر ذرا بل نہ آتا۔

بہر کیف بقول ملا عبد القادر بدایونی:۔

> قسم قسم کے اربابِ عقل اور مختلف ادیان و مذاہب کے علماء دربار میں جمع ہوتے اور بادشاہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتے، دن رات تحقیق وتفتیش کے علاوہ بادشاہ کو کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی[3]

---

[1] منتخب التواریخ، جلد دوم، ص۔ ۱۷۴ (ترجمہ اُردو ملخصاً)

[2] ایضاً صفحہ۔ ۱۷۴ (ترجمہ اُردو ملخصاً)

[3] ایضاً، ص۔ ۲۶۶ (ترجمہ اُردو ملخصاً)

اس تحقیق وتفتیش کا نتیجہ یہ نکلا کہ متاعِ عزیز کو نذرِ رہزن کر دیا گیا اور اکبر بادشاہ کلی طور پر اسلام سے بیگانہ ہو گیا بلکہ اس کو اسلام سے کچھ ضد سی ہو گئی ۔ بقول ملا عبدالقادر بدایونی :۔

دوسرے مذاہب والے جو احکام بیان کرتے تھے ، اسلام کی ضد میں بادشاہ ان کو نصِ قطعی سمجھتے تھے ، اس کے برعکس ملتِ اسلامیہ اور دینِ اسلام کو نامعقول وحادث ، بدوؤں کا گھڑا ہوا خیال کرتے تھے [1]

لیکن اس بے راہ روی کے باوجود عقل سے بیگانہ نہ ہوئے بلکہ ہر بات میں عقل کو دخل دیا کرتے تھے ، بقول بدایونی :۔

جس کی جو بات پسند آتی تھی اس کو انتخاب کر لیا کرتے تھے لیکن جو چیز طبیعت وخواہش کے خلاف ہوتی تھی اس سے پرہیز لازم سمجھتے تھے [2]

خواہش کی اس بندگی نے یہ حال کیا کہ :۔

پانچ چھ سال کے اندر اندر اسلام کا نام ونشان باقی نہ رہا اور معاملہ برعکس ہو گیا [3]

تیسرا دور :

۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء تا ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء

اس دور کا آغاز 'دینِ الٰہی' سے ہوتا ہے ۔ اس نئے مذہب کی بنیاد ۹۹۰ھ میں رکھی گئی ۔ لندن یونیورسٹی کے فاضل پیٹر ہارڈی نے اس مذہب کی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

نظریاتی اعتبار سے 'دینِ الٰہی' متصوفانہ تھا ، زردشتیوں کے معتقدات بھی اس میں شامل کر لیے گئے تھے لیکن یہ مذہب خالص موحدانہ تھا ۔ اس میں شیعی نظریہ امام و

---

[1] منتخب التواریخ ، جلد دوم ، ص ۔ ۱۷۴ (ترجمہ اردو ملخصاً)

[2] ایضاً ، ص ، ۱۷۴

[3] ایضاً ، ص ۔ ۴۶۶

مجتہد بھی شامل تھا، مختصر یہ کہ اسلام سے یہ جتنا قریب تھا، ہندو مت سے اتنا قریب نہ تھا۔[1]

لیکن امریکی مورخ پوویل پرائس کے خیالات زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں، وہ لکھتا ہے:

۱۵۸۲ء میں 'دین الٰہی' کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ نظریہ توحید وجودی کی ایک مبہم اور غیر واضح شکل ہے جس میں مختلف ادیان و مذاہب کے عقائد شامل ہیں۔ زردشتی، جینی، ہندو، بودھ وغیرہ سب کا معجون مرکب ہے اور اسلام کے نظریۂ توحید کو اس میں برائے نام جگہ دی گئی ہے۔[2]

خود اکبر کے خیالات سے واضح ہوتا ہے کہ 'دین الٰہی' میں تمام ادیان کے منتخبہ عقائد شامل تھے۔ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں اکبر کے معیار انتخاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا انسان تو وہ ہے جو "عدل" کو راہِ تحقیق کا رہنما بنائے اور ہر مذہب وملت کی وہ چیزیں قبول کرے جو عقل کے مطابق ہوں شاید اس طرح وہ قفل کھل جائے جس کی کلید گم ہو چکی ہے۔[3]

عہد اکبری کے تیسرے دور کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اکبر نے عملی طور پر جملہ ادیان کے عقائد کو اپنا لیا تھا اور ذہنی طور پر کچھ حواس باختہ ہو گیا تھا، ملا عبدالقادر بدایونی نے ان عبادات عجیبہ اور ریاضات غریبہ کا اس طرح ذکر کیا ہے:-

صبح و شام، دوپہر اور آدھی رات، چار وقت آفتاب کی عبادت کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ آفتاب کے ایک ہزار ایک نام یاد کر لیے تھے جو دوپہر کو آفتاب

---

[1] Theodore de Bary : *Sources of Indian Traditions*, New York. 1959, p. 443.

[2] Powell-Price : *A History of India*, London. 1958, p. 67.

[3] H. Beveridge : *The Akbar Nama*, Volumes III, Calcutta. 1910, p. 371.

کی طرف حضورِ قلب سے متوجہ ہو کر جپا کرتے تھے (عبادت کا یہ طریقہ تھا)۔
اپنے دونوں کان پکڑ کر، ایک چکر کھا کر، کان کی لو پر گھونسے لگایا کرتے تھے۔
اس قسم کی اور بہت سی حرکتیں کرتے تھے۔ یہ بھی حکم دیا تھا کہ آدھی رات اور طلوعِ آفتاب کے وقت نوبت و نقارہ بجا کرے [1]

آفتاب کی عبادت ہی پر بس نہ کیا، ہر چیز کی عبادت شروع کر دی، غالباً عقیدۂ توحید وجودی کی غلط تشریحات و تاویلات نے اس کو اس طرف مائل کیا جس کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے بھی مکتوبات شریف میں کیا ہے۔ بہر کیف اکبر کی نظر بہک چکی تھی، اس کے بہکنے کا حال ملا عبد القادر بدایونی کی زبانی سنیے:۔

آگ، پانی یا درخت اور پتھر، تمام مظاہر کائنات یہاں تک کہ گائے کے گوبر کی پرستش کرتے تھے، قشقہ لگاتے تھے، زنار پہنتے تھے، تسخیرِ آفتاب کی دعا جس کو ہندو رشیوں نے سکھایا تھا، وظیفہ کے طور پر آدھی رات اور طلوعِ آفتاب کے وقت جپتے تھے [2]

اور اس عقیدے کے ساتھ کہ:

آفتاب نیرِ اعظم ہے، تمام عالم کو داد و دہش کرتا ہے، بادشاہوں کا پالنہار ہے اور بادشاہ اس کے نام لیوا ہیں [3]

مخالفینِ اسلام کے عقائد سے جسم و جاں کے ساتھ ساتھ لباس بھی ملوث ہو گیا چنانچہ:۔

سات ستاروں کے سات مخصوص رنگوں کے حساب سے ہر روز کا لباس علیحدہ تھا [4]

---

[1] منتخب التواریخ، جلد دوم، ص۔ ۳۲۲
[2] ایضاً، ص۔ ۲۶۱
[3] ایضاً، ص۔ ۱۷۴
[4] ایضاً، ص۔ ۱۷۴

ان ملحدانہ اور کافرانہ افکار و خیالات کی تان یہاں آکر ٹوٹی، حکم دیا گیا کہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے بجائے اَکْبَرُ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ کہا جائے۔ اکبر کے حاشیہ بردار تو یہ کلمہ پڑھنے لگے لیکن دوسرے لوگوں کو ترغیب بے سود ثابت ہوئی۔ کلمہ طیبہ میں اس قطع و برید سے خود اکبر کے زمانے کے مذہبی لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اکبر نبوت کا دعویدار ہے بلکہ بعض حضرات کا یہ بھی خیال تھا کہ دعویٰ نبوت سے۔ بڑھ کر دعویٰ خدائی سے بھی اس نے گریز نہ کیا، چنانچہ ابو الفضل کی تردید سے ان خیالات کی تصدیق ہوتی ہے۔ ابو الفضل اکبر نامہ میں لکھتا ہے :۔

ایک گروہ ان کمینہ لوگوں کا ہے جو شبینہ جانوروں کی طرح دن دہاڑے اندھوں کی بلند پائے کوہاں ہیں، خدا کے اس یگانہ و یکتا بندے (یعنی اکبر بادشاہ) پر جو اپنی نسل کی آن ہے، یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے خدائی دعویٰ کیا ہے اور اس قسم کی ناشائستہ گفتگو سے وہ خود کو ابدی تعر مذلت میں دھکیلتے ہیں [1]

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اسلام کے خلاف اکبر کی طبیعت میں ایک قسم کی ضد پیدا ہو گئی تھی، وہ ہر اس چیز کو پسند کرتا جس کو اسلام نے ناپسند کیا ہے چنانچہ :۔

اسلام کی ضد میں سور اور کتے کو ناپاک نہیں سمجھتا تھا، حرم اور محل میں ان کو رکھا جاتا تھا اور روزانہ صبح کو ان کی زیارت عبادت شمار کی جاتی تھی [2]

کیوں کہ ہندو رشیوں نے یہ تصور پیش کیا تھا :۔

سور ان دس مظاہر میں سے ہے جن میں خدا حلول کیے ہوئے ہے (معاذ اللہ) [3]

تبحر علمی اور ہمہ دانی کے باوجود فیضی کا یہ حال تھا کہ :۔

چند کتوں کو سفر میں ساتھ رکھتا تھا اور ان کے ساتھ کھانا بھی کھاتا تھا، بعض شعراء تو کتوں کی زبانیں منہ میں لیا کرتے تھے [4]

---

[1]

[2] منتخب التواریخ، جلد دوم، ص - ۴۹۹ (ترجمہ اردو ملخصاً)

[3] ایضاً، ص - ۴۹۹

[4] ایضاً، ص - ۴۹۹

ذبیحہ پر عام پابندی لگادی گئی اور حکم دے دیا گیا :۔

اگر کوئی ایسے شخص کے ساتھ کھانا کھائے جس کا پیشہ جانوروں کو ذبح کرنا ہو تو اس کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں اور اگر اسی کے خاندان کا کوئی فرد ہو تو اس کے کھانے کی انگلیاں اُڑادی جائیں [1]

جوئے کو اس شان سے حلال کردیا گیا کہ :۔

دربار کے اندر جوئے خانہ بنایا گیا، جوئے بازوں کو خزانۂ شاہی سے روپے دیے جاتے تھے [2]

اور شراب کو اس 'حکیمانہ' احتیاط سے حلال کیا گیا :۔

اگر حکماء کی طرح رفاہیت بدنی کے لیے شراب پی جائے اور اس سے کوئی فتنہ و فساد پیدا نہ ہو تو مباح ہے لیکن اگر مے خوار مستی میں جھوم جائے، بھیڑ بھاڑ ہو جائے اور شور و غل ہونے لگے تو ایسی صورت میں شراب نوشوں کی پوری پوری تادیب کی جائے [3]

اور مے فروشی کے لیے یہ اہتمام کیا گیا :۔

شراب کی دکان سر دربار لگائی گئی اور دربان خاتون خمّار کو مہتمم بنایا گیا اور شراب کا نرخ بھی مقرر کردیا گیا [4]

ساقی کی طرف سے جب "اذن عام" ہو تو پھر کوئی کیوں نہ پیے ؟ عالم و عامی سب نے پی اور خوب پی۔ فیضی جیسے مفسر قرآن سے بھی نہ رہا گیا، جام پر جام چڑھاتے، چڑھاتے جاتے اور فرماتے جاتے :۔

---

[1] منتخب التواریخ، جلد دوم، ص۔ ۳۷۶

[2] ایضاً، ص۔ ۵۱۸

[3] ایضاً، ص۔ ۴۹۷

[4] ایضاً، ص۔ ۴۹۷

ایں پیالہ را بکوری فقہا می خورم"

ستم بالائے ستم حضرت شیخ الاسلام مفتی صدر جہاں اور میر عدل میر عبد الحی[1] نے بھی خم پہ خم چڑھائے، خلوت میں نہیں جلوت میں، بادشاہ کے سامنے۔ سنیے سنیے خود ابو الفضل کی زبانی سنیے جو اس "بزم شکن مجلس شاہی میں موجود تھا:۔

اس ماہ (آبان) دعوت میں عقل افزا شراب نوش کی گئی، میر صدر جہاں مفتی اور میر عبد الحی میر عدل نے بھی اپنے اپنے جام چڑھائے، اس موقعہ پر حضرت شہنشاہی نے یہ شعر پڑھا؎

[1]

ترجمہ:۔ گناہوں سے درگزر کرنے والے شہنشاہ کے دربار میں قاضی نے اپنے سبو لنڈھائے اور مفتی نے اپنے ساغر چڑھائے۔

مفتی صدر جہاں نے شراب نوشی کے علاوہ ایک 'بڑا کام' یہ بھی کیا کہ ۱۰۰۴ھ میں اکبر کے حکم سے داڑھی صاف کرادی[2] شراب نوشی کے لیے پردۂ زنگاری کی کیا ضرورت؟ داڑھی کے متعلق اکبر کے 'حکیمانہ' افکار و خیالات تو ذرا ملاحظہ فرمائیں،

ارشاد ہوا:۔

خصیتین سے داڑھی کی سیرابی ہوتی ہے اسی لیے کسی خواجہ سرا کے چہرے پر داڑھی نہیں ہوتی، ایسی چیز کی حفاظت سے بھلا کیا ثواب ملے گا، ؟[3]

وہ تو خیر ہوئی کہ 'فرع' کی قطع و برید پر اکتفا کیا ورنہ کیا عجب تھا کہ اس برہان قاطع کی روشنی میں 'اصل' ہی کو صاف کر دیا جاتا۔

---

[1] اکبر نامہ، جلد سوم، ص - ۸۸۱

[2] ذکاء اللہ: اقبال نامۂ اکبری

[3] منتخب التواریخ، جلد دوم، ص - ۴۹۸

حجاب اُٹھا دیے گئے ؏ زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
عورتوں کو بے حجابی کی پوری پوری آزادی مل گئی بلکہ یوں کہیے کہ برقعہ پوش عورتوں کی شامت آگئی ، ارشاد ہوتا ہے :۔

جو جوان عورت کوچہ و بازار میں نکلے اس کو چاہیئے کہ یا تو برقعہ پہنے ہی نہیں اور اگر پہنے تو منہ کھول کر چلے [1]

میّت کی تدفین کا نرالا طریقہ ایجاد کیا گیا "مردہ بدست زندہ" کی بے بسی دیکھنی ہو تو دیکھیے، حکم دیا گیا کہ

تھوڑا سا خام غلّہ ایک پکی اینٹ کے ساتھ میّت کے گلے میں ڈال کر پانی میں ڈال دیں اور اگر پانی نہ ہو تو یا تو جلا دیں یا خطائیوں کی طرح درخت پر لٹکا دیں [2]

اور اگر دفن کرنا ہی ہے تو پھر :۔

میت کا سر مشرق کی جانب اور پیر مغرب کی سمت کر کے دفن کیا جائے [3] (تاکہ شعائر اسلام کے خلاف بغاوت کا حق ادا ہو جائے)

سگ پرستی، قمار بازی، شراب نوشی، ریش تراشی، بے حجابی وغیرہ اکبری خرافات آج ہمارے معاشرے کا جزو بن کر رہ گئی ہیں ۔ ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر "اکبری" ہیں "محمدی" نہیں۔ ؏

آنچہ ما کردیم برخود، ہیچ نابینا نہ کرد

شاید بعض روشن دماغ اکبری دور کی ان تفصیلات کو پڑھ کر اس کو دل سے دعائیں دیں کہ اس نے چار سو برس پہلے وہ کچھ دیکھ لیا جو آج ہونا تھا مگر ہم ان دعاؤں میں شریک نہیں ، ہم کر "ماتمِ یک شہر آرزو" کرنے دو۔

"دینِ الٰہی" کی شریعت میں یہ تمام خرافات اس کو ہر دل عزیز اور مقبول بنانے میں معین ثابت

---

[1] منتخب التواریخ، جلد دوم، ص۔ ۳۹۱
[2] ایضاً، جلد دوم
[3] ایضاً، جلد دوم، ص۔ ۵۲۹

نہ ہوئیں۔ وہ دور اس 'روشن خیالی' اور اس 'رواداری' کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا چنانچہ اکبر کے چند درباریوں کے سوا عام لوگوں نے اس جدید مذہب کو قبول نہ کیا۔ ابو الفضل و فیضی اور شیخ مبارک ناگوری قبول کرنے میں پیش پیش تھے۔

اڈورڈ ذیز نے اس مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

اکبر نے لوگوں کو دینِ الٰہی میں شمولیت کی لالچ دی اور جبر یہ اس کی طرف مائل کرنا چاہا، اس پر یہ مذہب عوام میں مقبول نہ ہوسکا حتیٰ کہ اس کے محبوب درباریوں نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (ان محبوب درباریوں میں) اس کے متبنٰی کنور مان سنگھ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "مرید ہونے کا اگر یہ مطلب ہے کہ جانثاری کا ثبوت پیش کیا جائے تو میں تو پہلے ہی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر حاضر ہوا ہوں، اس کے بعد مزید ثبوت کی کیا حاجت ہے ؟ لیکن اگر مرید ہونے سے تبدیلیٔ مذہب مراد ہے تو میں تو ہندو ہی ہوں اگر آپ حکم دیں تو مسلمان تو ہوسکتا ہوں مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان دونوں مذاہب کے علاوہ بھی کوئی تیسرا مذہب ہے [1]

مغربی مؤرخین نے بھی یہی لکھا ہے کہ 'دینِ الٰہی' کو ایک مخصوص طبقہ کے علاوہ کسی نے قبول نہ کیا اور اس طرح یہ خود اپنی موت مر گیا۔ چنانچہ پیٹر ہارڈی نے لکھا ہے :۔

معدودے چند درباریوں نے 'دینِ الٰہی' کو قبول کیا [2]

اسی طرح آرنلڈ ٹوئنبی لکھتا ہے :۔

اکبر نے ایک نازک دل اور ایک متلوّن دماغ کو ملانے کی کوشش کی مگر اس کی یہ کوشش قطعاً بے نتیجہ رہی [3]

---

[1] S. Edwardes : *Mughal Rule in India*, London, 1930, p. 450.

[2] Peter Hardy : *Sources of India Tradition*, New York, 1959, p. 438

[3] آرنلڈ ٹوئنبی : اے اسٹڈی آف ہسٹری (خلاصہ جلد ہفتم از ڈی سی سومرویل مطبوعہ لندن ۱۹۵۷ء، ص ۔ ۲۵)

فرانسیسی مورخ ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا ہے :۔

اکبر خود ایک لامذہب شخص تھا اور ہندو مسلمان دونوں کو متعصب خیال کرکے ان دونوں مذہبوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا تھا، اس کی یہی تمنا تھی کہ ان دونوں کو ایک مذہب پر لے آئے لیکن اس ارادے میں وہ کامیاب نہ ہو سکا [1]

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دینِ الٰہی، بعض درباریوں اور چند حکام نے قبول کیا چنانچہ حاکم ٹھٹھ مرزا جانی بیگ کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے اس قسم کا حلف نامہ اکبر کو بھیجا تھا:۔

میں فلاں بن فلاں اپنے طوع و رغبت، شوقِ قلبی سے دینِ اسلام مجازی و تقلیدی جو میں نے اپنے باپ دادا کا دیکھا تھا اور ان سے سنا تھا، اس پر تبرا بھیجتا ہوں اور اکبر شاہی دینِ الٰہی کو اختیار کرتا ہوں [2]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دینِ الٰہی کی تاسیس کے بعد اکبر نے اس مضمون کا حلف نامہ حکام کے نام جاری کیا ہوگا۔ جن کو اللہ نے استقامت عطا فرمائی، غضب شاہی کی پروا کیے بغیر انہوں نے اس کو رد کر دیا اور جن کے ایمان متزلزل تھے اور جو اکبر کو رب الارباب سمجھتے تھے انہوں نے قبول کر لیا۔

اکبر کا پندار شاہی اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ آدابِ شاہی میں سجدۂ تعظیمی کو فرض . . .
. . . کر دیا گیا تھا اور اس کا نام "زمین بوس" رکھا تھا اور بقول ملا عبد القادر بدایونی اس بدعت کا ذمہ دار ایک صوفی شیخ تاج العارفین تھا جس نے اکبر کے لیے :۔

سجدہ تجویز کرکے اس کا نام "زمین بوس" رکھا اور آدابِ شاہی کو فرض عین کا درجہ دیا۔ اکبر کے چہرے کو "کعبۂ مرادات" اور "قبلۂ حاجات" کہا کرتے تھے اور بہت ہی ضعیف روایات اور ہندوستان کے بعض مشائخ کے مریدوں کے عمل کو بطور حجت پیش کرتے تھے [3]

---

[1] ڈاکٹر گستاؤلی بان: تمدنِ ہند، مطبوعہ آگرہ (ترجمہ سید علی بلگرامی) ص۔ ۱۶۰
[2] منشی ذکاء اللہ: اقبال نامہ اکبری، مطبوعہ دہلی ۱۸۹۷ء، ص۔ ۸۳۸
[3] منتخب التواریخ، جلد دوم، ص۔ ۲۵۹

اکبر کی موت :

انسان زعم خودی میں سب کچھ کر گزرتا ہے مگر وہ گھڑی ضرور آتی ہے جو آنی ہے کیونکہ ؎

موت کا ایک دن معین ہے

موت سے کس کو رستگاری ہے، یہ سب کی شکاری ہے، جب انسان شکار ہوتا ہے، آنکھیں کھل جاتی ہیں لیکن اب کھلنے سے کیا فائدہ کہ جو ہونا تھا سب کچھ ہو چکا ؎

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

۱۷ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ میں اکبر کا انتقال ہوا۔[۱] معاصر تاریخوں میں منتخب التواریخ ۱۰۰۴ھ تک کے حالات پر ختم ہو جاتی ہے اور آئین اکبری اور اکبر نامہ ۱۰۱۱ھ سے پہلے مرتب ہو چکی تھیں اس لیے کسی معاصر تاریخ سے اکبر کی موت کا حال معلوم نہیں ہوتا مگر یہ ملا صدر جہاں وہی تو ہیں جنہوں نے اکبر کے ایماء پر داڑھی صاف کرائی اور اس کے سامنے ساغر شراب چڑھائے، پہلے ان کی توبہ تو متحقق ہو پھر اکبر کی توبہ کی بات کی جائے [۲]

تزک جہانگیری کا جو ترجمہ میجر پرائس نے کیا تھا اس میں بھی لکھا ہے :-

"شہنشاہ نے سب سے بڑے مولوی کے ہاتھ پر توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر سچے مسلمانوں کی طرح اس دنیا سے رخصت ہوا،،

لیکن ۱۲۸۱ھ میں جو نسخہ سر سید احمد خاں نے طبع کرایا تھا اس میں اس واقعہ کا ذکر نہیں، ممکن ہے کہ میجر پرائس کا ماخذ پرتگیزی پادریوں کے سفرنامے ہوں۔ بہرحال یہ بیانات مشکوک نظر آتے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ ان بیانات کے مقابلے مختلف اور مستند بیانات موجود ہوں۔

---

[۱] اکبر ۵ رجب ۹۴۹ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو امرکوٹ ضلع تھر پارکر (مغربی پاکستان، سندھ) میں پیدا ہوا۔ ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو کلانور ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب۔ بھارت) میں رسم تخت نشینی ہوئی اور ۱۷ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ کو آگرے میں انتقال کیا۔ مسعود

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۵۲ھ) نے اکبر کے انتقال پر دربار اکبری کے اہم رکن شیخ فرید بخاری[۱] (۱۰۲۵ھ) کو ایک تعزیت نامہ لکھا تھا، اس کے مندرجات اکبر کے معتقدات کے لیے سند کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ شیخ ممدوح بڑے نرم طبیعت اور متحمل مزاج شخصیت کے حامل تھے اور ان کے متعلق مؤرخین میں اختلاف آراء نہیں پایا جاتا، اس لیے یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ انہوں نے جو کچھ لکھا طبیعت کی شدت یا تعصب و تنگ دلی کی بناء پر لکھا۔ شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ کے تعزیت نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لادینی کی حالت میں اکبر کی موت واقع ہوئی اور یہ کہ اس نے آخری ایام میں پیغمبری اور پھر خدائی کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ بہر کیف یہاں اس تعزیت نامے کے مختلف اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں جن سے حقائق کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

(ا) لیکن شراب نوشی کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا جو گھونٹ پیا جاتا ہے اور جو قطرہ حلق کے نیچے اترتا ہے اور حریص بنا دیتا ہے اور پیاس بڑھ جاتی ہے، مست کر کے بیخود و بے خبر کر دیتا ہے، اس وقت (مے خوار) کسی کی نصیحت نہیں سن سکتا اور اس کو انجام کی فکر نہیں رہتی، دنیا اور حکومت کا گھمنڈ اس کو اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ پیغمبری اور خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے، اس سے آگے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

(ب) فرعون نے اپنے چھوٹے سے ملک مصر پر اتنا غرور کیا کہ دعویٰ خدائی کر بیٹھا، دوسروں کے متعلق کیا کہا جائے؟ — وہ خدا سے بے خبر نہیں جانتا تھا کہ خدا تو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اس نے تو ایک مکھی اور مچھر تک اس دنیا میں پیدا نہیں کیا، تو پھر دعوئ خدائی کیسا؟

(ج) وہ تو دیوانہ بھی نہ تھا ورنہ یہ ساری بکواس اس کی دیوانگی پر محمول کی جاتی۔

(د) لیکن دنیا کی مستی و غرور اور سلطنت و حکومت کے گھمنڈ نے اس کو اس بکواس پر آمادہ

---

[۱] شیخ فرید بخاری الملقب بہ مرتضیٰ خاں دربار اکبری کے اہم رکن تھے، جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد منصب پنج ہزاری اور میر بخشی پر فائز ہوئے۔ اکبر اور جہانگیر ان کے مکان واقع سلیم گڑھ (دہلی) میں آیا کرتے تھے۔ مسعود

کیا ، بہت سے لوگوں کی سرشت میں غرور و حماقت اس طرح خمیر کر دی گئی ہے کہ ان کی عقل و تمیز سلب ہو گئی ہے اور باوجود دعویٰ عقل کے وہ دیوانوں جیسے کام اور دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں ، دیوانے تو نہیں ہیں لیکن دیوانوں جیسے ضرور ہیں ، ایک اٹھتا ہے اور دعویٰ پیغمبری کرتا ہے اور اس کو کچھ خبر نہیں کہ پیغمبری ہے کیا چیز ؟

لوگ اپنے مزاج اور نفس کی ایسی اندھیاری میں گر پڑے ہیں کہ نصیحت کی طرف بالکل کان نہیں لگاتے اور نیک کاموں کی طرف قدم نہیں بڑھاتے ، مرنے کے بعد اس کو پتہ چلے گا کہ حقیقت کیا ہے ؎

ترجمہ :۔ انتظار کر جب تک کہ زمانہ تیری عقدہ کشائی نہ کر دے اور جو کچھ تو نے کیا ہے اس کو مستقبل میں کھول کر نذر کر دے ۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " لوگ سوتے رہتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو ہشیار ہوتے ہیں " ؎

ترجمہ :۔ اس جہانِ اسباب میں جب تک مخلوق ہے ، خواب و غفلت ہی میں مبتلا ہیں ، اگر اب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے تو کہاں پناہ مل سکتی ہے [1]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے مندرجہ بالا تعزیت نامہ کے اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ بے دینی کی حالت میں اکبر کی موت واقع ہوئی ۔ اکبر کی بے دینی سے وہ خود پریشان و متوحش تھے

---

[1] شیخ عبد الحق : مجموعہ مکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل ، مطبوعہ دہلی ۔ ۱۳۲۲ھ ، ص ۔ ۱۴۳ ۔

مگر بے بس و مجبور تھے بلکہ ترکِ وطن کر کے چلے بھی گئے تھے، آج اس کی موت نے ان کے خوابیدہ یا پوشیدہ جذبات کو ابھارا اور جو کچھ دل میں تھا زبان پر آگیا۔ اگر اکبر کا خاتمہ بالخیر ہوتا تو تعزیت نامے میں غمگساری و غمخواری اور اظہار رنج و افسوس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا مگر یہاں یہی کچھ نہیں باقی سب کچھ ہے گویا یہ تعزیت نہیں بلکہ ایک سخت تنبیہ ہے۔

ہم نے چند مستند مآخذ سے استفادہ کر کے اکبر کے حالات و معتقدات اور گرد و پیش کا بہت ہی مجمل جائزہ لیا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت مجدد کی بسیط سوانح میں اس باب کو مفصل لکھا جائیگا، اگر قارئین کرام کو تفصیل کی ضرورت ہو تو مندرجہ ذیل مآخذ سے رجوع کریں۔

۱ ابن حسن : دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

۲ ابوالفضل : آئین اکبری، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء

۳ ابوالفضل : اکبرنامہ، مطبوعہ کلکتہ، ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء

۴ اخوند درویزہ : ارشاد الطالبین

۵ اخوند درویزہ : تذکرۃ الابرار والاشرار

۶ پانیکر، کے۔ ایم : اے سروے آف انڈیا، مطبوعہ بمبئی ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء

۷ عبدالقادر بدایونی ملا : منتخب التواریخ، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء

۸ عبیداللہ، خواجہ : مبلغ الرجال، مخطوطہ آزاد لائبریری، علی گڑھ نمبر ۱۹۱

۹ محسن فانی : دبستان مذاہب، مطبوعہ بمبئی ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء

۱۰ محمد اسلم : دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء

۱۱ محمد قاسم ہندو شاہ : تاریخ فرشتہ، مطبوعہ بمبئی ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۲ء

۱۲ میتوکی : فسانۂ سلطنت مغلیہ (ترجمہ اردو) مطبوعہ آگرہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء

۱۳ نظام الدین احمد : طبقات اکبر شاہی (تالیف ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء) مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء

عہد اکبری حضرت مجدد کی نظر میں:

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے عہد اکبری میں آنکھ کھولی اور جب اکبر کا انتقال ہوا تو آپ کی عمر شریف تقریباً ۴۳ سال تھی اس طرح آپ نے عہد اکبری کے نشیب و فراز بچشم خود ملاحظہ فرمائے چنانچہ مکتوبات شریف اور دیگر تصانیف میں کنایۃً اور صراحۃً اس عہد پر روشنی ڈالی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں شاہ و گدا، علماء و صوفیہ اور عوام کی اکثریت بگڑی ہوئی تھی اور زمانہ رہبرِ کامل کا متلاشی تھا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ دربار اکبری کے اہم رکن خان اعظم کے نام ایک مکتوب میں عہد اکبری میں اسلام کی زبوں حالی کا اس طرح نقشہ کھینچتے ہیں:۔

مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے "الاسلام بدا غریبا وسیعود کما بدأ، فطوبی للغرباء"۔۔۔۔ اسلام کی بے بسی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر لعن طعن کرتے اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہیں، کافرانہ احکام بے تحاشہ جاری کیے جارہے ہیں اور ان احکام بانٹنے والوں کی کوچہ و بازار میں خوب خوب تعریف کی جارہی ہے، مسلمانوں کو احکام اسلامیہ کے اجراء سے منع کردیا گیا ہے اور شریعت اسلام کی اشاعت کرنے والا مذموم و مطعون ہے ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ترجمہ:۔ پری نے تو اپنا چہرہ چھپا لیا ہے اور دیو ناز و نخرے پر تلا ہوا ہے۔ یہ کیا تماشہ ہے، عقل حیرت سے جلی جاتی ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ! کہا گیا ہے کہ شریعت زیر شمشیر ہے اور شریعت کی رونق و صفا علماء ہی کے دم سے ہے (یہاں تو) معاملہ برعکس ہوگیا ہے، حیف صد حیف! افسوس صد افسوس: آج تمہارے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں اور کمزور اور شکست خوردہ مقابلے

میں تمہارے سوا کسی کو مدِ مقابل اور حریف نہیں جانتے، حق تعالیٰ تمہارا حامی و مددگار ہو:

وادیم ترا ز گنج مقصود نشان
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی[1]

اسلام کی بے بسی اور بے چارگی کی اس سے زیادہ دردناک تصویر کشی اور کیا ہو گی! اکبر کا انتقال ہو جاتا ہے، جہانگیر تخت نشیں ہوتا ہے، لیکن حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، حضرت مجدد علیہ الرحمہ دربارِ جہانگیری کے ایک رکن لالہ بیگ کو ماضی کی تلخیوں سے آگاہ فرماتے ہیں اور مستقبل کے لیے ہشیار و خبردار فرماتے ہیں:۔

قریب قریب ایک قرن سے اسلام کی بے بسی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کافر بلادِ اسلامیہ میں کافرانہ احکام کے اجراء پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بوئے مسلمانی بھی نہ رہنے، ان لوگوں نے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا کہ اگر کوئی مسلمان شعائرِ اسلام کو بجا لاتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جاتا ہے ــــ ہندوستان میں ذبح بقر اسلام کے اعظم شعائر میں ہے (لیکن یہ تو دیکھو) کہ کافر شاید جزیہ دینے کے لیے تو راضی ہو جائیں گے مگر گائے ذبح کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ ہوں گے۔

اگر آغاز سلطنت میں اسلام نے رواج پالیا اور مسلمانوں کا وقار قائم ہو گیا تو فبہا ورنہ اگر اس میں توقف کیا گیا تو عیاذاً باللہ سبحانہٗ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائے گا، الغیاث الغیاث! ثم الغیاث الغیاث!

دیکھیں کون سعادت مند اس سعادت سے بہرہ مند ہوتا ہے اور کونسا شاہ باز اس دولت تک پہنچتا ہے؟[3]

---

[1] مجدد الف ثانی: مکتوبات شریف، دفتر اوّل، حصہ دوم مکتوب نمبر ۶۵
[2] عبدالرحیم خان خاناں کی اطلاع کے مطابق ایک سید زادہ شاعر کفری تخلص فرمایا کرتے تھے (مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۳) مسعود
[3] مکتوبات شریف، دفتر اوّل، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۸۱

ایک مکتوب میں کفار ہند کے تمرد و سرکشی کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں :۔

اسلام کمزور ہو گیا ہے ، کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو منہدم کر رہے ہیں اور ان کی جگہ منادر بنا رہے ہیں [1]

اور کفار ہند پر ملامت کیا کی جائے وہ تو پھر کافر ہیں ، ان سے یہ کیسے توقع رکھی جا سکتی ہے کہ اسلام کی ترقی و خوشحالی میں معین و مددگار رہوں گے لیکن رونا تو اُن نام نہاد اہل طریقت کا ہے جنھوں نے اسلام کے نام پر اسلام کو نقصان پہنچایا ۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ایک مکتوب میں دور اکبری کے ان صوفیہ کا اس طرح ذکر فرمایا ہے :۔

صوفیان خام اور ملحدان نا عاقبت اندیش اس کے در پے ہیں کہ حلقۂ شریعت سے اپنی گردن چھڑا لیں اور احکام شرعیہ کو صرف عوام کے لیے مخصوص کر دیں ، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خواص تو صرف معرفت کے مکلف ہیں اور بس ، جب معرفت حاصل ہو گئی تو پھر تکلیفات شرعیہ ساقط ہو گئیں [2]

نظریہ وحدۃ الوجود ایک عظیم حقیقت ہے اور اس سے کسی صوفی کو انکار نہیں مگر اس کی غلط تعبیر و تشریح نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ، حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے مکاتیب میں اس کا ذکر کیا ہے ، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

اور بعض لوگ تو توحید وجودی (کی غلط تاویل) سے الحاد و زندقہ میں مبتلا ہو گئے ہیں یہ لوگ ہر شے (خیر و شر) کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں بلکہ سب کو خدا سمجھتے ہیں [3]

دوسرے مکتوب میں ان نام نہاد وجودیین کے افکار و خیالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا خیال ہے کہ :۔

---

[1] مکتوبات شریف ، دفتر اول ، حصہ دوم ، مکتوب نمبر ۸۱

[2] محمد منظور نعمانی : تذکرہ مجدد الف ثانی ، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء ، ص ۔ ۰

[3] ایضاً ، ص ۔ ۱۱۱

جس طرح ہم وحدت سے کثرت میں آ گئے ہیں، اسی طرح پھر کثرت سے وحدت میں چلے جائیں گے اور یہ کثرت اس وحدت میں محو ہو جائے گی۔ ان گمراہوں میں سے ایک گروہ نے اس محویت کو قیامت کبری خیال کیا ہے (اسی لیے یہ لوگ) حشر و نشر حساب و صراط اور میزان سے منکر ہو گئے ضلوا فاضلوا [1]

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

بعض گمراہ خواہ مخواہ مسندِ شیخت پر بیٹھ گئے ہیں اور تناسخ و آواگون کا حکم دیتے ہیں ــــ اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے نماز کو دور ساز کار سمجھ کر اس کی بنیاد کو 'غیر' اور 'غیریت' پر محمول کیا ہے [2]

ایک مکتوب میں شیخ نظام تھانیسری کو تحریر فرماتے ہیں :۔

متعدد لوگوں سے سنا ہے کہ تمہارے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں [3]

عہد اکبری میں صوفیانِ خام کی غلط کاریاں اور غلط اندیشیاں حد سے گزر چکی تھیں۔ صاحب دبستان مذاہب، محسن فانی نے شرح و بسط کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ صوفیانِ خام کا وہ حال تھا اور عوام الناس کا یہ حال کہ :

دیوالی کے ایام میں مسلمان جاہل بالخصوص ان کی عورتیں کافروں کی رسمیں ادا کرتی ہیں۔ اور ان کی عید مناتی ہیں [4]

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

مسلمان جاہلوں میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ اگر بتوں اور دیوتاؤں سے استمداد کی جائے تو مختلف امراض اور عوارض ختم ہو سکتے ہیں [5]

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی، ص-۱۱۲

[2] ایضاً، ص-۱۱۲

[3] ایضاً، ص-۱۱۴

[4] ایضاً، ص-۱۲۰

[5] ایضاً، ص-۱۱۹

شعائر شرکیہ مسلمانوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ ان کے خلاف آواز اٹھانا آسان کام نہ تھا، اس نازک گھڑی کا حال حضرت مجدد کی زبانی سنیے :۔

ایک دنیا بدعت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام کر رہی ہے، کس کی مجال ہے کہ بدعات کو ختم کرنے کے لیے دم مارے اور احیائے سنت کے لیے لب کھولے؟ اس زمانے کے اکثر علماء نے بدعات کو رواج دیا ہے اور سنت کو مٹایا ہے [1]

مگر احیائے سنت اور رد بدعات کی یہ سعادت حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے حصے میں آئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد (۱۳۷۸ھ) نے بڑے مؤثر انداز میں ان حالات کا تجزیہ کیا ہے اور حضرت مجدد کے عظمت کردار کو اجاگر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔

ملک کا ملک شریعت و علوم شریعت سے بیگانۂ محض اور اصل حقیقت یک قلم معدوم، صرف خانقاہوں اور سجادہ نشینوں کے سلسلوں کے جال میں پوری اقلیم جکڑ بند تھی، دوسری طرف عہد اکبری کی بدعات، تخت و تاج حکومت کے زور سے ہر طرف پھیل چکی تھیں اور علمائے سوء اور مشائخ دنیا پرست، خود ان کے احداث و اشاعت کے نقیب تھے، کون تھا کہ اس وقت امن و عافیت کے مدرسوں، سلطانی فرمانرواؤں کی خانقاہوں سے نکلتا اور دعوت و اصلاح کی امتحان گاہوں میں قدم رکھتا اور پھر نصرت الٰہی کے لشکروں اور نفوذ باطنی کے سامانوں سے ایسا مسلح ہوتا کہ نہ شہنشاہ ہند کا تاج و تخت اس کی راہ روک سکتا اور نہ وقت کی حکمرانی و فرمانروائی اس کے سلطان حق و سطوت الٰہی پر غالب آسکتی، خود حضرت موصوف ایک مکتوب میں اپنے فرزند کو لکھتے ہیں :۔

"اے فرزند! ایں وقت آں ست کہ در امم سابقہ دریں طور وقتے کہ پُر از ظلمت است پیغمبر اولوالعزم مبعوث می گشت و بنائے شریعت جدیدہ می کرد، و ایں امت کہ

---

[1] تذکرہ مجدد الف ثانی، ص - ۱۲۷

خیر الامم است و پیغمبر ایشاں ختم الرسل، علماء را مرتبہ انبیاء دادہ اند و از وجود علماء
بہ وجود انبیاء کفایت فرمودہ اند ـــــ دریں وقت عالمے، عارفے تام المعرفت
ازیں امت درکار است کہ قائم مقام انبیاء اولو العزم باشد ؎

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

کچھ شک نہیں کہ توفیق الٰہی نے حضرت ممدوح کے وجود گرامی ہی کے لیے یہ مرتبہ خاص کر دیا تھا، انبیاء اولو العزم کی نیابت و قائم مقامی یعنی مقام عزیمت و دعوت کا خلعت صرف انہی کے جسم پر چست آیا [1]

مختص الملک الرافة والعدل والجود
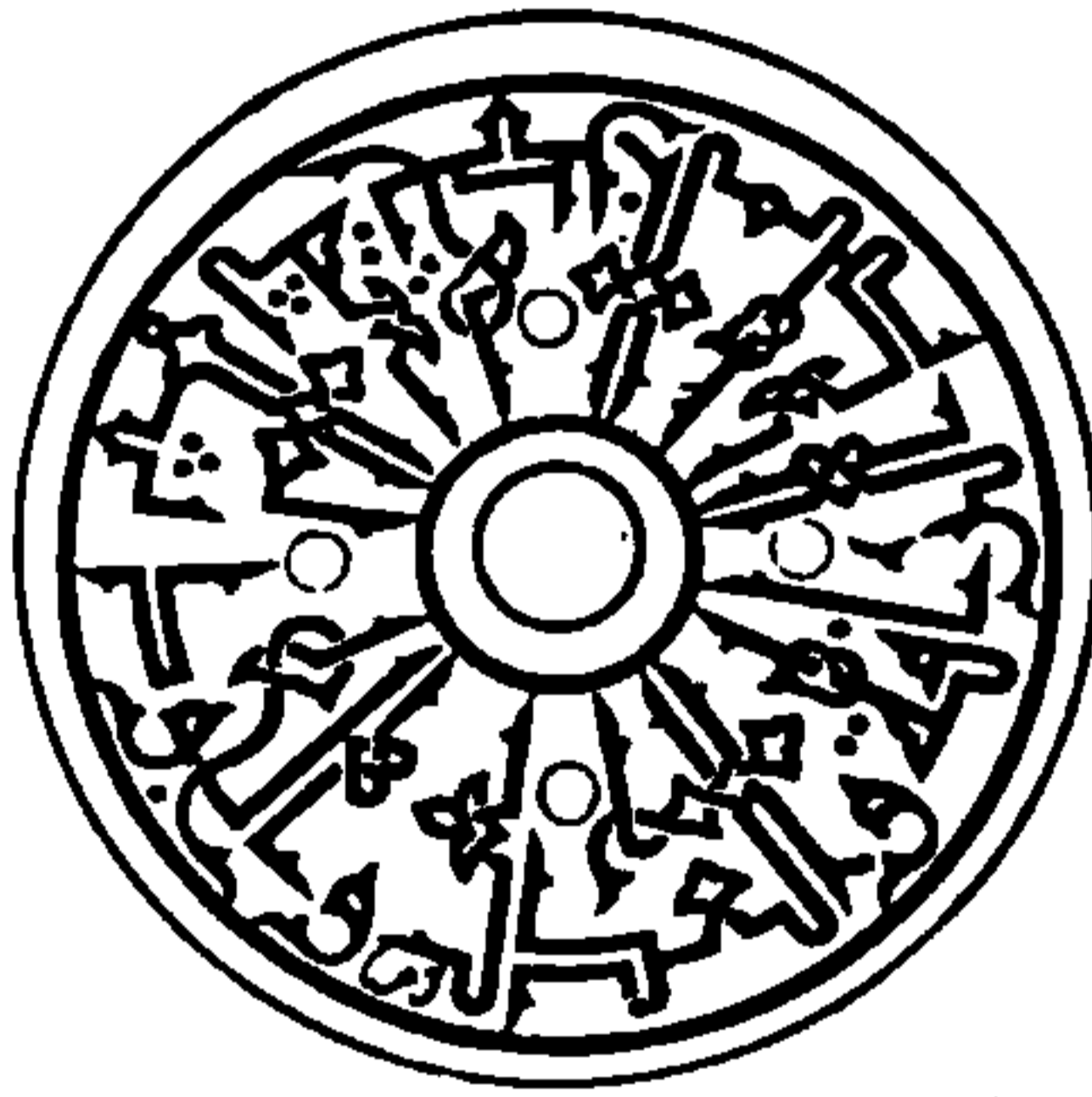
[1] ابو الکلام آزاد: تذکرہ، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۲۵۶ و ۲۵۷

تبلیغ و اصلاح

- احیاءِ شریعت
- شریعت و طریقت
- وَحدۃُ الوُجود و وَحدۃُ الشُہُود

وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها ان الله لغفور رحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے تبلیغ و اصلاح کا کام یوں تو قیام آگرہ کے زمانے (۹۹۵ھ) سے ہی شروع کر دیا تھا لیکن ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ (۱۰۱۲ھ) سے بیعت کے بعد باقاعدہ کام شروع کیا۔ عہد اکبری کے آخری سالوں میں (۱۰۰۸ھ تا ۱۰۱۴ھ) لاہور اور سرہند شریف میں رہ کر خاموشی اور دور اندیشی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہے۔ اس وقت برملا کوشش کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، اکبر کی جابرانہ اور قاہرانہ حکومت نے اچھے اچھوں کے چھکے چھڑا دیے تھے، خاموشی سے کام کرنا بھی خطرے سے خالی نہ تھا لیکن حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے یہ خطرہ مول لے کر اپنی کوششیں جاری رکھیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو پیش نظر رکھا اور جب دور جہانگیری شروع ہوا تو مدنی زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے برملا کوشش کا آغاز فرمایا۔

حضرت مجدد کے شیخ طریقت حضرت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ سے بہت سے اعیان مملکت متاثر تھے، حضرت خواجہ کی نسبت سے یہ حضرات حضرت مجدد سے بھی متعارف ہو گئے تھے پھر حضرت مجدد کے ذاتی عظیم الشان کردار نے بہتوں کو اس طرف متوجہ کر دیا، عوام الناس پہلے ہی متاثر تھے گو بعض حلقوں کی طرف سے مخالفت کی گئی جس کی تفصیلات آئندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی مگر ان مخالفتوں کے باوجود حضرت مجدد کی اصلاحی تحریک برابر آگے بڑھتی رہی۔

حضرت مجدد نے تبلیغ و اصلاح کے لیے مختلف ذرائع استعمال کیے۔ آپ نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے اپنے مریدوں کے ذریعہ، خلفاء کے ذریعہ اور مکتوبات کے ذریعہ اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ ذہنی یک جہتی سے بھی انقلاب آتے ہیں لیکن پائیدار اور جاندار انقلاب قلبی یک جہتی سے آتا ہے، دراصل سلسلۂ بیعت، اصلاح قلب اور قلبی یک جہتی پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ حضرت مجدد نے نعرہ بازی یا تقریروں کے سہارے انقلاب برپا نہیں کیا بلکہ ٹھوس اور فکری و عملی اقدامات فرمائے۔

حضرت مجدد نے عہد اکبری میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا جائزہ لیا اور ان کے اسباب و علل دریافت کیے اور پھر ان کے تدارک کی پوری پوری کوشش کی۔ ان خرابیوں کے یہ تین اسباب نمایاں نظر آتے ہیں

(۱) پہلا سبب عوام وخواص کا اتباعِ شریعت سے فرار تھا جس نے اغیار کے افکار وخیالات کے لیے راہ ہموار کر دی تھی اور مسلمانوں میں وہ تیزی سے پھیل رہے تھے، بلکہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کے رگ وپے میں رچ بس گئے تھے، اس کے اثرات اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

(۲) دوسرا سبب یہ تھا کہ بعض نام نہاد اور غلط کار صوفیہ نے شریعت کو طریقت سے علیحدہ سمجھا۔ ان کا کہنا تھا کہ شریعت کی پابندی منزلِ طریقت کے حصول تک ضروری ہے، جب یہ حاصل ہو گئی تو پھر شریعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر خواص اس سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں، صرف عوام ہی اس کے مکلف ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا سبب جس نے صوفیہ اور ان کے زیرِ اثر عوام وخواص کو بے راہ کیا وحدۃ الوجود کا بہت ہی نازک اور لطیف نظریہ تھا۔ اس کی حقانیت سے کسی صوفی کو انکار نہیں لیکن اس کی غلط تعبیر وتشریح نے ایک قیامت برپا کر دی۔ اس نظریے کی سیدھی سادی تشریح یوں کی گئی کہ کائنات میں خدا کے علاوہ کوئی وجود نہیں، خواہ ممکن الوجود مخلوق ہی کیوں نہ ہو۔ اس تشریح سے ایک الجھن پیدا ہو گئی کہ جب سب وہی وہ ہے تو پھر ہم کیا؟ عبادت کس کی؟ عذاب کیسا؟ ثواب کیسا؟ دوزخ کیسی؟ جنت کیسی؟ حساب وکتاب کیسا؟ حشر ونشر کیسا؟ کیا یہ سب وہم وخیال نہیں؟

ان سوالات نے شریعتِ اسلامیہ کی بنیادوں کو خود مسلمانوں کے ہاتھوں منہدم کر دیا، اور طبقۂ صوفیہ میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو نہ نماز کے قائل تھے، نہ دوزخ وجنت اور حشر ونشر کے۔ ان افکار وخیالات نے دورِ اکبری کے بگاڑ میں مؤثر کردار ادا کیا۔ حضرت مجددؒ کے مکتوبات کے مطالعے سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں۔

اب ہم حضرت مجددؒ کے اصلاحی کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں اور یہ دکھاتے ہیں کہ آپ نے کس طرح اپنے عہد میں فکری اور عملی انقلاب پیدا کر کے ملتِ اسلامیہ کی ڈوبتی کشتی کو پار لگایا۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

احیائے شریعت :

شریعت سے گریز و فرار اور مشرکین ہند کے زیر اثر مسلمانانِ ہند میں بہت سی مشرکانہ اور شرمناک رسوم و بدعات رائج ہو گئی تھیں جن کا ذکر —— حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلیفہ شیخ آدم بنوری علیہ الرحمہ (م ۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء) نے اپنی تصنیف خلاصۃ المعارف فی اسرار العقائد (تالیف ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۶ء) میں کیا ہے۔ یہاں چند بدعات کا ذکر کیا جاتا ہے :۔

۱۔ دیوالی کے دنوں میں مسلمان و بالخصوص مسلمان عورتیں کفار و مشرکین ہند کی رسموں کو بجا لاتے ہیں اور اس دن عید مناتے ہیں، برتنوں کے تحفے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھر بھیجتے ہیں اور اپنے برتنوں پر ہندوؤں کی تقلید میں رنگ پھیرتے ہیں۔

۲۔ جانوروں کو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کے مزارات پر جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں۔

۳۔ بعض پیروں اور بیبیوں کے لیے روزے رکھے جاتے ہیں، اکثر نام تو خود گھڑ لیے جاتے ہیں اور ان کے نام کے روزے رکھے جاتے ہیں اور ان روزوں کو حاجت روائی کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔

۴۔ دلہن، دولہا کے گرد سات مرتبہ چکر لگاتا ہے۔

۵۔ دولہا، عورتوں کی طرح چاندی کا طوق پہنتا ہے [۱]

یہ اور اس کے علاوہ بیسیوں رسوم و بدعات عوام میں رائج تھیں جو ناگفتنی ہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ بدعات سے سخت متنفر تھے۔ فقہا نے بدعات کی تقسیم کی ہے اور تمام بدعات کو 'حسنہ' اور 'سیئہ' میں تقسیم کیا ہے لیکن حضرت مجدد مقام فقاہت سے نہیں بلکہ مقامِ ولایت سے اس تقسیم کی نفی فرماتے ہیں۔ وہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی محبت میں اس حد تک فنا ہو چکے تھے کہ جس قول و

---

[۱] شیخ آدم بنوری : خلاصۃ المعارف فی اسرار العقائد، مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، لندن، مؤلفہ ۱۰۳۵ھ، ورق ۳۱، ۲۲ اور ۳۶

نعل وآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہ ہوتی، اس میں کوئی حسن وجمال نظر نہ آتا۔ عشق ومحبت میں نسبت ورابطے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل دل سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت مجدد، خواجہ عبدالرحمٰن کابلی کے نام ایک مکتوب میں بدعات کے بارے میں اظہار خیال فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ فقیر حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے ظاہر وباطن طریقے پر نہایت تضرع وزاری، التجا وافتقار اور ذل وانکساری کے ساتھ دعا کرتا ہے کہ دین میں جو نئی نئی باتیں نکل آئی ہیں، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین علیہم السلام کے عہد مبارک میں نہ تھیں، خدا مجھ کو اس عمل محدث میں گرفتار نہ کرے، اگرچہ وہ صبح کے اجالے کی طرح ہی کیوں نہ چمک رہا ہو۔ اور اس بدعت کا شیدا بھی نہ کرے (بحرمت سید المختار وآلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰت والسلام)

کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے، حسنہ اور سیئہ۔

حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین (علیہ وعلیہم الصلوت اتمہا ومن التحیات اکملہا) کے زمانۂ مبارک کے بعد ایجاد ہوا ہو اور رفع سنت بھی نہ کرتا ہو۔

سیئہ وہ عمل ہے جو دافع سنت بھی ہو۔

اس فقیر کو ان دونوں قسم کی بدعتوں میں سے کسی میں بھی حسن ونورانیت نظر نہیں آتی اور سوائے ظلمت وکدورت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ بالفرض آج کچھ لوگ عمل مبتدع میں ضعف بصارت کی وجہ سے خوبی ونضارت پاتے ہیں تو جب وہ صحیح النظر ہوں گے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خسارت وندامت کے اس کا کوئی نتیجہ نہیں ؎

بہ وقت صبح شود، ہمچو روز معلومت
کہ باکہ در باختہ عشق، درشب دیجور[1]

---

[1] مجدد الف ثانی: مکتوب شریف، جلد اول، حصہ سوم، مکتوب نمبر ۱۸۶

اس میں شک نہیں کہ بدعات حسنہ کی پیروی میں جب شغف بڑھ جاتا ہے۔ تو بعض غیر محتاط طبیعتیں فرائض وواجبات اور سنن سے غفلت برتنے لگتی ہیں اور ان بدعات کے سامنے یہ ہیچ نظر آنے لگتے ہیں، گو یہ بدعات حسنہ فقہی اعتبار سے فی نفسہ مباح و مستحب ہوں لیکن غفلت شعاری کا جب یہ عالم ہو تو پھر ان کے استحباب و اباحت میں کلام کیا جا سکتا ہے۔ غالباً اسی بے اعتدالی اور غفلت شعاری کے خطرے کے پیش نظر حضرت مجدد نے ضروری سمجھا کہ ہر حال میں متابعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام رکھا جائے اور کسی وقت بھی غفلت نہ برتی جائے کیوں کہ یہ غفلت ملی اور مذہبی حیثیت سے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

حضرت مجدد نے اپنے بے شمار مکتوبات میں ظاہر شریعت اور باطن شریعت کی پیروی پر بڑا زور دیا ہے اور شریعت کی پیروی ہی کو تمام بدعات کا علاج اور انسانی سعادت کی معراج بتایا ہے، احیاء شریعت کے سلسلے میں حضرت مجدد نے جو اہم کارنامہ انجام دیا ہے اس کو مغربی فضلاء نے بھی سراہا ہے۔ چنانچہ پروفیسر ایس۔ ایچ۔ اے۔ آر گب لکھتا ہے:۔

> سترھویں اور اٹھارویں صدی میں چند ممتاز فضلاء نے یکے بعد دیگرے شریعت اسلامیہ کے قیام کی سعی کی۔ انہوں نے ظاہر شریعت ہی پر نہیں بلکہ باطن شریعت پر خاص زور دیا اور مذہب کی نفسیاتی اور اخلاقی خوبیوں کو اجاگر کیا، لیکن اس تحریک پر پوری توجہ نہیں دی گئی۔ اس تحریک کی ممتاز شخصیتیں یہ ہیں۔
>
> ملک شام کے عبد الغنی نابلسی (۱۶۴۱ء تا ۱۷۳۱ء)، ہندوستان کے احمد سرہندی (۱۵۶۳ تا ۱۶۲۴) اور شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۲ تا ۱۷۶۲ء) [1]

پروفیسر گب نے احیائے شریعت کے سلسلے میں جس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے اس کو حضرت مجدد نے سید محمد شاہ کے نام ایک مکتوب میں اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

> آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت دینی اور دنیوی سعادت کا سرمایہ ہے۔ اس کے مختلف درجات اور مراتب ہیں ـــــ متابعت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اقوال و اعمال

---

[1] H A.R. Gibb : *Mohammedunism*. London, 1955, p 125.

کی پیروی کی جائے جن کا تعلق باطن سے ہے اور جس سے تہذیب اخلاق کی آراستگی اور صفات ذمیمہ اور باطنی امراض کا ازالہ مقصود ہو، یہ درجہ ارباب سلوک کے لیے مخصوص ہے[1]

حضرت مجدد نے اپنے مریدین و معتقدین منتسبین و متوسلین اور ارکان مملکت کے نام بے شمار خطوط لکھے ہیں[2] جن میں اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی ترغیب و تاکید فرمائی ہے، یہاں ہم جلد اول

---

[1] مجدد الف ثانی، مکتوبات شریف جلد سوم، مکتوب نمبر ۵۰

[2] مکتوبات امام ربانی، جلد اول ہی میں مندرجہ ذیل اعیان مملکت کے نام خطوط ملتے ہیں:۔

۱ بنام شیخ فرید بخاری ـــــ، مکتوب نمبر ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۶۳، ۶۴، ۱۰۲، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۹۳، ۲۱۳، ۲۲۳ اور ۲۶۹

۲ بنام خانِ اعظم ـــــ، مکتوب نمبر ۶۵ اور ۶۶

۳ بنام جباری خاں ـــــ، مکتوب نمبر ۷۷، ۷۸، اور ۷۹

۴ بنام خانِ خاناں ـــــ، مکتوب نمبر ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۱۹۱، ۱۹۸، ۲۱۴، ۲۳۲ اور ۲۶۸

۵ بنام مرزا داراب ـــــ مکتوب نمبر ۱۷۱ اور ۲۱۵

۶ بنام مرزا قلیچ خان ـــــ، مکتوب نمبر ۷۳، ۷۶، اور ۱۴۱

۷ بنام حکیم فتح اللہ ـــــ، مکتوب نمبر ۸۰ اور ۸۵

۸ بنام لال بیگ ـــــ، مکتوب نمبر ۸۱

۹ بنام صدر جہاں ـــــ، مکتوب نمبر ۱۹۴ اور ۱۹۵

۱۰ بنام خان جہاں ـــــ، مکتوب نمبر ۷۲

۱۱ بنام سکندر خاں لودھی ـــــ، مکتوب نمبر ۸۲ اور ۹۳

(بقیہ بر صفحہ ۱۲۹)

سے چند خطوط پیش کریں گے جو اعیانِ سلطنت کے نام تحریر فرمائے ہیں۔ حاکموں کی بے راہ روی اور بے اعتدالی محکوموں پر اثر انداز ہوتی ہے، اگر حاکم ٹھیک ہو جائیں تو معاشرے کی بڑی حد تک اصلاح ہو جاتی ہے کیونکہ عوام کے لیے وہ ایک نمونۂ تقلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت مجددؒ نے اصلاحِ معاشرے کے اس پہلو کے پیشِ نظر اعیانِ مملکت کو خطاب فرمایا اور اس میں شک نہیں کہ آپ کی یہ کوشش بار آور ثابت ہوئیں۔

اب ہم مکتوبات شریف کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

دربارِ اکبری اور دربارِ جہانگیری کے ایک اہم رکن شیخ فرید بخاری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> کل قیامت کے دن شریعت کے متعلق پوچھا جائے گا، تصوف کی پرسش نہ ہو گی، دخولِ جنت اور تقربِ محبوب، اتباعِ شریعت سے وابستہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو کائنات میں سب سے افضل ہیں، انہوں نے شریعت ہی کی طرف دعوت دی ہے اور نجاتِ اخروی کا مدار بھی اسی پر ہے۔ ان اکابر کی بعثت سے مقصود تبلیغِ شریعت ہے۔ پس سب سے بڑھ کر نیکی یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں کوشش کی جائے اور احکامِ شرعیہ کے کسی حکم کو بھی زندہ کیا جائے، خصوصاً ایک ایسے دور میں جب کہ شعائرِ اسلام منہدم ہو گئے [۱]

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۲۸)

۱۲ بنام بہادر خان ـــــــ مکتوب نمبر ۸۲

۱۳ بنام خضر خان ـــــــ مکتوب نمبر ۹۴ اور ۱۳۰

نوٹ:۔ شیخ فرید بھکری کی تالیف ذخیرۃ الخوانین (تالیف ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء) میں ان میں سے بعض کے حالات ملتے ہیں۔ مسعود

(حاشیہ صفحہ ۱۲۹)

[۱] مجدد الف ثانی، مکتوبات شریف، جلد اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۴۸

دربار جہانگیری کے اہم رکن خواجہ جہاں کے نام عربی میں ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ سب کچھ، بلکہ روح، ستر، خفی، اخفی ۔ جتنے بھی کمالات ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے وابستہ ہیں۔ آپ پر لازم ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء وراشدین اور تابعین کرام کی متابعت کریں۔ یہ لوگ ہدایت کے خورشید ہیں پس جو شخص بھی ان کی متابعت سے مشرف ہوا اس نے بڑی کامیابی حاصل کی اور ان کی مخالفت پر آمادہ ہوا تو وہ بڑی ہی گمراہی میں گر پڑا [1]

ایک اور رکن سلطنت بہادر خاں کے نام تحریر فرماتے ہیں:۔

ظاہر کو شریعت غرا کے ظاہر سے آراستہ کرنا اور باطن کو ہمیشہ حق جل وعلا سے وابستہ رکھنا بڑا ہی اونچا کام ہے۔ دیکھیں کس خوش قسمت کو ان دو عظیم نعمتوں سے مشرف کیا جاتا ہے۔ آج ان دونوں نسبتوں کا یکجا ہو جانے بلکہ صرف ظاہر شریعت ہی پر مستقیم رہنا بہت ہی نادر الوجود ہے ـــ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے کمال کرم سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری اور باطنی متابعت پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے [2]

شیخ فرید بخاری کے نام ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت کا عین قرار دیا ہے۔ پس خدائے عزوجل کی ایسی اطاعت جو بغیر رسول کی اطاعت کے وسیلے سے کی جا رہی ہو، اس کی اطاعت نہیں ہے، اس پر زور دینے کے لیے کلمۂ قد لایا گیا تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان فرق وجدائی پیدا نہ کر سکے اور ایک کو دوسرے پر فوقیت نہ دے ـ دوسری جگہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان لوگوں

---

[1] مکتوبات شریف، جلد اول، حصہ اول، مکتوب نمبر ۲۵

[2] مکتوبات شریف، جلد اول حصہ دوم، مکتوب نمبر ۸۳

کا ذکر فرماتے ہیں جنہوں نے ان دو اطاعتوں میں فرق کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔

یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویرون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولئک ھم الکافرون حقا ۵ ؎۵۱

دربار جہاں گیری کے ایک اور اہم رکن عبدالرحیم خان خاناں کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

سعادت ابدی اور نجات سرمدی متابعت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ وابستہ ہے بالفرض اگر ہزار سال عبادت کی جائے اور سخت سے سخت ریاضتیں اور مشکل سے مشکل مجاہدات کیے جائیں مگر ان حضرات کے نور متابعت سے سینے منور نہ ہوں تو ان تمام ریاضات اور مجاہدات کو ایک جو کے بدلے نہ خریدا جائے گا لیکن اگر دوپہر کا سونا (قیلولہ) جو سراسر غفلت و تعطیل ہے ان حضرات کی متابعت میں ہے تو یہ ان ریاضات و مجاہدات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہو گا ؎۵۲

دنیا سے جتنی محبت بڑھے گی، شریعت کی محبت کم ہوتی جائے گی کیوں کہ شریعت اس دنیوی محبت کی محاسب ہے۔ حضرت مجدد نے امراء سلطنت کے دلوں سے بڑی حکمت و دانائی کے ساتھ دنیا کی محبت نکالی اور شریعت کی محبت قائم کی۔ اس سلسلے میں حضرت مجددؒ نے جو مکاتیب تحریر فرمائے قابلِ مطالعہ ہیں۔

شیخ فرید بخاری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ۔

جس طرح کفر اسلام کی ضد ہے، اسی طرح آخرت بھی دنیا کی ضد ہے، دنیا اور آخرت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ ترک دنیا دو قسم کی ہے، ایک تو یہ کہ سوائے ضرورت کے مباحات دنیوی بھی ترک کر دی جائیں، یہ اعلیٰ قسم کا ترک دنیا ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کے محرمات اور مشتبہات سے بچا جائے اور مباحات سے استفادہ حاصل کی جائے

؎۵۱ مکتوبات شریف، جلد اول، حصہ سوم، مکتوب نمبر ۱۶۲

؎۵۲ ایضاً، مکتوب نمبر ۱۹

یہ قسم بھی خصوصًا اس دور میں نادر الوجود ہے ؎

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود
ورنہ بس عالی ست پیشِ خاک تود

پس سونے، چاندی، ریشمی کپڑے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں جن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے ان سے بچتے رہیں۔ سونے چاندی کے ظروف کو اگر سجانے کے لیے استعمال کیا جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے لیکن ان کا استعمال حرام ہے مثلاً ان میں پانی پینا، کھانا کھانا، عطریات ڈالنا، سرمہ دانی بنانا وغیرہ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے امور مباح کے دائرے کو بڑا وسیع کر دیا ہے اور ان کے تنعمات و تمتعات سے جو لذت اور عیش حاصل ہوتا ہے وہ امور محرمہ سے کہیں زیادہ ہے، مباحات میں خدا کی رضا و خوشنودی ہے اور محرمات میں ناراضگی اور خفگی [1]

اسی طرح عبدالرحیم خان خاناں (م ۱۰۳۶ھ) کے نام ایک مکتوب میں بڑے حکیمانہ انداز سے امور محرمہ سے نفرت اور امور مباحہ کی ترغیب دلائی ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ماکولات، مشروبات اور ملبوسات میں بہت سی چیزیں حلال کر دی ہیں اور صرف تھوڑی سی چیزوں کو حرام کیا ہے اور وہ بھی بندوں کے فائدے ہی کے لیے۔ ایک پُرضرر، بدمزہ شراب کو حرام کیا ہے لیکن کتنے ہی خوش ذائقہ اور نفع بخش مشروبات کو اس کے بدلے حلال کر دیا ہے: عرق قرنفل اور عرق دارچینی خوشبو اور ذائقے کے ساتھ جتنے منافع اور فوائد رکھتا ہے وہ کیا بیان کیے جائیں۔ ایک کڑوی، بدمزہ، تند خو، بدخو، ہوش ربا اور پُرخطر چیز کو اس خوشبو دار اور خوش ذائقہ عرق کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟

شتان بینهما مع ذالك

حل و حرمت کی وجہ سے جو فرق کیا جائے، اس کی اور بات ہے اور اللہ کی خوشنودی کی وجہ سے جو تمیز کی جائے اس کی بات ہی کچھ اور ہے ـــــ بعض ریشمی کپڑوں کو حرام

---

[1] مکتوبات شریف، جلد اوّل، حصہ سوم، مکتوب نمبر ۱۶۳

کیا ہے تو کیا مبالغہ ہے؟ کیوں کہ اس کے بدلے تو کتنے قسم قسم کے مزین و مزین کپڑے اور لباس حلال کر دیے ہیں[1]

شریعت و طریقت :

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا دوسرا اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے شریعت اور طریقت کے رشتے کو مستحکم کیا۔ یہ رشتہ ٹوٹ رہا تھا بلکہ بعض صوفیائے خام نے توڑ دیا تھا۔ حضرت مجدد نے ان صوفیائے خام کے خیالِ خام کا طلسم توڑا اور بڑی شدت کے ساتھ اس خیال کی مزاحمت فرمائی کہ شریعت کے مکلف صرف عوام ہیں، خواص تکلیفاتِ شرعیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ آپ نے اپنے متعدد خطوط اور تصانیف میں اس نظریے کی پُرزور مخالفت فرمائی اور اس طرح اپنے عہد کے ایک بڑے فتنے کی سرکوبی فرمائی۔

سید احمد قادری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

شریعت و طریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، حقیقت میں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں، ان میں صرف اجمال و تفصیل، استدلال و کشف، غیبت و شہادت اور تعمل و عدم تعمل کا فرق ہے۔ وہ احکام و علوم جو شریعت غرا کی روشنی میں ظاہر اور معلوم ہو گئے ہیں، حقیقت حق الیقین کے تحقق کے بعد، یہی احکام و علوم بعینہا مفصل طور پر منکشف ہوتے ہیں، غیبت سے شہادت میں آتے ہیں، مشقتِ کسب اور فریب عمل درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور حقیقت حق الیقین تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ علوم و معارف شرعیہ سے، اس مقام کے علوم و معارف مطابقت رکھتے ہوں، اگر ان دونوں میں بال برابر بھی فرق ہے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ حقیقت الحقائق تک ابھی رسائی نہیں ہوئی، اس کے برخلاف مشائخ طریقت میں سے جس کسی سے بھی کوئی علم و عمل مخالف شریعت ظہور پذیر ہوا ہے وہ حالت سکر پر مبنی ہے اور سکر صرف اثنائے راہ میں ہوتا ہے، منتہیان نہایت النہایۃ کو تو صحو ہی صحو ہے[2]

---

[1] مکتوبات شریف جلد اوّل، حصہ سوم، مکتوب نمبر ۱۹۱

[2] ایضاً مکتوب نمبر ۸۴

ایک دوسرے مکتوب میں ملا حاجی احمد لاہوری کو تحریر فرماتے ہیں :۔

پس شریعت تمام دینی اور دنیوی سعادت کی متکفل ہوئی اور کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی جس کی ضرورت شریعت کے مقابلے میں پڑے۔ جزو ثالث یعنی اخلاص کی تکمیل کے لیے طریقت و حقیقت ہے جن سے متصوفہ ممتاز ہوئے ہیں اور جو شریعت کی خادم ہے۔ پس ان دونوں کے حاصل کرنے کا مقصد تکمیل شریعت کے۔۔۔ ہے چیزے نیست۔

ایک مکتوب میں شیخ محمد یوسف کو اس طرح تلقین فرماتے ہیں :۔

اس طرح سے زندگی گزاریں کہ اس وراثت کے حق دار ہو جائیں، اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت سے اور باطن کو باطن شریعت سے جو حقیقت سے عبارت ہے آراستہ و پیراستہ کریں کیوں کہ حقیقت، طریقت، حقیقت شریعت سے عبارت ہے، اور راہِ شریعت پر چلنا ہی حقیقت ہے، نہ یہ کہ شریعت دوسری چیز ہے اور طریقت و حقیقت دوسری چیزیں، یہ الحاد و زندقہ ہے [2]

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

شریعت کے تین حصے ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں چیزیں متحقق نہیں ہو جاتیں، شریعت متحقق نہیں ہو سکتی اور جب شریعت متحقق ہو گئی تو پھر حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی جو تمام دینی اور دنیوی سعادت سے بڑھ چڑھ کر ہے و رضوان من اللہ اکبر [3]

---

[1] مکتوبات شریعت، جلد اول، مکتوب نمبر ۳۶، حصہ اول۔
[2] ایضاً، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۵
[3] مکتوبات شریعت، جلد سوم

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود :

اس جلوہ گاہ حسن میں چھایا ہے ہر طرف
ایسا حجاب، چشم تماشا کہیں جسے

اسلامی تصوف میں نظریہ وحدۃ الوجود اور نظریہ وحدۃ الشہود اساسی حیثیت رکھتے ہیں، ان دونوں نظریات میں تضاد نہیں بلکہ نظریۂ وحدۃ الشہود، نظریۂ وحدۃ الوجود کا تتمہ ہے، جو منزل وجود سے نہیں گزرا وہ منزل شہود تک نہیں پہنچ سکتا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ منزل وجود سے گزر کر منزل شہود پر پہنچے اور پھر اپنے روحانی تجربات و مشاہدات کو برملا بیان فرمایا۔

نظریہ وحدۃ الشہود کا بانی حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو تصور کیا جاتا ہے لیکن آپ سے بہت پہلے حضرت شیخ علاؤ الدولہ سمنانی علیہ الرحمہ[1] (م ۷۳۶ھ) کے ہاں بھی وجود و شہود کی بحث ملتی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ حضرت مجدد نے اس تصور کو باضابطگی اور باقاعدگی کے ساتھ پیش فرمایا جس سے اس نے ایک نظریہ کی صورت اختیار کر لی۔

نظریہ وحدۃ الشہود کی بنیاد دانش برہانی پر نہیں بلکہ دانش نورانی پر ہے لیکن یہ اتنا معقول ہے کہ اس کو دانش برہانی سے بھی سمجھا جا سکتا ہے، غالباً اس نظریہ کی مقبولیت کا راز اسی میں مضمر ہے۔ چنانچہ پیٹر ہارڈی نے اس طرف اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے :۔

> شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انہوں نے ہندی اسلام کو متصوفانہ انتہا پسندی سے خود تصوف کے ذریعہ نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریہ کی انہوں نے تائید کی اس کے مطلب و مفہوم اور قدر و قیمت کا ان کو ذاتی طور پر عمیق

---

[1] ابو المکارم احمد بن محمد رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی ۶۵۹ھ میں پیدا ہوئے، ۶۸۶ھ میں شیخ نور الدین عبد الرحمن کسرقی کے مرید ہوئے، ۷۳۶ھ شب جمعہ ۲۲ رجب المرجب بعمر ۷۷ سال وفات پائی اور مقبرہ شیخ عماد الدین عبد الوہاب میں مدفون ہوئے۔

(خزینۃ الاولیاء، جلد دوم مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۷۳ء، ص ۲۸۸ و ۲۸۹)

ادراک تھا[1]

حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ بدر الدین سرہندی نے اپنی تالیف حضرات القدس کے "حضرت ہشتم" میں حضرت علاؤ الدولہ سمنانی علیہ الرحمہ کی مندرجہ ذیل رباعی پر حضرت مجدد کے جن تاثرات کو بیان کیا ہے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد آپ سے کہاں تک متاثر تھے۔

رباعی :۔

ایں وہم بود کہ از تو دوئی برخیزد
امکان وحدت بره ارائے برخیزد
گر لطفِ خدا در رسد از راہ وہب
شاید کردمے از تو توئی برخیزد

تاثراتِ حضرت مجدد :۔

ہم زوال عین واثر میں شیخ بزرگوار (ابوسعید قدس سرہ) کے ساتھ متفق ہیں لیکن ہم (؏ چوں من ہمہ معشوق شدم، عاشق کیست) کے قائل نہیں بلکہ ہم شیخ علاؤ الدولہ کی طرح یہ کہتے ہیں :۔

توئی برخیزد و دوئی برخیزد

لیکن شیخ سمنانی علیہ الرحمہ نے اس حال کو ایک دم کے لیے کہا ہے (؏ شاید کہ دمے از تو توئی برخیزد) اور ہم ہمیشہ کے لیے اس کے قائل ہیں کہ ہمارے پاس تجلی ذاتی دائمی ہے برقی نہیں ہے۔

(حضرات القدس، ص - ۱۱۹
زبدۃ المقامات، ص - ۲۴۵)

---

[1] Petter Hardy : *Sources of Indian Traditions*. New York, 1959, P.449

تصور وحدۃ الوجود[۱] کا گو براہِ راست تعلق ہسپانیہ کے ایک مشہور صوفی شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ (م ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء) سے ہے جن کو شیخ اکبر کہا جاتا ہے لیکن بالواسطہ طور پر اس کا تعلق حسین بن منصور الحلاج علیہ الرحمہ (م ۳۱۰ھ / ۹۲۲ء) اور حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ (م ۲۹۷ھ / ۹۰۹ء) کے بعض ملفوظات و مشاہدات سے بھی ہے۔

شیخ اکبر اندلس (ہسپانیہ) میں بمقام مرسیہ پیدا ہوئے اور ۶۳۸ھ میں دمشق (شام) میں وفات پائی۔ ان کی بکثرت تصانیف ہیں جن میں فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، ترجمان الاشواق وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔ شیخ اکبر نے اپنی تصانیف نظریہ وحدۃ الوجود بڑی باضابطگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسی لیے اس نظریہ کو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

شیخ اکبر کے نظریہ وحدۃ الوجود کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:۔

> وجود ایک ہے، وہی اللہ ہے، ہر شے اسی کا مصدر یا مظہر ہے، خدا نہ ورا الورا ہے اور نہ محیط کل، وہ سب کچھ ہے، تخلیق تو صرف خود کو ظاہر کر کے جاننے کی خدا کی ایک خواہش ہے، سلوک کے آخری مقام (فنا) پر سالک کو معلوم ہوتا ہے کہ وہی ہے اور ذات و صفات خدا (سالکین راہِ طریقت) ایک ہیں[۲]

شیخ اکبر نے اسی نظریے کے تحت لکھا ہے:۔

> انسان مثال خدا ہے اور خدا روح انسان، خدا انسان ہی کی ہستی میں سما کر موجودات عالم کا مشاہدہ کرتا ہے، جن صفات سے بھی انسان خدا کو متصف کرتا ہے۔ وہ خود ان صفات کا مصدر ہے، جب انسان خدا کا تصور کرتا ہے تو وہ اپنا ہی تصور کرتا ہے اور

---

[۱] مسئلہ وحدۃ الوجود پر بے شمار رسائل لکھے گئے ہیں۔ ہندوستان کے متاخرین علماء میں یہ حضرات راقم کے علم میں آئے جنہوں نے اس مسئلے پر رسائل لکھے ہیں، بالعموم لوگوں کو اس کا علم نہیں۔
علامہ عبدالعلی لکھنوی، علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا برکات احمد برکاتی، مولوی فضل اللہ۔
مسعود

[۲] ایضاً صفحہ ۔ ۴۴۹

جب خدا انسان کا تصور کرتا ہے تو گویا وہ بھی اپنا ہی تصور کرتا ہے[1]۔

اسی نظریہ سے یہ علمی استخراج کیا گیا کہ جب پوری کائنات 'غیر خدا نہیں بلکہ عین خدا ہے' تو پھر خدا کی عبادت ہر صورت سے کی جا سکتی ہے بلکہ سرے سے عبادت کا مفہوم ہی خبط ہو کر رہ جاتا ہے غالباً اسی لیے شیخ اکبر نے عبادت کے مفہوم و معنی اور مقصد و مدعا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ہر شخص اسی خدا کی تعریف کرتا ہے جو ایمانی صورت میں اس کے سامنے ہے اور جس سے اس نے خود کو وابستہ کر رکھا ہے (مگر حقیقت یہ ہے) کہ اس کا خدا خود اس کی تخلیق ہے، جب وہ خدا کی تعریف کرتا ہے تو گویا خود اپنی ہی تعریف کرتا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ دوسروں کے عقائد پر حرف زنی کرتا ہے حالانکہ وہ اگر منصف مزاج ہوتا تو ایسا ہرگز نہ ہوتا، اس کی ناپسندیدگی اس کے جہل کے سبب سے ہے، اگر اس کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول یاد ہوتا کہ "پانی جس برتن میں ہوتا ہے اسی برتن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے" تو وہ دوسروں کے عقائد میں دخل نہ دیتا بلکہ ہر صورت اور ہر عقیدے میں اس کو خدا ہی کا جلوہ نظر آتا[2]۔

اسی نظریہ کے تحت شیخ اکبر عقیدۂ 'صلح کل' کے مؤید معلوم ہوتے ہیں چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

میرے دل میں ہر کسی کی سمائی ہے، وہ راہب کا گرجا، بتوں کا مندر، غزالوں کا مرغزار اور عابدوں کا کعبہ ہے، تورات بھی یہی ہے اور قرآن بھی یہی ہے، میرا مسلک تو مسلک

---

[1] محی الدین ابن عربی: ترجمان الاشواق

[2] T.W. Arnold : *The Lagacy of India*, 1952, P. 226.

عشق ہے۔[1]

اس میں شک نہیں کہ شیخ اکبر کی تحاریر سے بظاہر اتحاد وحلول کا گمان ہوتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جس مقام سے شیخ اکبر نے اپنے روحانی احساسات وجذبات کا اظہار فرمایا ہے جب تک اس مقام تک رسائی نہ ہو یا کم از کم ایک ایسے مقام پر رسائی ممکن ہو جائے جہاں سے یہ مقام نظر آتا ہو، ان احساسات وجذبات کی تعبیر سخت مشکل ہے۔ شیخ اکبر کے اقوال وملفوظات روحانی محسوسات وواردات پر مبنی ہیں، ظاہری لغت میں ان کی تعبیر وتشریح ممکن نہیں اور اس قسم کی تعبیر وتشریح سے غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اسی لیے شیخ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمہ (م ۱۱۴۴ھ / ۱۷۳۱ء) نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اقوال پر معترضین کی طرف سے خردہ گیری کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ حضرات اہل اللہ کی لغت ہی علیحدہ ہے، جب تک ان کے اقوال کی انہیں کی لغت میں تعبیر وتشریح نہ کی جائے بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔

یہ بات یوں بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جب شیخ اکبر کے اقوال وملفوظات کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں وہ مشرکانہ اور ملحدانہ (معاذ اللہ) معلوم ہوتے ہیں لیکن جب ان کی سیرت مبارکہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ان کا ہر ہر عمل مومنانہ آن بان کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ قول وعمل میں اس طرح کا تضاد ممکن نہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ قول مومنانہ ہو اور عمل مشرکانہ وملحدانہ مگر یہ ممکن نہیں کہ قول ملحدانہ ہو اور عمل مومنانہ۔

اس قسم کے تضادات دانش برہانی سے حل نہیں ہو سکتے، اس کے لیے دانش نورانی کی ضرورت ہے جو روحانی بالیدگی اور باطنی ترفع کے بعد ہی میسر آتی ہے ورنہ عقل بے مایہ نے تشریح کی کوشش کی تو گمراہی اور غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض علماء نے اس غلط فہمی کی بنا پر کفر کے فتوے لگائے اور بعض صوفیہ نے شیخ اکبر کے اقوال کو ظاہر پر محمول کر کے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور شریعت سے پیٹھ پھیر لی، حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس قسم کے صوفیائے خام کا ذکر

---

[1] T.W. Arnold : *The Lagacy of India*, 1952, p 226.

فرمایا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا شیخ اکبر پر کفر کے فتوے لگائے گئے چنانچہ البقاعی (م ۸۸۵ھ) نے شیخ اکبر اور ابن الفارض کی تکفیر میں یہ رسائل لکھے۔

۱۔ تنبیه الغبی علی تکفیر ابن عربی

۲۔ تحذیر العباد من اهل العناد ببدعة الاتحاد۔

صاحب المواقف عضد الدین نے بھی شیخ اکبر کے خلاف لکھا ہے۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے شیخ کی مخالفت میں ایک رسالہ تنزیه الاعتقاد عن الحلول و الاتحاد کے نام سے لکھا اور ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے شیخ اکبر کی تصنیف فصوص الحکم کا رد، ردّ الفصوص کے نام سے لکھا اور ایک رسالہ ذیل الرسالة الوجودیه فی نیل مسئلة الشهودیه کے نام سے لکھا۔[۱]

شیخ اکبر کے تقریباً ڈیڑھ سو برس کے بعد شیخ عبدالکریم جیلی (م ۸۰۵ھ) کا زمانہ آتا ہے جن کی تصنیف الانسان الکامل کافی شہرت رکھتی ہے اور اس کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔ عبدالکریم جیلی نظریۂ وحدۃ الوجود کے شارح اور مؤید تھے، ان کے ہاں بھی شیخ اکبر کی آواز بازگشت سنائی دیتی ہے، چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

> تمام مذاہب کے معتقدات گو بظاہر مختلف نظر آتے ہیں لیکن اصل میں ایک ہی حقیقت سے وابستہ ہیں۔ عبادت کسی طرح بھی کی جائے۔ اس واحد مطلق کی کسی نہ کسی صفت کی آئینہ دار ہے۔ اور آپس میں جو اختلافات نظر آتے ہیں وہ محض اسماء وصفات کی بوقلمونی کی وجہ سے ہیں، فی الحقیقت یہ اختلافات ایک 'کل' کی تکمیل میں معاونین کی حیثیت رکھتے ہیں۔[۲]

---

[۱] (ا) شاہ عبدالعزیز: عجالۂ نافعہ: مطبوعہ کراچی، ۱۳۹۳ھ، ص ۵۰ و ۱۷۴

(ب) احمد امین: ظہر الاسلام۔ الجزء الرابع، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۵۵ء، ص ۲۲۸ و ۲۲۹

[۲] ڈاکٹر تارا چند: تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ترجمۂ اردو از پروفیسر محمد مسعود احمد، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۹۰

بہر کیف نظریۂ وحدۃ الوجود رفتہ رفتہ عالم اسلام میں پھیل گیا اور تقریباً تمام صوفیا اس سے متاثر ہوئے اور سب نے اپنے کشفِ باطنی کی بنیاد پر اس کی تصدیق فرمائی ۔ بارہویں صدی عیسوی (پانچویں چھٹی صدی ہجری) کے اواخر اور پندرھویں صدی عیسوی (نویں صدی ہجری) کے اوائل میں پاک و ہند میں عراق و ایران سے تین بڑے سلسلے آئے یعنی چشتی، سہروردی اور فردوسی ۔ اس کے بعد مغل دورِ حکومت میں ایران سے چند اور نئے سلسلے مثلاً شطاری، قادری، اور نقشبندی آئے ۔ ان سلاسل میں شطاری اور قادری تصور وحدۃ الوجود سے بہت متاثر تھے اور مشائخ طریقۂ نقشبندیہ بھی اس کے مؤید تھے، مخالف نہ تھے چناں چہ خود حضرت مجدد اور ان کے شیخ طریقت خواجہ باقی باللہ علیہما الرحمہ ان منزل سے گزرے اور حضرت مجدد کے والد ماجد شیخ عبد الاحد علیہ الرحمہ کا تو یہی مسلک تھا جس کا ذکر حضرت مجدد نے بھی کیا ہے [1]

جس زمانے میں حضرت مجدد پر اس تصور کا غلبہ تھا، آپ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کو یہ رباعی ایک مکتوب میں تحریر فرمائی جس پر مرشد طریقت نے سخت تہدید فرمائی ۔

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائی است   ملت ما کافری و ملت ترسائی است
کفر و ایمان لف روئے آں پری زیبائی است   کفر و ایمان ہر دو اندر راہ ما یکسانی است

کافی عرصہ تک یہ کیفیت طاری رہی آخر کار ۔

اچانک اللہ کی عنایت بے غایت پردۂ غیب سے ظاہر ہوئی اور بے چونی و بیچگونی کا پردہ اٹھا دیا گیا، علوم سابق جو وحدت وجود کے اتحاد پر مبنی تھے متنزل پذیر ہونے لگے اور قرب و معیت ذاتیہ کا احاطہ و سریان جو اس مقام پر ظاہر ہوا تھا، مخفی ہوگیا اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی کہ صانع کو اس عالم سے مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی نہیں ہے ۔ اور اگرچہ عالم مرایات کمالات صفاتی اور مجالی ظہورات اسمائی ہے لیکن مظہر عینِ ظاہر نہیں ہے اور ظل عینِ اصل نہیں ہے جیسا کہ اہلِ توحید وجودی کا مذہب ہے [2]

---

[1] مجدد الف ثانی، مکتوبات شریف، جلد اول، مکتوب نمبر ۳۱

[2] ایضاً ۔ جلد اول مکتوبات شریف، ص ۔ ۴۸ و ۴۳

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ بھی ابتداء میں توحید وجودی کو منتہائے مقصود سمجھتے تھے لیکن بعد میں آپ نے اس منزل سے ترقی فرمائی جس کا ذکر حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس طرح کیا ہے:۔

معرفت پناہی، قبلہ گاہی حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ کچھ عرصہ تک مشرب توحید وجودی پر قائم رہے اور اپنے رسائل و مکتوبات میں اس کا اظہار فرماتے ہیں لیکن آخرکار حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کمال عنایت سے اس مقام سے ترقی عطا فرمائی اور شاہراہ پر گامزن کر دیا اور معرفت کی اس تنگی سے نجات دی، میاں عبدالحق (محدث دہلوی) جو ان کے مخلصوں میں ہیں، بیان کرتے ہیں کہ (خواجہ باقی باللہ نے) مرض موت سے ایک ہفتے قبل فرمایا تھا:۔

"مجھے عین الیقین ہوگیا ہے کہ توحید ایک تنگ کوچہ ہے اس کے علاوہ ایک دوسری شاہراہ بھی ہے، جس کو میں پہلے بھی جانتا تھا مگر اب اس کا یقین حاصل ہو گیا ہے"۔ [1]

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے مسلک وجودی اور بعد میں ترقی باطنی کی طرف اس طرح ارشاد فرمایا ہے:۔

یہ حقیر بھی کچھ عرصے تک حضرت (خواجہ باقی باللہ) کی خدمت میں مسلک توحید رکھتا تھا اور اس طریق کی تائید میں بہت سے مقدمات کشفیہ بھی ظاہر ہو گئے تھے مگر خداوند کی عنایت نے اس مقام سے آگے بڑھا کر جس مقام سے چاہا مشرف فرمایا [2]

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے تصور وحدۃ الوجود اور تصور وحدۃ الشہود کی اس طرح تشریح فرمائی۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں تصورات میں تضاد نہیں، صرف اتنا تباین ہے جتنا جاگ

---

[1] (ا) محمد اکرام: رود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء، ص-۲۶۱
(ب) حضرت مجدد، مکتوبات شریف، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۹۱

[2] ایضاً، ص-۲۶۱

اور 'دیکھنے' میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

جو توحید اس جماعت گرامی کی راہ میں آتی ہے، دو قسم کی ہے۔ توحید شہودی اور توحید وجودی ۔ توحید شہودی ایک دیکھنا ہے، یعنی یہ کہ سالک کا مشہود سوائے ایک کے کوئی نہ ہو اور توحید وجودی 'ایک کو موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم سمجھنا اور باوجود عدمیت کے اس جمالی و مظاہر کو ایک خیال کیا ۔ پس توحید وجودی 'علم الیقین' کے قبیل سے ہے اور توحید شہودی، 'عین الیقین' کی قسم سے [1]

توحید وجودی اور توحید شہودی کی اس سے بہتر اور جامع تشریح و تعبیر ممکن نہیں۔ حضرت مجدد نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے، اور اس انداز سے سمجھایا ہے کہ اہلِ عقل بھی کچھ حظ حاصل کر سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان نظریات کا دماغ سے زیادہ دل سے تعلق ہے اور دل کی باتیں بیان میں نہیں آسکتیں۔

صاحب زبدۃ المقامات نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ :۔

جب حضرت مجدد دہلی کے تیسرے سفر سے واپسی پر لاہور تشریف لائے تو فاضل جلیل مولانا جمال تلوی علیہ الرحمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نظریہ وحدۃ الشہود کے بارے میں کچھ استفسار فرمایا۔ حضرت مجدد نے آپ کے کان میں کچھ کہا، آپ کا کہنا تھا کہ مولانا کا رنگ متغیر ہو گیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (زبدۃ۔ص، ۱۵۶)

نہیں معلوم کہ حضرت مجدد نے کیا کہا اور حضرت مولانا جمال علیہ الرحمہ نے کیا سنا ؎

لفظ نہیں بیاں نہیں، یہ کوئی داستاں نہیں
شرح نیازِ عاشقی ختم ہے ایک آہ میں !

---

[1] مجدد الف ثانی، مکتوبات شریف، دفتر اوّل، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۴۳

نوٹ:۔ حضرت مجدد نے مندرجہ ذیل مکتوبات شریف میں تصور وحدۃ الوجود اور تصور وحدۃ الشہود پر روشنی ڈالی ہے :۔

(ا) جلد اوّل، مکتوب نمبر ۳۰، ۳۱، ۲۹۱ (ب) جلد دوم، مکتوب نمبر ۸۰

(ج) جلد سوم، مکتوب نمبر ۵۳ ۔

لندن یونیورسٹی کے فاضل پیٹر ہارڈی نے توحید وجودی کے بارے میں حضرت مجدد کی تنقیدات کا تجزیہ کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد کے خیال میں :۔

محی الدین ابن العربی اور ان کے مکتب فکر نے سلوک کی صرف ایک منزل یا حال 'فنا' کے متعلق کہا ہے۔ یہ کوئی آخری منزل نہیں ہے۔ مقام 'فنا' پر پہنچ کر سالک خود فراموش ہو جاتا ہے اور ذات باری میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ غیر خدا کا اس کو احساس تک نہیں رہتا۔

واقعہ یہ ہے کہ ابن العربی داخلی اور خارجی میں تمیز نہ کر سکے حالاں کہ اس مقام پر بھی ان کو اہل دنیا کا ضرور احساس رہنا چاہیے تھا تا کہ وہ خالق و مخلوق میں تمیز کر سکتے ورنہ ان کی گفتگو صرف خدا ہی کے بارے میں ہوگی۔

منزل 'فنا' سے اوپر بھی ایک اور منزل ہے۔ جہاں ابن العربی نہیں پہنچے

اس منزل پر سالک کو یہ پتا چلتا ہے کہ خدا کو محض وجدان کے ذریعے نہیں پہچانا جا سکتا۔ اس لیے انسان کو وحی اور علوم دینیہ کی قدر کرنی چاہیے جس کی بنیاد سراسر وحی پر ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ انسان کو شریعت کی قدر و منزلت کرنی چاہیئے [1]

حضرت مجدد نے صاف صاف تحریر فرما دیا ہے :۔

دنیا اور خدا میں وہی رشتہ ہے جو خالق و مخلوق میں ہوتا ہے، اتحاد و حلول کی تمام تقریریں الحاد ہیں جو سالک کی باطنی غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں [2]

حضرت مجدد الف ثانی کی توحید وجودی پر تنقید سے یہ اندازہ ہوتا کہ احوال طریقت میں سے یہ بھی ایک حال ہے، آخری منزل نہیں، اس سے بلند تر بھی ایک مقام ہے جس کو توحید شہودی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح توحید وجودی، توحید شہودی کی ضد نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے، مثلاً

---

[1] Sources of Indian Traditions, New York, 1959, p. 449.

[2] Ibid : 449

مصطفیٰ صبری نے لکھا ہے :۔

تصور وحدۃ الوجود تمام صوفیا کا مسلک نہیں رہا بلکہ بعض صوفیا نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے، چنانچہ مخالفین صوفیائے کرام کی اس مبارک جماعت کے پیشوا صاحب مکتوبات شریف، امام جلیل ربانی، مجدد الف ثانی، احمد بن عبد الاحد سرہندی ہیں۔ ہم ان کے مکتوبات سے یہاں چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا، کہ آپ نے اس مبحث پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ تصور وحدۃ الوجود کی ضد ہے[1]

چنانچہ مؤلف مذکور نے مکتوبات شریف کی جلد اوّل کے مکتوب نمبر ۶۸ کے بعض اقتباسات کا عربی ترجمہ پیش کیا ہے جو عبدالرحیم خان خاناں کے نام تحریر کیا گیا ہے، پھر اسی جلد کے مکتوب نمبر ۲، کے بعض اقتباسات کا عربی ترجمہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد مکتوب نمبر ۸۶ کے بعض اقتباسات کا عربی ترجمہ پیش کیا ہے جو مولانا امان اللہ الفقیہ کے نام تحریر کیا گیا ہے۔ اس طرح مؤلف نے اپنی تصنیف موقف العقل کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۷۵ سے ۳۱۵ تک وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر تفصیلی بحث کی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے نظریۂ وحدۃ الشہود کی اس طرح صراحت نہیں فرمائی جس سے اکابرین صوفیہ کی تنقیص شان ہوتی ہو، آپ نے تو ارباب توحید وجودی کے تصورات و مکاشفات کی بڑی خوبی سے تاویل فرمائی اور ان کو مخالفانہ خردہ گیری سے بچایا۔ چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

اس میں شک نہیں کہ علمائے ظاہر میں سے کسی نے کہا ہو کہ یہ مسئلہ باطل ہے لیکن ان حضرات (ارباب توحید وجودی) نے تو پوری جلالیت کے ساتھ کہا ہے اور لکھا ہے۔ ان بزرگوں کے معاملے میں باطل کا کیا دخل ؟

اس مقام کا بطلان بھی نہیں کیا جا سکتا جس مقام پر کہ ان حضرات نے اس عالیشان مسئلے کے متعلق کہا ہے، وہاں استیلائے حق ہے اور بطلان باطل، ان بزرگوں

---

[1] مصطفیٰ صبری، موقف العقل، العلم والعالم، (۱۳۶۹ھ) مطبوعہ قاہرہ

نے تو حق تعالیٰ کے عشق میں خود کو اور غیر خود کو گم کر دیا ہے، اپنا نام و نشان بھی نہیں چھوڑا

قریب ہے کہ باطل بھی ان کے سائے سے گریزاں ہو[1]

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

متصوفہ گرامی میں سے جو کوئی وحدۃ الوجود کا قائل ہے اور اشیاء کو عین حق دیکھتا ہے اور ہمہ اوست کا حکم دیتا ہے اس کا مقصود یہ نہیں کہ اشیاء اور حق جل و علاء متحد ہو گئے ہیں تنزیہہ سے تنزل کر کے تشبیہہ پر آ گئے ہیں۔ واجب، ممکن اور بے مثال، مثال ہو گیا ہے۔ یہ سب باتیں کفر و بے دینی اور گمراہی و زندقہ ہیں۔ بلکہ ہمہ اوست کے معنی تو یہ ہوئے کہ وہ خود نہیں ہیں، صرف اللہ تعالیٰ موجود ہے[2]

اسی لیے آپ حضرت حسین بن منصور الحلاج (م ۳۰۹ھ) کے قول ' انا الحق' اور حضرت بایزید بسطامی (م ۲۶۱ھ) کے قول سبحانی ما اعظم شانی ' کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو غلبۂ محبت کی وجہ سے یہ احکام دیتے ہیں، مگر ایسا غلبۂ محبت اور استیلائے عشق محبوب کی وجہ سے ہوتا ہے کہ محب کی نظر سے غیر محبوب اوجھل ہو جاتا ہے اور وہ سوائے محبوب کے کچھ نہیں دیکھتا نہ یہ کہ محبوب کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں کیوں کہ یہ حسِ عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے[2]

حضرت مجدد نے تصور وحدۃ الوجود کی مخالفت نہیں فرمائی البتہ اس تعبیر و تشریح کی پرزور مخالفت فرمائی ہے جس سے اتحاد و حلول کا شائبہ پیدا ہوتا ہے اسی لیے آپ نے اس تصور کی تاکید کے ساتھ ساتھ جابجا یہ صراحت فرمائی ہے :۔

ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کی صفات و افعال کو، صفات و افعال الٰہی کے عین قرار دینا، صفات و افعال الٰہی کی بے ادبی ہے اور بے دینی ہے[3]

---

[1] مجدد الف ثانی، مکتوبات شریف (نور الخلائق)، مکتوب نمبر ۴۴

[2] ایضاً جلد اول، مکتوب نمبر ۳۱

[3] محمد اکرام، رودِ کوثر، ص۔ ۱۶۷

اور ایک مقام پر نہایت شد و مد کے ساتھ فرماتے ہیں :۔

پس عالم کے ساتھ اس کو کسی طرح بھی نسبت نہیں ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ عالمین سے بے نیاز ہے۔ اللہ سبحانہٗ کو عالم کے ساتھ عین اور متحد بنانا بلکہ اس سے نسبت دینا بھی فقیر کے بعد گراں ہے۔

الغرض حضرت مجدد نے تصور وحدۃ الشہود پیش کر کے تصور وحدۃ الوجود سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں اور خالق و مخلوق کے درمیان اتحاد و حلول کے تمام شبہات کو دور فرمادیا اور یہ بتادیا کہ مقام وجودیت سے بڑھ کر مقام ظلیت ہے اور پھر سب سے بڑھ کر مقام عبدیت ہے۔

حضرت مجدد نے ایک طویل مکتوب میں ان تینوں مقامات کا بالتفصیل جائزہ لیا ہے، آپ نے انہیں مقامات کے تحت اکابرین صوفیا کو مندرجہ ذیل تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے جن میں قدر مشترک وجود حق کا اقرار ہے لیکن وجود عالم کے بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ پہلا گروہ یہ سمجھتا ہے کہ عالم حق جل مجدہٗ کی ایجاد و تخلیق سے خارج میں موجود ہے (یہ گروہ مقام عبدیت پر فائز ہے)

۲۔ دوسرا گروہ یہ سمجھتا ہے کہ عالم ظل حق ہے (یہ گروہ مقام ظلیت پر فائز ہے)

۳۔ تیسرا گروہ وجود عالم کی مطلقاً نفی کرتا ہے[۲] (یہ گروہ مقام وجودیت پر فائز ہے)

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ان تینوں مقامات کی سیر فرمائی جس کا اسی مکتوب میں آپ نے ذکر فرمایا ہے، خلاصہ یہ ہے :۔

۱۔ پہلے پہل میں توحید وجودی کا معتقد تھا، بچپن میں اسی توحید کے بارے میں پڑھا تھا، اور جب راہ سلوک میں قدم رکھا تو یہی منزل منکشف ہوئی۔

۲۔ کچھ عرصے بعد دوسری نسبت غالب آگئی اور مقام وجودیت سے مقام ظلیت پر لے جایا گیا۔ دل یہ چاہتا تھا کہ بس یہیں رہوں کیوں کہ اس مقام کو مقام وجودیت

---

[۱] محمد اکرام : رود کوثر، ص۔ ۱۶۷

[۲] مجدد الف ثانی : مکتوبات شریف، جلد اول، مکتوب نمبر ۱۶

سے نسبت ہے۔

۳: اتفاقاً ازراہ کمال عنایت اور غریب نوازی اس مقام سے اور آگے لے جایا گیا اور مقام عبدیت پر پہنچا یا گیا۔ جب یہاں پہنچا تو اس مقام کی عظمت واضح ہوگئی اور گزشتہ مقامات سے تائب ہوا [1]

حضرت مجدد نے مقام عبدیت (یا مقام وحدت شہود) کے بارے میں ایک دل لگتی بات فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اس مقام کے تمام کشف کتاب وسنت اور ظاہر شریعت کے عین مطابق ہیں بال برابر فرق نہیں برخلاف دیگر مقامات کے کہ ان کے کشف ظاہر شریعت کے مطابق نہیں اس لیے ان سے بہت خدشات وابستہ ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے بعد بعض اکابرین صوفیہ نے وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود میں تطبیق دینے کی سعی فرمائی غالباً اس لیے کہ حضرت مجدد کی طرف سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی تھیں ان کا ازالہ کر دیا جائے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے اس سلسلے میں سعی بلیغ فرمائی۔ آپ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے:۔

حضرت مجدد کا یہ سمجھنا کہ وحدت وجود اور وحدت شہود میں تباین ہے فقط تسامح ہے، ابن عربی کا مذہب بھی وہی ہے جو حضرت مجدد کا ہے۔ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود میں محض نزاع لفظی ہے [2]

ایک دوسرے مقام پر ان دونوں تصورات کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے:۔

وحدت شہود سے مراد صرف یہ ہے کہ واجب کے کامل ہونے پر اور ممکن کے ناقص اور ہیچ ہونے پر اصرار کیا جائے لیکن ابن عربی بھی یہی کہتے ہیں کہ ممکن ناقص اور ہیچ ہے اور کمال فقط ذات واجب ہی کو حاصل ہے [3]

---

[1] مجدد الف ثانی، مکتوبات شریف، جلد اول، مکتوب نمبر ۱۶

[2] شاہ ولی اللہ: فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود، ص ۲۹۰ بحوالہ برہان الدین فاروقی، تصور توحید، ص ۲۱

[3] ایضاً، ص ۷، بحوالہ مذکور، ص ۱۲۱

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کے صاحب زادے حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (م ۱۲۳۳ھ)
اپنے والد محترم کے اتباع میں وحدۃ الوجود ہی کی تائید فرمائی ہے اور وحدت شہود کو کوئی وقعت نہیں دی
چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

وحدت وجود اصولی مسئلہ ہے، یہی حقیقت اسلام ہے، اسی لیے اکابر صوفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ وحدت شہود نیا نظریہ ہے، جسے حضرت مجددؒ نے بیان کیا ہے، وہ ابن عربی کی تقریر کو نہیں سمجھے اور یہ خیال کیا کہ وحدت وجود، وحدت شہود سے کلیتہً مختلف ہے [1]

لیکن حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تحاریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الوجود کو وحدۃ الشہود سے کلیتہً مختلف نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ان دونوں کے درمیان اختلاف درجات کی حد تک اختلاف کے قائل تھے سو یہ اختلاف حقیقی نہیں محض اضافی ہے۔

مسلک ولی اللہی کے مقابل بعض دیگر اکابرین صوفیہ نے وحدت شہود کی تاکید فرمائی ہے چنانچہ اردو کے مشہور صوفی شاعر خواجہ میر درد علیہ الرحمہ (م ۱۱۹۹ھ) کے والد بزرگوار خواجہ میر ناصر عندلیب نے اس کی تائید فرماتے ہوئے لکھا ہے:۔

حقیقت کے اعتبار سے وحدت وجود سراسر غلط ہے اور وحدت شہود قرین صواب ہے گو کیفیت و حال کے اعتبار سے دونوں کا منشاء ایک ہی کیوں نہ ہو یعنی ماسوا سے نظر کا ہٹ جانا [2]

خواجہ میر درد علیہ الرحمہ اپنے والد ماجد کی تائید فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

دوسرا مسئلہ وحدت شہود ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ذات واجب کے بغیر موجودات ممکنہ کا وجود نہیں ہو سکتا۔ اور جملہ موجودات اسی ایک ذات کے نور سے موجود ہیں، اکثر ناواقف جو شیخ مجدد کے کلام کو نہیں سمجھتے اپنے گمان میں انہیں ظل کا قائل

[1] شاہ رفیع الدین، دفع الباطل، ص ۳۰ و ۵ (بحوالہ مذکور ص ۱۲۸)
[2] میر ناصر عندلیب، نالۂ عندلیب، ص ۳۶، (بحوالہ مذکور ص ۱۲۱)

سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی یہ رائے محض وسط سلوک میں تھی۔ اکثر صوفیائے خام و ناتمام جو اپنے زعم میں اپنے آپ کو عارف کامل سمجھتے ہیں، شیخ مجدد کی تصانیف کو دیکھ کر جن میں اثنینیت اور ہمہ از اوست کا بیان ہے، خیال کرتے ہیں کہ وہ حقیقت سے ناواقف تھے، کیوں کہ مسئلہ توحید بہت مشکل ہے اس لیے وہ ان پر پوری طرح منکشف نہیں ہوا تھا، مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ 'کل من عند اللہ' کے مطابق 'ہمہ از دوست' کی تصدیق وحی سے ہوتی ہے، اس لیے ہمہ اوست غلط ہے اور ہمہ از دوست صحیح [1]

خواجہ میر ناصر عندلیب اور خواجہ میر درد علیہما الرحمہ کی طرح حضرت میرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۴ھ) نے بھی حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ سے مسئلہ وحدت الوجود و الشہود پر اختلاف کیا ہے۔ ان کے ایما پر مولانا غلام یحییٰ (م ۱۱۹۵ھ) نے شاہ ولی اللہ کے خیالات کی اس طرح تردید کی ہے :۔

شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود، حقیقت اشیاء اور حادث و قدیم کے مابین رابطہ کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، سراسر غلط ہے۔ ان دونوں مسئلوں کے درمیان کوئی تطابق کسی طرح ممکن ہی نہیں کیونکہ وحدتِ وجود کی بنا عالم اور موجدِ عالم کے مابین عینیت پر ہے اور وحدتِ شہود کی رو سے واجب اور ممکن کے درمیان غیریت کا ناتہ ہے [2]

لیکن حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ارباب توحید وجودی کے متعلق اس حسن ظن کا اظہار فرمایا ہے کہ وہ حضرات عالم اور موجدِ عالم کے درمیان غیریت ہی سمجھتے تھے لیکن استیلائے عشق اور غلبۂ محبت سے عینیت کا سماں باندھ دیا اور جوشِ عشق میں اسی کا انہوں نے اظہار فرما دیا حالاں کہ ان کا مقصود ہرگز وہ نہیں جو بظاہر معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ کے جانشین اور خلیفہ حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمہ (م ۱۲۴۰ھ) نے بھی وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے درمیان فرق کو ظاہر کیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ سے اتفاق نہیں

---

[1] خواجہ میر درد: علم الکتاب، ص ۱۸۴ (بحوالہ مذکور، ص ۱۲۲-۱۲۳)

[2] غلام یحییٰ: کلمۃ الحق، ص ۴۴ بحوالہ مذکور ص ۱۲۶

مزار مبارک حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں علیہ الرحمہ
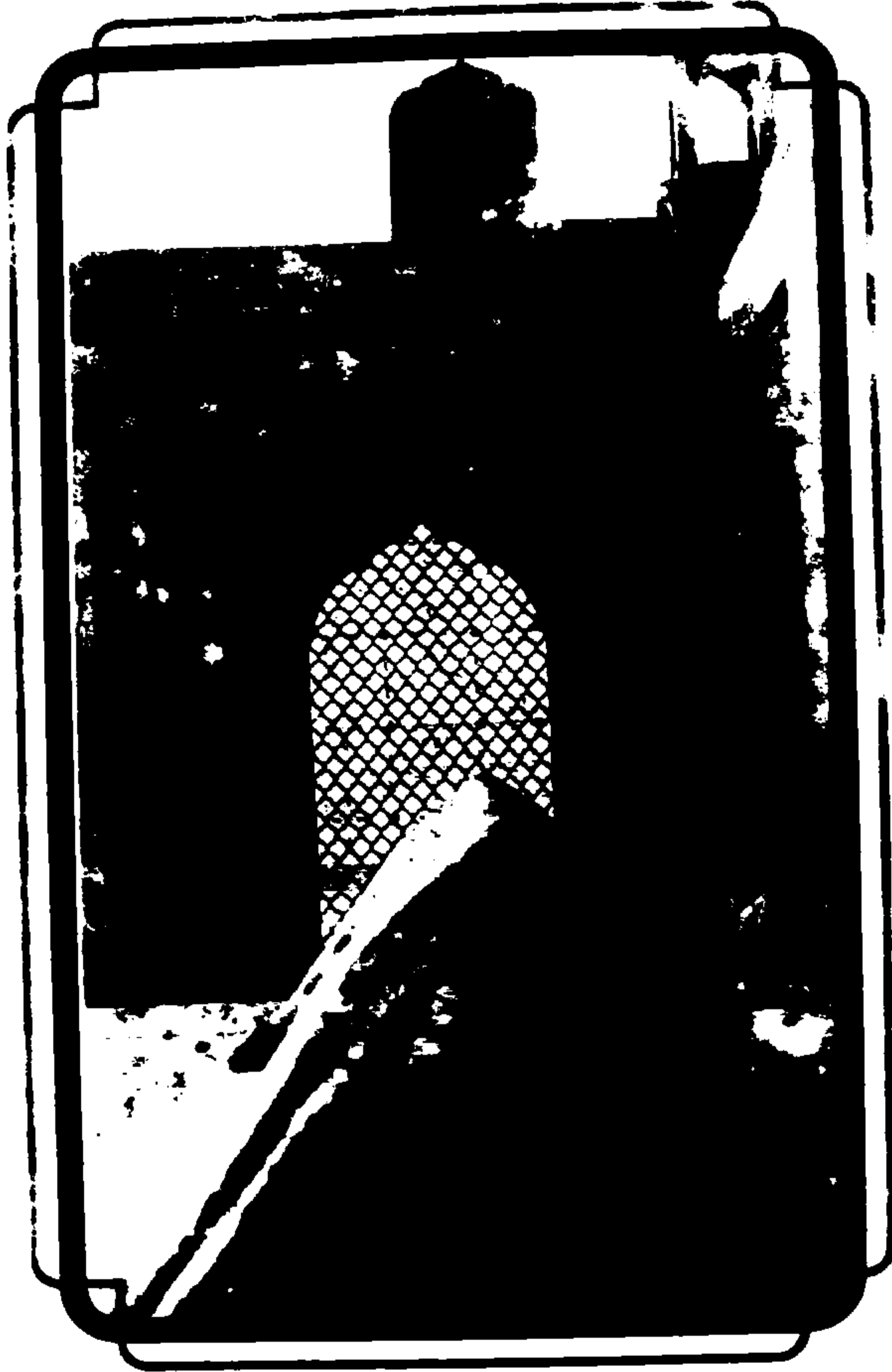
خانقاہ مظہریہ دہلی ۔ بھارت

فرمایا۔ چنانچہ وہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود، کشف کے دو جدا جدا مقام ہیں، جو اہلِ سلوک ان مقامات سے گزرے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان میں تطبیق محال ہے [1]

بہرکیف حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے تصور وحدۃ الشہود پیش کر کے تصوف کو مجلّی و مصفّی کر دیا، اور وہ تمام بیرونی آلائشوں سے یکسر پاک ہو گیا۔ عہد جدید کے بعض فضلاء نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ لندن یونیورسٹی کے فاضل پیٹر ہارڈی نے لکھا ہے کہ:۔

اکبر اور صوفیاء کی مذہبی بے راہ روی کے جواب میں ردّ عمل کے طور پر جو شخصیت میدانِ عمل میں آئی وہ شیخ احمد سرہندی کی شخصیت ہے، آپ نے ابن العربی کے نظریہ وحدۃ الوجود پر صوفیانہ تجربات و مشاہدات کی روشنی میں بحث فرمائی اور اس چیز کا مسلمانوں کو از سر نو احساس دلایا (جو انہوں نے فراموش کر دی تھی) یعنی یہ کہ اسلام میں وحیِ الٰہی ایک بلند مقام رکھتی ہے [2]

ڈاکٹر اقبال، حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے بے حد متاثر ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو خلافِ حقیقت نہیں کہ انہوں نے اپنے تصورِ خودی کی بنیاد حضرت مجدد کے تصور وحدۃ الشہود پر رکھی ہے [3] اقبال نے اپنے انگریزی خطبات میں حضرت مجدد کے اس تصور کو سراہا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

سترہویں صدی کا ایک گراں قدر مفکر۔۔۔ شیخ احمد سرہندی ۔۔۔ ہم عصر تصوف پر

---

[1] شاہ غلام علی: مقامات مظہری، ص ۱۴۸ بحوالہ مذکور، ص ۱۲۷

[2]

[3] راقم نے اپنے تین مقالات میں ڈاکٹر اقبال پر حضرت مجدد کے اثرات کا جائزہ لیا ہے، یہ مقالات سرحد ہوا اقبال ریویو (کراچی) کے مندرجہ ذیل تین شماروں میں بالاقساط شائع ہو چکے ہیں۔

(ا) "علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی" شمارہ اپریل ۱۹۶۴ء

(ب) "اقبال کے فلسفۂ خودی میں مقام عبدیت" شمارہ جولائی ۱۹۶۴ء

(ج) "شریعت و طریقت افکار اقبال کی روشنی میں" شمارہ جنوری ۱۹۶۵ء

جن کی بے باکانہ تشریحی تنقید نے ایک تکنیک (وحدۃ الشہود) کو جنم دیا، صوفیا کے مختلف سلاسل طریقت جو سنٹرل ایشیا اور عرب سے ہندوستان آئے ان میں صرف یہ وہ تکنیک ہے جس نے ہندوستانی حدود و ثغور کو عبور کیا اور آج بھی پنجاب، افغانستان اور ایشائی روس میں ایک زندہ قوت ہے [1]

حضرت مجدد کے تصور وحدۃ الشہود کو بعض دیگر فضلا نے بھی سراہا ہے مثلاً ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ [2] اور ڈاکٹر یوسف حسین [3] وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] Iqbal : *The Reconstruction of Religious thought in Islam* Labore, 1944, p. 192.

[2] Inayatullah : '*Ahmad Sirhindi*' : *The Encyclopaedia of Islam*. Volume II, Fasciculus 5, p. 298.

[3] Yusuf Hussain : *Glimpses at Medieval Indian Culture*, 1959, p. 61

نوٹ :۔ مولوی غلام محمد نے سید سلیمان ندوی سے یہ عجیب و غریب بات منسوب کی ہے جو ایک ناآشنائے طریقت ہی سے متوقع کی جا سکتی ہے موصوف لکھتے ہیں:۔

ایک محفل میں حضرت شیخ اکبر اور حضرت مجدد الف ثانی کا ذکر آیا تو حضرت سیدی نے کیسی گر کی بات بتائی، ارشاد فرمایا:۔

"شیخ محی الدین ابن عربی نے توحید کی تعلیم پر زور دیا اور اس کو فلسفیانہ انداز میں پیش کیا، ان کی اصطلاحات کے ذریعے جو ضلالت پیدا ہوئی، توحید کی راہ آئی اور لوگ 'اناالحق' کے مدعی بن گئے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی نے اتباع سنت پر زور دیا مگر ساتھ ہی نبوت کی فلسفیانہ توضیح فرمائی اس کے ذریعہ جو ضلالت آئی وہ نبوت کی راہ سے تھی اور 'انا النبی'، اور 'انا مہدی' کہنے والے پیدا ہوئے۔

(بقیہ بر صفحہ ۱۵۳)

حال ہی میں لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے فاضل، ڈاکٹر قاسم السامرائی نے اپنا ایک تنقیدی مقالہ نظرثانی کے لیے راقم کو ارسال فرمایا ہے، اس مقالے کا عنوان ہے :۔

Two Lists of F ophets :

اس مقالے میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے ڈاکٹر جے۔ ایم۔ ایس بَلیاں (پروفیسر شعبہ اسلامیات، لیڈن یونیورسٹی، ہالینڈ) کے مقالے پر سخت تنقید کی ہے جس کا عنوان ہے :۔

Two Lists of Fropliets :
(Netherland Theologisch Tijdschrift Vol. III 2, 966).

ڈاکٹر بَلیاں نے تصور وحدۃ الوجود اور نظریۂ وحدۃ الشہود کو ایک ہی حقیقت کی دو مختلف مصطلحات قرار دیا ہے، ڈاکٹر قاسم نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں نظریات اپنی علیحدہ قدر و قیمت رکھتے ہیں، ان دونوں میں صرف لفظی اختلاف نہیں بلکہ معنوی اختلاف بھی ہے۔ موصوف نے اس مسئلے پر فاضلانہ بحث کی ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر ۱۷۱

(غلام محمد : "سیرت سلیمانی کا ایک عرفانی پہلو" معارف (اعظم گڑھ) سلیمان نمبر مئی ۱۹۵۵ء ص ۔ ۳۰۱)

کیا مسیلمہ کذاب بھی آپ کی تعلیمات کے نتیجے میں پیدا ہوا؟ یہ بات نہایت بچر ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کو سید سلیمان ندوی سے منسوب کیا جائے ۔ مسعود

نتائج و آثرات

- عہد جہاں گیری اور حضرت مجددؒ
- حضرت مجددؒ اور جہاں گیر
- دورِ نظر بندی
- دورِ پابندی
- انقلاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عہد اکبری میں اسلام کی زبوں حالی کا حال آپ پڑھ چکے ہیں، حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اسی دور سے اعیانِ مملکت کو انقلاب نو کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا تھا، اس سلسلے میں یہ شیخ فرید بخاری (م ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء) کے نام یہ مکتوب قابلِ مطالعہ ہے :۔

ذرا خیال تو کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے، مسلمانی کی بو بھی باقی نہ رہی، ایک دوست نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا مسلمانی تک پہنچنا مشکل ہے۔ اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہ کرنا یہ ہے دیوانگی۔ اسلام رہے تو کچھ بھی ہو (کوئی پرواہ نہیں) اور نہ رہے تو پھر کچھ بھی نہ رہے۔ اگر مسلمانی ہے تو پھر خدا کی رضا اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی ہے اور آقا کی رضا سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں [1]

عہد جہاں گیری اور حضرت مجدد :

غالباً حضرت مجدد کی اسی قسم کی ترغیبات و تحریکات سے متاثر ہو کر تخت نشینی کی جد و جہد میں شیخ فرید بخاری نے جہاں گیر کا ساتھ دیا جس کی تفصیل یہ ہے :۔

اکبر بادشاہ کی زندگی ہی میں جہاں گیر کا بیٹا خسرو، اپنی جانشینی کے لیے سرگشانہ کوشاں تھا، بیشتر امراء اس کے طرف دار تھے مگر حضرت مجدد کے معتقد خاص اور جہاں گیر کے معتمد خاص شیخ فرید بخاری اور ان کے ساتھیوں نے اس شرط پر جہاں گیر کی حمایت کا وعدہ کیا کہ وہ حصولِ اقتدار کے بعد اسلام کا پورا پورا تحفظ کرے گا۔ چناں چہ ڈاکٹر تریپاٹھی نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۶۳

اکبر کے آخری دور حکومت میں چند امرائے افواج آگرہ کے کمانڈر فرید بخاری کی قیادت میں سادات بارہہ کی مدد سے تخت نشینی کی جدوجہد میں سلیم (جہانگیر) کی حمایت کی اور اس شرط پر اپنے پرجوش تعاون کا یقین دلایا کہ تخت نشینی کے بعد سلیم اسلام کی حفاظت کریگا شاید اس سے ان کا یہ مقصد ہوگا کہ سلیم اہل سنت و جماعت کی حمایت کرے، یہ بات اکبر کی پالیسی سے بالکل ممتاز تھی۔ چنانچہ جہانگیر کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد شیخ فرید بخاری منصب پنج ہزاری اور میر بخشی کے عہدوں پر فائز ہوگئے، فرید، شیخ احمد کے ساتھ قریبی روابط رکھتے تھے [1]

جہانگیر ۲۱ اکتوبر ۱۶۰۵ء مطابق ۱۰۱۴ھ کو نور الدین جہانگیر بادشاہ غازی کے لقب سے تخت نشین ہوا اور بقول اڈورڈیز :۔

تخت نشینی کے ساتھ ساتھ اسلام اور مذہب اہل سنت و جماعت کی حمایت اور تحفظ کا یقین دلایا گیا [2]

تخت نشینی کے بعد جہانگیر نے بارہ نکاتی فرمان جاری کیا، اس میں تین نکات یہ ہیں :۔

۱ ہر قسم کی منشیات و منکرات کی ممانعت [3]

۲ مساجد سے متعلق زمینوں کی بحالی۔

۳ قیدیوں کی عام معافی۔

جہانگیر کی تخت نشینی کے فوراً بعد حضرت مجدد اعیان مملکت کو احیاء شریعت کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ صدر جہاں، خان خاناں اور شیخ فرید بخاری وغیرہم کو متعدد مکاتیب ارسال فرمائے، ایک

---

[1] Tripathi : *Rise and Fall of Mughal Empire*, 1956, pp. 355-6.

[2] S. Edwardes : *Mughul Rule in India*, London, p. 55.

[3] مگر خود جہانگیر نے واقعات جہانگیری میں اپنی شراب نوشی کا ذکر کیا ہے، کوشش کے باوجود وہ آخر وقت تک شراب نہ چھوڑ سکا۔

مکتوب میں صدر جہاں کو تحریر فرماتے ہیں :۔

اس وقت جب کہ حکومتوں میں انقلاب آگیا ہے اور دوسرے مذاہب کی دشمنی خاک میں مل چکی ہے۔ ائمہ اور علمائے اسلام پر لازم ہے کہ اپنی تمام تر توجہ ترویج شریعت غرا کی طرف مبذول کر دیں اور شریعت کے جو ستون منہدم ہو گئے ہیں ان کو پھر کھڑا کر دیں [1]

ایک اور مکتوب میں خان جہاں کو تحریر فرماتے ہیں :۔

جب کبھی آپ بادشاہ سے ملاقات کریں اور وہ آپ کی باتیں سننے کی طرف متوجہ ہو تو کیا اچھا ہو کہ صراحتہً یا کنایۃً معتقدات اہل سنت و جماعت کے مطابق کلمۂ حق یعنی کلمۂ اسلام ان کے کانوں تک پہنچائیں [2]

اور نواب مرتضیٰ خاں (شیخ فرید بخاری) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

آج جب کہ بادشاہ کی تخت نشینی کی خوش خبری خاص و عام کے کانوں تک پہنچ رہی ہے اور دولت اسلام کا زوال ختم ہو رہا ہے، مسلمانوں نے اپنے لیے ضروری سمجھا کہ بادشاہ کے معین و مددگار اور شریعت کی ترویج اور ملتِ اسلامیہ کی تقویت کے لیے کوشاں ہوں، یہ اعانت و تقویت خواہ زبانی ہو خواہ عملاً۔ سب سے بڑھ کر دولت و امداد تو یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کو بیان کیا جائے تاکہ کوئی مبتدع اور گمراہ درمیان میں حائل نہ ہو اور راہ سے نہ بھٹکائے اور معاملہ ابتر نہ ہو جائے ۔۔۔ چوں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو قرب شاہی پوری طرح عنایت فرمایا ہے اور ساتھ ہی استطاعت بھی بخشی ہے اس لیے آپ سے توقع ہے کہ بادشاہ سے جب ملنے جلنے کا موقع ملے تو شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج کی سعی کرتے رہیں اور مسلمانوں کو وطن میں بے وطنی کی زندگی سے نجات دلائیں [3]

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۳ھ، مکتوب نمبر ۱۹۵

(بقیہ بر صفحہ نمبر ۱۵۸)

بعض مشرکانہ رسمیں حرم شاہی میں رائج تھیں چنانچہ ان کے انسداد کے لیے حضرت مجدد نے شیخ فرید بخاری کو اس طرح متوجہ فرمایا :۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۵۷)

۵۲ ۔

۵۳ مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر ۴۷

نوٹ :۔

ڈاکٹر سید معین الحق نے اپنی تالیف معاشرتی و علمی تاریخ (مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ء، ص ۲۱۹۔) میں یہ بات ثابت کرنے کی سعیٔ ناتمام فرمائی ہے کہ صرف حضرت مجدد کی وہ ذات گرامی نہ تھی جس نے تن تنہا اکبری الحاد کا مقابلہ کیا یا اعیانِ مملکت کو اصلاح حال کی طرف متوجہ کیا بلکہ (بقول فاضل موصوف) خود اعیانِ مملکت نے حضرت مجدد کو اصلاح و ارشاد کی طرف متوجہ کیا (سبحان اللہ!) چنانچہ فاضل موصوف نے اس کمزور دعوے کے لیے جو دلیل پیش فرمائی ہے وہ دعوے سے زیادہ عجیب تر ہیں۔

انہوں نے حضرت مجدد کے مکتوب مذکور (نمبر ۴۷) کے ابتدائی تعارفی حصے کو جس میں بالعموم، مکتوب شریف کا لب لباب بیان کیا جاتا ہے۔ کمال چابک دستی سے شیخ فرید بخاری کی طرف منسوب کر دیا گویا کہ یہ حضرت مجدد کے مکتوب کا خلاصہ نہیں بلکہ شیخ فرید بخاری کا مکتوب ہے جو حضرت مجدد نے اپنے مکتوب میں نقل فرمایا ہے ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے :

فاضل موصوف نے اسی دلیرانہ تحریف کو اپنے دعوے کے لیے حجت قاطع قرار دیا اور وہ مکتوب جس سے صاف صاف عیاں ہے کہ حضرت مجدد نے شیخ فرید بخاری کو بر وقت متوجہ کر کے اصلاح و ارشاد کا حق ادا کیا، فکری بازی گری سے ایسا الٹا کیا کہ اہلِ دانش انگشت بدنداں رہ گئے۔ صرف اس ایک مثال سے حضرت مجدد کے متعلق فاضل موصوف کی دیانت و امانت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مسعود

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان رسومات کی قباحت سے بادشاہ کو آگاہ کریں اور اس کو دور کرنے کی کوشش کریں، شاید یہ اس وجہ سے اختیار کی گئی ہوں کہ بادشاہ ان کی برائی سے اچھی طرح واقف نہ ہو۔[1]

حضرت مجدد کی ان اصلاحی اور تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہانگیر بطورِ خاص ترویج شریعت کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے شیخ فرید بخاری کو حکم دیا کہ امورِ شرعیہ میں مشورہ دینے کے لیے علماء کی ایک مجلس یا کونسل قائم کی جائے۔

اکبری دور کی لادینی اور بدمذہبی دیکھیے اور پھر رفتہ رفتہ اسلام کا یہ فروغ کہ خود شاہِ وقت امورِ شرعیہ میں استفادے کے لیے علماء کے مشوروں کا طلب گار ہے۔ یہ عظیم الشان انقلاب اور یہ محیر العقول تبدیلی یوں ہی نہیں ہو گئی، اس انقلاب اور اس تبدیلی میں حضرت مجدد کی بے باکانہ، سرفروشانہ اور مومنانہ تبلیغ و اصلاح کا پورا پورا دخل ہے، اس حقیقت سے گریز غیر مورخانہ اور تاریخی خیانت ہے۔

بات سے بات نکلتی چلی گئی، عرض یہ کر رہا تھا کہ جہانگیر نے شیخ فرید بخاری سے علماء کی ایک کونسل قائم کرنے کے لیے کہا، چنانچہ جب حضرت مجدد کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے شیخ فرید بخاری کو بروقت ہدایات جاری کیں، آپ نے تحریر فرمایا:۔

سنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام (جہانگیر) نے اپنے اسلامی حسن باطن کی بناء پر آپ سے فرمایا کہ آپ چار ایسے دیندار عالم مہیا کریں جو حاضر رہ کر مسائلِ شرعیہ بیان کیا کریں تاکہ کوئی امر خلاف شرع واقع نہ ہو الحمد للہ سبحانہ علی ذلک۔ مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر کیا بشارت اور ماتم زدگان کے لیے اس سے اچھی کیا خوش خبری ہو سکتی ہے، چوں کہ فقیر اسی (دینی) غرض سے آپ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور بار بار اس امر کا اظہار بھی کیا جا چکا ہے۔ اس لیے ضرورۃً (اب بھی) اس بارے میں کہنے اور لکھنے سے باز نہ رہوں گا، امید ہے کہ مجھے معذور قرار دیں گے صاحب الغرض مجنون۔

اسی لیے گزارش ہے کہ ایسے علماء دیندار جو حبّ جاہ اور حبّ ریاست سے

---

[1] مکتوبات شریف، جلد اول، مکتوب نمبر ۱۹۴

علیحدہ ہوں اور ترویج شریعت اور تائید ملت کے علاوہ کوئی مقصد نہ رکھتے ہوں، تعداد میں بہت قلیل ہیں ——— اگر ان میں حب جاہ ہو گی تو ہر ایک کوئی نہ کوئی ڈگر اختیار کر کے اپنی فضیلت کا اظہار کرے گا، اختلافی مسائل درمیان میں لائے گا اور اس کو بادشاہ کے قرب کا ذریعہ بنائے" ،اس صورت میں لامحالہ دین کی مہم ابتر ہو جائے گی، زمانہ گزشتہ (عہد اکبری) میں علمائے سو کے اختلافات نے ہی دنیا کو بلا میں ڈالا تھا ——— اب بھی صحبت علماء سوء کا اندیشہ در پیش ہے ——— ایسی صورت میں ترویج دین کیا خاک ہو گی بلکہ الٹی تخریب دین ہو جائے گی ۔ میں علماء سوء کے فتنے سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں ———

(میرے نزدیک) اگر صرف ایک عالم کو اس غرض کے لیے منتخب کیا جائے تو بہتر ہو گا، علمائے آخرت میں سے کوئی عالم میسر ہو تو اس سے اچھی کیا بات ہے ،اس کی صحبت کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے ——— اگر وہ میسر نہ آئے تو غور و فکر کے بعد علماء میں کسی بہتر اور غنیمت عالم کا انتخاب کر لیا جائے مالا یدرك كله لا يترك كله اس بارے میں سوائے اس کے اور کیا لکھوں کہ جس طرح خلائق کی رستگاری علماء کے وجود سے وابستہ ہے اسی طرح دنیا کا زیاں بھی ان ہی پر منحصر ہے، بہترین علماء بہترین عالم ہیں اور بدترین علماء بدترین خلائق، ہدایت و گمراہی دونوں ان پر موقوف ہے ،ایک شخص نے ابلیس کو دیکھا کہ وہ بیکار بیٹھا ہوا ہے تو اس کا سبب پوچھا، اس نے جواب دیا کہ اس زمانے کے علماء میرا کام انجام دے رہے ہیں اور وہ دنیا کو گمراہ کرنے کے لیے کافی ہیں ؎

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

اس لیے اس معاملے میں پورے اخلاص سے غور و فکر کے بعد قدم اٹھانے کی ضرورت ہے ورنہ جب موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا، اس قسم کی باتیں زیرک اور ہوشمند گروہوں کے سامنے کہتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن اپنے لیے سعادت سمجھ کر عرض کیا گیا[1]

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر

حضرت مجدد نے اس نصیحت آمیز مکتوب میں جس مومنانہ فراست کا مظاہرہ فرمایا ہے وہ خاص توجہ ہے خصوصاً دورِ جدید میں جب کہ ہم مسلمان احیاء شریعت اور نفاذ شریعت کے لیے کوشاں ہیں اور حسرت سے ایک ایک کا منہ تک رہے ہیں۔ اس مکتوب میں اسلامی حکومت کے قیام اور شریعت کی ترویج و اشاعت کے لیے علماء سے متعلق یہ بصیرت افروز نکات اور تنبیہات ارشاد فرمائی ہیں:۔

نکات:۔

۱۔ ایسے علماء منتخب کیے جائیں جو حبِ ریاست سے بے نیاز ہوں۔

۲۔ تائید ملت اور ترویج شریعت کے علاوہ ان کا کوئی مقصد نہ ہو۔

۳۔ چار علماء کے بجائے صرف ایک ہی عالم کافی ہے۔

۴۔ یہ عالم علمائے طریقت سے ہو تو اچھا ہے کہ اس کی صحبت اکسیر ہے۔

۵۔ یہ میسر نہ آئے تو غور و فکر کے بعد علماء میں سے کسی بہتر اور غنیمت عالم کا انتخاب کر لیا جائے۔

تنبیہات:

۱۔ مخلوق کی رستگاری اور زیاں علماء سے وابستہ ہے۔

۲۔ بہترین علماء، بہترینِ عالم ہیں اور بدترین علماء بدترینِ خلائق۔

۳۔ ہدایت و گمراہی دونوں ان ہی پر موقوف ہے۔

ان نکات اور تنبیہات پر گفتگو کرنے کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اپنی کسی تالیف میں تفصیلی بحث کی جائے گی۔ اہلِ نظر اور اہلِ سیاست جو نظام اسلامی کے لیے کوشاں ہیں ان کیلئے یہ نکات و تنبیہات مشعل راہ کا حکم رکھتی ہیں۔

ایک طرف تاریخی شواہد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر بادشاہ کے دورِ الحاد کے بعد سرزمین پاک و ہند میں اسلام کی غربت و زبوں حالی ختم ہو رہی تھی لیکن دوسری طرف بعض عیسائی مورخین اس کوشش میں مصروف نظر آتے تھے کہ جہانگیر کو ملحد و بے دین ثابت کیا جائے۔ غالباً اس لیے کہ حضرت مجدد اور آپ کے ہم نوا اسلام پسند گروہ کی شاندار مساعی پر پردہ ڈال کر جہانگیر پر اپنے مذہبی اثرات ثابت کریں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مورخین مزاج حکومت کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے ہوں اور بعض خلافِ شرع امور دیکھ کر محض اندازے اور قیاس سے یہ رائے

قائم کرلی ہو کہ جہانگیر ملحد و بے دین تھا چنانچہ
جرمن مؤرخ ڈاکٹر گستاؤلی بان نے لکھا ہے :-

جہاں گیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۴۸ء) اگرچہ اپنے باپ کے پایہ کا نہ تھا لیکن نہایت نامور بادشاہ تھا، لامذہب ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے باپ کا طریقہ جاری رکھا، اس نے ہندو اور مسلمان بیویاں کیں اور اس کے ساتھ برابر کا برتاؤ کرتا رہا، جہاں گیر نے نصرانیوں کو بھی پناہ دی اور اس کے دار السلطنت میں تقریباً ساٹھ نصرانی تھے[۱]

اسی طرح ایک انگریز مورخ ایڈورڈ ڈیز لکھتا ہے :-

اس میں شک نہیں کہ اس اعلان عام نے اہل سنت و جماعت کو مطمئن کر دیا ہوگا لیکن اس اعلان و اقرار کے باوجود جہاں گیر ایک پاکباز اور متقی مسلمان نہیں رہا، اپنے باپ کی طرح اس کے رجحانات بھی ملحدانہ تھے، علماء اسلام اور عیسائیوں پادریوں کے درمیان جو مباحث ہوتے تھے ان کو وہ خوشی خوشی سنتا تھا، فنون لطیفہ کو ہمیشہ پسند کرتا تھا، مذہبی قسم کی تصاویر اس کی چاروں طرف آویزاں رہتی تھیں، ان میں زیادہ تر عیسائی طرز کی ہوتی تھیں جن سے اس کے بہت سے درباریوں کو چڑ تھی، وہ اس حد تک آگے بڑھ گیا تھا کہ عیسائی علامتی نقوش بھی اپنی مہر پر کندہ کرا لیے تھے[۲]

جہاں گیر کو ملحد و لامذہب کہنا حقیقت فراموشی ہے۔ اکبر کی زندگی ہی میں اس نے مولانا میر کلاں ہروی مولانا قطب الدین اور عبد الرحیم خان خاناں سے استفادہ کیا تھا، خان خاناں حضرت مجدد کے خاص معتقدین میں تھے، مکتوبات شریف میں بہت سے خطوط ان کے نام موجود ہیں، ان کے اور دوسرے اعیان سلطنت کے واسطے سے جہاں گیر پر حضرت مجدد کا اثر ہوا اور آخر میں جب ۱۰۲۸ھ اور ۱۰۳۲ھ کے درمیان آپ لشکر شاہی کے ساتھ وابستہ رہے تو یہ اثرات اور نمایاں ہو کر سامنے آئے حقیقت تو یہ ہے حضرت مجدد نے جہاں گیر کا مزاج ہی نہیں بدلا بلکہ مزاج حکومت بدل کر رکھ دیا[۵]

---

[۱] ڈاکٹر گستاؤلی بان: تمدن ہند، مطبوعہ آگرہ ۱۹۱۴ء، ص ۔ ۱۴۰۰

[۲] S Edwardes : Mughul Rule in India, p. 62.

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

اس میں شک نہیں کہ جہاں گیر ۹۷۷ھ / ۱۵۶۹ء میں راجہ بہاری مل کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا اور ۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء میں راجہ بھگوان داس کی لڑکی سے اس کی شادی ہوئی اس کے علاوہ اس نے اور بھی ہندو بیویاں کیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء میں کیپٹن ہاکنز، جیمز اوّل کا پیغام لے کر دربار جہاں گیری میں آیا اور اس کے بعد ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء میں ولیم اڈورڈیز ایک دوسرا پیغام لایا اور اس کے بعد سر تھامس رو بھی جہاں گیر کے دربار میں آیا اور تین سال مقیم رہا، یہ سب کچھ ہوا لیکن ان حقائق کی بنیاد پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہندو ذہنیت رکھتا تھا یا عیسائیوں کی طرف مائل تھا، جہاں گیر اوّل و آخر مسلمان تھا البتہ جیسا کہ حضرت مجدد کے بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آخر عمر میں ایک متقی اور پرہیزگار مسلمان ہو گیا تھا تو یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، وہ آزاد منش مسلمان تھا، اس نے آخر وقت تک شراب پی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نے اسلام کی حمایت کی خصوصاً اہل سنت و جماعت[1] کی اور اس کے عہد میں اسلام کو بہت فروغ ہوا اور بعد میں شاہ جہاں (م ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء) اور اورنگ زیب عالمگیر (م ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء) کے دورِ حکومت میں حالات بہتر سے بہتر ہوتے گئے، ترویج شریعت کے اعتبار سے جہاں گیر کے دور کو عبوری دور کہہ سکتے ہیں جس میں ان بہت سی خرابیوں کا قلع قمع کر دیا گیا جس کی بنیاد اکبر بادشاہ نے رکھی تھی اور انقلاب نو کی تکمیل شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے دور میں ہوئی۔ کراچی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور بین الاقوامی شہرت کے مالک پاکستانی مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے تبلیغی و

---

[1] جہاں گیر اہل سنت و جماعت کا حامی و مددگار تھا، حضرت مجدد مولانا محمد اشرف کے نام ایک مکتوب (جلد اوّل، نمبر ۲۵) میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"الحمد للہ سبحانہٗ والمنۃ کہ سلطان وقت خود را حنفی مذہب می گیرد و از اہل سنت می داند
الا کار بر مسلماناں بسیار تنگ می شد، شکر ایں نعمت عظمیٰ بجا باید آورد"

(مسعود)

اصلاحی مساعی کے تدریجی ثمرات کا اس طرح ذکر کیا ہے :۔

جہاں گیر کے دورِ حکومت میں شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ میدان میں آنے، آپ کی مسلسل کوششوں سے تحریک احیاء دین کا آغاز ہوا جیسا نچہ اس انقلاب تبدیلی کے نتیجے میں سیاسی سطح پر جو کوششیں کی گئیں وہ اکبر، جہاں گیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب عالم گیر کے درباروں کی بدلتی ہوئی فضاؤں میں دیکھی جا سکتی ہیں، اکبر بادشاہ آزاد خیالی اور الحاد کا نقطۂ معروج تھا، جہاں گیر کی تخت نشینی سے اس آزاد خیالی کا زوال شروع ہوتا ہے، شاہ جہاں اگرچہ ایک پارسا سنی مسلمان تھا اور دربار میں کسی قسم کی مذہبی ڈھیل برداشت نہیں کرتا تھا تاہم اس نے غیر سنیوں کو بھی مطمئن رکھا، اورنگ زیب عالم گیر سنیت کا نشان فتح و ظفر تھا۔[1]

حضرت مجددؒ اور جہاں گیر :

جہاں گیر کی تخت نشینی سے پہلے اور بعد حضرت مجدد کی اصلاحی جدوجہد کی ایک جھلک پیش کی گئی اور خود جہاں گیر کے کردار پر بھی مختصراً روشنی ڈالی گئی لیکن اب ہم پھر حضرت مجدد کی اصلاحی کوششوں، اس کے ردِ عمل اور انقلابِ نو کی داستان سناتے ہیں اور سیرت مجددیہ کے اس باب کا تعارف کراتے ہیں جو نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا ایک سنہرا باب ہے[2]، میرا اشارہ اس عظیم حادثے کی طرف ہے جب جہاں گیر

---

[1] I. H. Qureshi : *A History of Freedom Movement*, **Karachi**, 1957. p 20.

[2] حضرت مجددؒ مخدوم زادہ خواجہ عبید اللہ علیہ الرحمہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

ہر چند سلامتی در زاویہ است اما دولت غزا و شہادت در معرکہ است کنج زاویہ با اہل ستر دارا بر ضعف مناسب است، کارِ مردان اتو یا مبارزت و "معرکۂ کبریٰ" است ۔

(مکتوبات شریف، جلد سوم، مکتوب نمبر ۵۶)

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

نے آپ کو جواب طلبی کے لیے دربار میں بلایا اور پھر قلعہ گوالیار میں پابند سلاسل کر دیا۔ ــــــ یہ داستاں بڑی پُرسوز و جاں گداز ہے لیکن ساتھ ہی پُرساز و جاں فروز ہے۔ ہم یہ داستان ان ذیلی عنوانات کے تحت سنائیں گے :۔

(۱) دورِ نظربندی ۱۰۲۷ھ تا ۱۰۲۸ھ

(۲) دورِ پابندی ۱۰۲۸ھ تا ۱۰۳۴ھ

ہاں اے غمخوارو و دلدارو : کہ اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

جس بادشاہ کے آگے اس کی رعایا سجدہ ریز ہو اس کی فرعونیت اور نخوت و غرور کا کیا عالم ہوگا، ہاں آج اسی جابر و قاہر بادشاہ نے اپنے دربار میں طلب کیا ہے، دربار کے باہر یگانوں اور بیگانوں نے غل مچا رکھا ہے، دربار کے اندر کچھ دوست ہیں مگر خاموش خاموش سے، دشمن ہیں کہ ریشہ دوانیوں میں مصروف ــــ کچھ ایسی لگائی کہ شاہِ وقت غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گیا جی ہاں، آپے سے باہر! تزک جہاں گیری میں اس کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہایت غضب ناک اور پندار شاہی میں بدمست ہے۔ قوت تمیز سلب ہو چکی ہے، دوں فطرت اور عالی فطرت میں تمیز کر نہیں پا رہا، جو منہ میں آ رہا ہے، بک رہا ہے۔

غور کرو ایک دردمند مصلح نے اپنی خستہ حال قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہو اور جس بادشاہ کی رعیت میں رہ کر وہ اصلاح کرنا چاہتا ہو وہی اس کا دشمنِ جان بن گیا ہو، آتشِ غضب نے اس کو فرعونِ بے ساماں بنا دیا ہو، ایسے غضبناک فرعون کے سامنے جانا اور بے دھڑک جانا کوئی آسان بات نہیں۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ معمولی سے معمولی اور عاجز سے عاجز افسر کے سامنے جاتے ڈرتے ہیں اس

(بقیہ صفحہ سابقہ)

اور یہ معرکہ کبریٰ دربار جہاں گیری میں بپا ہوتا ہے :۔

صحبت ہائے عجیب و غریب می گذارند، و بعنایۃ اللہ سبحانہ سر موئے دریں گفتگو ہا ئے امور دینیہ و اصول اسلامیہ مسابلۃ و مداہنۃ راہ نمی یابد و ہماں عبارات کہ در خلوات و در مجالس

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

کی رضا طلبی کے لیے اس طرح لوشاں تنے ئیں کہ رضائے الٰہی کا ذرا خیال نہیں آتا اور اگر خدا نخواستہ وہ غضبناک ہو کر جواب طلبی کے لیے بلائے تو پیروں تلے سے زمین نکل جاتی ہے، چھکے چھوٹ جاتے ہیں، منہ سے کچھ نہیں نکلتا، سراپا عجز و انکسار بن جاتے ہیں ــــ لیکن دیکھو دیکھو وہ جانے والا کس آن بان سے جا رہا ہے، کوئی اس کا مونس و غمخوار نہیں کوئی اس کا دلدار و دمساز نہیں، ہاں اس کا رب اس کے ساتھ ہے وہ بے نیازانہ دربار میں داخل ہوتا ہے کس کا سجدہ کیسی زمیں بوسی کیسا بادشاہ، کس کا بادشاہ؟ ــــ وہ اس کا غلام ہے جس نے شہنشاہیت کو پیروں تلے روندا تھا اور بندوں کو خدا کے سامنے ہاں صرف خدا کے سامنے جھکا کر زمین سے آسمان پر پہنچا کر بے نیاز عالم کر دیا تھا، جس نے فقیری میں شاہی کی تھی، جو اپنے جانثاروں کے ساتھ اس طرح بیٹھتا تھا کہ دنیا کا کوئی بادشاہ اس طرح نہ بیٹھا ہوگا اور ایسا رعب و دبدبہ رکھتا تھا کہ چہار دانگ عالم میں ہر کوئی لرزہ باندام تھا ؎

از چشم تو لرزاں . لرزاں دو عالم

از زلف برہم . برہم نظامے

ہاں وہ اسی صاحب جبروت آقا کا غلام ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم :

جو کچھ پوچھا گیا، برملا جواب دیا گیا ــــ قربان جائیے اس جرأت و ہمت کے! نثار ہو جائیے اس استقامت و استقلال کے! ــــ ہاں جواب دیا اور معقول جواب دیا، کچھ غصہ ٹھنڈا ہوا مگر دشمنوں نے ایسی لگائی کہ پھر غضبناک ہو گیا۔ دل میں آگ سلگنے لگی، ــــ اس نے دربار شاہی میں یہ منظر نہ دیکھا تھا کہ جس شخص کو مجرمانہ حیثیت سے طلب کیا گیا ہو وہ اس طرح سامنے کھڑا ہو جیسے آقا، غلام کے سامنے کھڑا ہوا کرتا ہو، وہ فقر غیور کی یہ ادا دیکھ کر جل گیا اور سمجھا کہ شاید اس مرد کامل کو نخوت و غرور نے دیوانہ خود سر بنا دیا ہے۔ پندار شاہی نے یہ سمجھنے پر مجبور کیا ــــ اس نے قدم اٹھایا اور بہت سخت قدم اٹھایا، اسی وقت دربار میں ایک ہندو راجپوت افسر کے سپرد کیا کہ جا کر قلعہ گوالیار میں بند کر دے ہاں اس انسان کامل کو بند کر دے جس نے صرف شہنشاہ مطلق کے سامنے سر جھکایا اور اس سر جھکانے میں وہ لطف محسوس کیا کہ پھر کسی کے سامنے سر نہ جھکایا۔ جس نے عہد کیا کہ وہ تا عمر پیمان محبت کو خاک میں نہ

(بقیہ صفحہ سابقہ)

خاصہ بیان می کرد دریں معرکہ، بتوفیق اللہ سبحانہ بیان می نماید ۔

(مکتوبات شریف، جلد سوم، مکتوب نمبر ۴۳)

ملائے گا، ہاں اس کو بند کردو :

نہ معلوم اس ہندو راجپوت نے کیا سلوک کیا۔ آگرے سے گوالیار کس طرح لے گیا، قلعہ گوالیار میں لے جاکر کیا کیا۔ ہاں اس پائے نازنین کو پابند سلاسل کیا۔ یہ کیسا ظلم کیا ہے ـــــ سرزمین ہند میں اس کے جانثار وفدا کار اس کے اشارے کے منتظر ہیں مگر وہ اپنے رب کریم کی رضا پر راضی ہے ظالم ظلم کیے جا رہے ہیں مگر وہ لطف اٹھا رہا ہے کیا چشم عالم نے کبھی یہ منظر دیکھا ہے؟ ـــــ ظالم نے نہ صرف پابند سلاسل کیا، گھر اجاڑ دیا ـــــ کتب خانہ ضبط، جائداد ضبط، کنواں ضبط، زمین ضبط جو کچھ پاس تھا سب ضبط کرکے بے آسرا کر دیا گیا، مگر جس کا آسرا خدا پر ہو وہ کسی آسرے پر نہیں رہتا۔ اس پر بھی بس نہیں کیا، وہ آپ کو شہید کرنا چاہتا تھا، ہندوستان کے طول و عرض میں شہادت کی خبر اڑ چکی تھی۔ اس زمانے میں کسی کی گردن مار دینا بازی طفلاں سے زیادہ نہ تھا، معمولی بات تھی، جس کا چاہا سر اڑا دیا، کوئی پرسان حال نہ تھا، زندگی کا کھیل کھیلا جاتا تھا ـــــ لیکن نہ معلوم کیوں وہ ایسا نہ کر سکا ایک سال کے اندر اندر کچھ ایسا مجبور ہوا کہ چھوڑتے ہی بن پڑی، لیکن ابھی ترکش میں کچھ تیر باقی تھے، مشق ستم ختم نہ ہوئی تھی، یوں دکھانے کو خلعت و انعام سے نوازا مگر گھر جانے نہ دیا، اپنے ساتھ رکھا، ایک قید سے چھوٹے دوسری قید شروع ہوگئی، نظر بندی ختم ہوئی تو پابندی شروع ہوگئی۔ تزک جہانگیری میں لکھتا ہے کہ ہم نے کہا کہ "چاہو تو گھر چلے جاؤ" یا پھر ہمارے ساتھ رہو، تو انہوں نے ہمارے ساتھ رہنا پسند کیا۔ شاہ وقت اور یہ جھوٹ! توبہ توبہ! استغفر اللہ! پانچ سال پابند رکھا اور پھر بدقت تمام اعیان مملکت کی سفارش سے اجازت دی لیکن شاید اس شرط پر کہ سرہند جاکر مجلسیں نہ جمائیں گے، خلوت میں وقت گزار دیں گے۔ تو ایسا ہی کیا گیا اور اسی خاموشی میں جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر دی، افسوس صد افسوس جو باتیں لکھنے کی تھیں، مؤرخ نے نہ لکھیں مگر نگاہ تیز قرائن سے سب کچھ معلوم کر سکتی ہے۔

۱۰۲۸ھ سے ۱۰۳۴ھ تک کے چھ سالہ دور پر پردے پڑے ہوئے ہیں، کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا ہاں جو کچھ معلوم ہوا آج ہم اُن رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

شہپر زاغ و زغن در بند قید و صد نیست

ایں سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۲۸ھ تک جہانگیر سے آپ کی ملاقات نہیں

ہوئی تھی البتہ یک طرفہ مراسلت ضرور تھی چنانچہ مکتوبات شریف کی جلد سوم میں جہاں گیر کے نام یہ خط ملتا ہے:

بادشاہ کی فتح و نصرت کی دعا کی جاتی ہے کیونکہ اجرائے احکام شریعت، سلطنت کی تائید اور تقویت پر منحصر ہے۔ فتح و نصرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اسباب وغیرہ، یہ فتح و نصرت کی ظاہری صورت ہے، دوسری قسم فتح و نصرت کی حقیقت ہے، وہ مسبب الاسباب کی طرف سے ہے وما النصر الا من عند اللہ، اس حقیقت فتح و نصرت کا تعلق خاصان خدا کی دعاؤں سے ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا یرد القضاء الا الدعاء، خدا کی قضا کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی لیکن دعا۔ تلوار اور جہاد میں یہ قوت نہیں کہ وہ قضائے الٰہی کو ٹال دے لیکن دعا میں خدا نے یہ طاقت رکھی ہے، اس لیے لشکر کی قوت سے دعا کی قوت زیادہ قوی اور موثر ہے، قوت لشکر مثل جسم کے ہے اور قوت دعا مثل روح کے، بغیر روح جسم کارآمد نہیں، اس لیے فقراء کی دعاؤں کا فوجوں کے ساتھ ہونا ضروری اور لابدی ہے، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاد کے وقت فوجی قوت کے باوجود فقراء و مہاجرین کے وسیلے سے فتح و نصرت کی دعا فرماتے تھے، حضور نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن علماء کی سیاہی شہداء کے خون سے بہتر ہوگی۔ اگرچہ فقیر خود کو اس لائق نہیں پاتا کہ لشکر شاہی کے دعاگویوں میں شامل کرے لیکن فقیر کے نام اور اس کے دعا کی اجابت کی امید کی وجہ سے لشکر شاہی سے الگ بھی نہیں ہے[1]

یہ مکتوب گرامی مکتوبات شریف کی تیسری جلد میں موجود ہے جو ۱۰۲۸ھ اور ۱۰۳۱ھ کے چار ۔۔۔ کے خطوط پر مشتمل ہے، اغلب یہی ہے کہ یہ مکتوب ۱۰۲۸ھ میں تحریر فرمایا[2] کیوں کہ اسی سال جہاں گیر نے آپ کو طلب کیا تھا، ممکن ہے کہ آپ کے اس مومنانہ اور مخلصانہ خطاب نے جہاں گیر کو چراغ پا کیا ہو۔ شاہی خود سر بنا دیتی ہے، نصیحتیں زہر معلوم ہونے لگتی ہیں، اس لیے عین ممکن ہے کہ اس نے سوچ ہو کہ۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر

[2] ڈاکٹر فریڈمین نے اپنی انگریزی تالیف شیخ احمد سرہندی (مطبوعہ مانٹریال ۱۹۷۱ء، ص ۔۔۔) میں بغیر کسی دلیل کے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ مکتوب قلعہ گوالیار سے رہائی کے بعد (باقی بر صفحہ ۲۰۹)

ایک فقیر بے نوا ہم سے اس شاہانہ آن بان سے خطاب کر رہا ہے؛ اس کے علاوہ اس زمانے میں بعض مخالفین و معاندین نے جہاں گیر کے خوب کان بھرے اور حضرت مجدد کے خلاف بھڑکایا، مخالفین میں شیعہ حضرات پیش پیش تھے، ان کی مخالفت اسی وقت سے چلی آرہی تھی جب کہ حضرت مجدد نے اواخر دسویں ہجری میں روافض کے خلاف اپنا معرکۃ الآرا رسالہ تصنیف فرمایا، بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جہانگیر کے وزیر اعظم آصف جاہ (جو مذہباً شیعہ تھا) نے جہاں گیر کو حضرت مجدد کے خلاف بھڑکایا، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے :-

> جہاں گیر کے وزیر اعظم آصف جاہ نے جہاں گیر کو مشورہ دیا کہ شیخ احمد کے باب میں احتیاط سے کام لیا جائے کیونکہ ان کا اثر ہندوستان، ایران، توران، اور بدخشاں میں پھیلتا جارہا ہے، اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ فوج کے سپاہیوں کو شیخ احمد کے مریدین کے پاس آنے جانے اور عہد کرنے سے روکا جائے اور شیخ احمد کو نظر بند کر دیا جائے [1]

اس خیال کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو حضرت مجدد کے خلیفۂ اجل خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے زبدۃ المقامات میں نقل کیا ہے۔ موصوف نے لکھا ہے :-

> آگرے میں حضرت مجدد کا کوئی خلیفہ نہ تھا اس لیے آپ نے خواجہ بدیع الدین سہارنپوری کو وہاں بھیجا۔ خواجۂ موصوف کو وہاں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ خوب مجلسیں جمیں اور امراء و فقراء سب ہی آئے لیکن اسی اثناء میں خواجہ بدیع الدین حضرت مجدد کے ارشاد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سہارنپور چلے گئے، یہ بات حضرت مجدد پر بہت ہی گراں گزری جب خواجہ بدیع الدین سرہند پہنچے تو ان کو یہ بات معلوم ہوئی۔ چنانچہ آپ نے حضرت مجدد سے پھر آگرے جانے کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا کہ وقت تو وہی تھا۔

بقیہ صفحہ سابقہ) (۱۰۲۹ھ/۱۶۱۹ء) میں لکھا گیا ہے لیکن مکتوب کے مضمون سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ ۱۰۲۸ھ کے اوائل میں لکھا گیا ہے یا اس سے پہلے رہائی کے بعد تو ۱۰۲۹ھ سے ۱۰۳۳ھ لشکر شاہی کے ساتھ رہے اس لیے اس لیے خط لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسعود

حاشیہ صفحہ ہذا:

[1] برہان احمد فاروقی: مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۳۶۔

اب جانا چاہتے ہو تو تمیں اختیار ہے۔

آگرہ چوں کہ دار السلطنت تھا اس لیے وہاں فوجیوں کا اژدھام رہتا تھا، ایک جماعت خواجہ موصوف کی خدمت میں پہنچی، آپ نے ان کو بڑی خشونت آمیز نصیحتیں کیں اور اپنی روحانی بلندیوں کا ذکر کیا بلکہ بعض ناگفتنی وقائع و مکشوفات بیان کیے، یہ باتیں جب مخالفین کے کانوں تک پہنچیں تو انہوں نے ایک فتنہ کھڑا کر دیا اور خواجہ بدیع الدین آگرے میں نہ رہ سکے۔ بلکہ اس فتنے کا اثر حضرت مجدد پر بھی ہوا اور اس عہد کے بادشاہ (جہاں گیر) نے جو اس گروہ سے کوئی عقیدت نہ رکھتا تھا آپ کو طلب کر کے تکلیف دی اور محبوس کر دیا۔

(زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۴۸)

اس میں شک نہیں کہ جہاں گیر کے دربار میں روافض کا کافی اثر و رسوخ تھا اور وہ حضرت مجدد سے خوش نہ تھے بلکہ آپ کو زک پہنچانے کی فکر میں رہتے تھے یہ بھی عین ممکن ہے کہ آصف جاہ کے بھڑکانے سے حضرت مجدد کی گرفتاری عمل میں آئی ہو۔ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ[۵۱] (م۔ ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء) کے مرید خواجہ محمد امین بدخشی نے اپنی تالیف مقامات احمدیہ و ملفوظات معصومیہ میں اس طرف اشارہ کیا ہے، انہوں نے حضرت مجدد کی گرفتاری کے اسباب و علل پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور روافض کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے[۵۲]

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے بھی اسی خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

شیعوں کا جہاں گیر کے دربار میں کافی اثر و رسوخ تھا، حضرت مجدد نے جس شد و مد کے ساتھ ان کے نظریات کی تردید کی اس سے آپ کی شخصیت ان کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی، چناں چہ انہوں نے بادشاہ کو یہ سمجھایا کہ حضرت مجدد کی سرگرمیاں سلطنت کے لیے خطرناک ہیں، چنانچہ آپ ایک مکاشفانہ تحریر کی بنیاد پر ۱۰۲۸ھ میں آپ کو دربار میں طلب کیا گیا، دربار میں داخلے کے وقت آپ کے بے نیازانہ طرزِ عمل کو دیکھ کر بادشاہ جل گیا اور قلعہ گوالیار میں قید کرنے کا حکم دیا[۵۳]

---

[۵۱] اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے مرید اور خلیفہ تھے (مقامات احمدیہ، ص۔ ۱۰۸)

[۵۲] محمد امین بدخشی: مقامات احمدیہ و ملفوظات معصومیہ، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۶۳ و ۶۴

[۵۳] ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، دی انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد اول، جزء ۲، ص۔ ۲۹۷ و ۲۹۸

بات یہی تھی، روافض نے ایسی لگائی کہ بجھائے نہ بجھی، لیکن بہانہ کی ضرورت تھی جیسا کہ اکثر زمین روزگار کو بہانوں کی ضرورت رہتی ہے، تاکتے کہیں ہیں اور نشانہ کہیں لگاتے ہیں، اہل اللہ اور علماء کو گرفتار کرنے کے لیے ایسا بہانہ تلاش کیا جاتا ہے کہ خود ان کے معتقدین بھی ہکا بکا رہ جائیں، حضرت مجددؒ کے متوسلین و مریدین مسلک اہل سنت و جماعت سے وابستہ تھے جن کے نزدیک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سردار اولیاء ہیں، اس لیے الزام یہ لگایا گیا کہ حضرت مجدد کہتے ہیں کہ میں حضرت صدیق اکبرؓ سے افضل ہوں ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے؛

ظاہر ہے کہ اس الزام سے یہی مقصود تھا کہ ایک طرف شیعہ حضرات کو بچا لیا جائے اور دوسری طرف خود حضرت مجدد کے خلفاء و مریدین کو ان سے بدظن کر کے منتشر کر دیا جائے، ورنہ جہانگیر ایسا کون ایکا سنی تھا کہ محض یہ کہہ دینے سے کہ میں حضرت صدیق اکبر سے افضل ہوں ایک شخص کو کشتنی، سوختنی، گردن زنی قرار دیتا۔ وہ اکبر کے سایۂ عاطفت میں پلا بڑھا تھا، اس لیے تدین سے کوسوں دور تھا، اکبر کی صحبت میں ایسا پکا سنی بن جانا عجائب روزگار سے ایک عظیم معجزہ ہوتا، جہانگیر نے معاندین کی اس یقین دہانی پر کہ حضرت مجدد کی قوت بڑھتی جاری ہے، عین ممکن ہے اگر وہ اسلامی انقلاب لا کر سلطنت میں ایک عظیم قیامت برپا کر دیں، آپ کو ایک بہانے سے دربار میں طلب کیا۔

حضرت مجدد اپنے شیخ طریقت حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ (م ۱۰۱۲ھ) کو اپنے روحانی احوال لکھا کرتے تھے، یہ معاملہ ان کے اور پیر بزرگوار کے درمیان تھا، ایک راز معرفت تھا، یہ مکتوب مکتوبات شریف کی پہلی جلد میں موجود ہے جو ۱۰۲۵ھ میں مرتب ہوئی تھی۔ مکتوبات گرامی کا وہ حصہ جس پر جہانگیر کو اعتراض تھا یہ ہے:-

> دوسری یہ عرض ہے کہ اس مقام کے ملاحظہ کے دوران یکے بعد دیگرے دوسرے مقامات عالیہ بھی ظاہر ہوتے گئے نیاز و شکستگی کی جانب توجہ کے بعد جب اس سابق مقام سے دوسرے مقام پر پہنچایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ مقام، مقام ذوالنورین ہے، دوسرے خلفاء نے بھی اس مقام کو عبور کیا، اور یہ مقام بھی مقام تکمیل و ارشاد ہے۔ اسی طرح دو دوسرے مقامات عالیہ پر پہنچایا گیا ہے جن کا ذکر ابھی آتا ہے،۔ اس مقام کے اوپر ایک دوسرا مقام آیا، جب اس مقام پر پہنچایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ مقام فاروق

ہے، دوسرے خلفاء بھی اس مقام سے گزرے ہیں، اس مقام کے اوپر مقام صدیق اکبر نظر آیا (رضی اللہ عنہم اجمعین) اس مقام پر بھی پہنچایا گیا [1]

اس تحریر سے بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت مجدد، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام سے گزر کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقام تک پہنچے اور پھر وہاں سے گزر کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام تک پہنچے، مگر یہ پہنچنا حقیقی نہیں، مجازی تھا، حضرت مجدد نے جہانگیر کے دربار میں خود اس کی تعبیر و تشریح فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ یہ ایک کشف تھا، ایک واقعہ تھا، اور مکاشفات واقعات و خواب کی دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوا کرتا، اس کی بنیاد پر دنیا کی کسی عدالت میں کوئی شخص گردن زنی نہیں ہوا کرتا، ہاں اگر عالم ہوش و بیداری میں یہ دعویٰ کرے تو یقیناً قابلِ مواخذہ ہے، مگر یہاں یہ بات نہیں اور ہو بھی کیسے سکتی ہے جب کہ اولیاءِ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا منبع اولیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔

دورِ نظر بندی
سنہ ۱۰۲۸ تا سنہ ۱۰۲۹

کس درجہ دل پذیر ہے حیرانیٔ جنوں
فارغ ہیں شوقِ عزتِ فرزانگی سے ہم

جہانگیر نے تزک میں حضرت مجدد کا جس انداز سے ذکر کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دشمنوں نے اس کو کیسا بھرا تھا اور حضرت مجدد سے کس حد تک بدظن ہو چکا تھا، دوسری طرف یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں آپ کے مریدین پھیل چکے تھے اور مکتوبات شریف کا ایک غلغلہ بپا تھا۔ سنیے کس بدتمیزی سے وہ آپ کا ذکر کرتا ہے:۔

انہی دنوں (چودھویں جلوس شاہی) مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک جعل ساز نے سرہند میں مکر و فریب کا جال بچھا کر بھولے بھالے لوگوں کو پھانس رکھا ہے، اس نے ہر

---

[1] مکتوبات امام ربانی: جلد اول، مکتوب نمبر ۱۱

نوٹ:۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے مکتوبات شریف کے بعض معترضین و مشککین کا ذکر کیا ہے (زبدۃ المقامات، صفحہ ۱۹۳)

شہ اور ہر علاقے میں اپنا ایک ایک خلیفہ مقرر کیا ہے جو لوگوں کو فریب دینے اور معرفت کی دکانداری کرنے میں بہت پختہ ہیں، اس نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام وقتاً فوقتاً جو خرافات خطوط لکھے ہیں انہیں مکتوبات کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں جمع کیا ہے، اس دفتر بے معنی میں اس نے بہت سی ایسی لغو باتیں تحریر کی ہیں جو کفر کی حد تک پہنچتی ہیں، ایک مکتوب میں اس نے لکھا ہے کہ مقامات سلوک طے کرتے ہوئے وہ مقام ذوالنورین میں پہنچا جو نہایت عالی شان اور پاکیزہ تھا، وہاں سے گزر کر مقام فاروق اور مقام فاروق سے گزر کر مقام صدیق میں پہنچا، پھر وہاں سے گزر کر مقام محبوبیت میں پہنچا، جو نہایت منور و دل کشا تھا، اس مقام پہ، اس پر مختلف الالوان روشنیوں کے پرتو پڑتے رہے۔ استغفر اللہ! بزعم خویش وہ خلفاء کے مرتبے سے بھی بڑھ گیا ہے اور ان سے عالی تر مقام پر فائز ہوا، اس نے اسی طرح کی اور بھی گستاخانہ باتیں خلفاء کی شان میں لکھی ہیں جن کو تحریر کرنا طوالت اور خلفاء کی شان میں بے ادبی کا باعث ہوگا۔

ان وجوہ کی بنا پر میں نے اسے دربار میں طلب کیا تھا حسب الطلب وہ حاضر خدمت ہوا تو میں نے اس سے جتنے سوالات کیے ان میں سے کسی ایک کا بھی کوئی معقول جواب نہ دے سکا، بے عقل اور کم فہم ہونے کے علاوہ مغرور و خود پسند بھی ہے اس لیے میں نے اس کی حالات کی اصلاح کے لیے یہی موزوں سمجھا کہ اسے کچھ دنوں کے لیے قید رکھا جائے تاکہ اس کے مزاج کی شوریدگی اور اس کے دماغ کی آشفتگی جاتی رہے، اور عوام میں جو شورش پھیلی ہوئی ہے وہ تھم جائے چنانچہ اسے انی رائے سنگھ دلن کے حوالہ کیا کہ اسے قلعہ گوالیار میں قید رکھے۔[۱]

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اور سب سے زیادہ شہرت یافتہ "مکتوب یازدہم بہ پیر بزرگوار" کو قرار دیا ہے (زبدہ ۲۵۰، ۲۵۱)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] جہاں گیر:۔ تزک جہاں گیری، مطبوعہ لاہور، سنہ ۱۹۶۰ء، ص ۵۶۳

جہاں گیر کا اس شرح و بسط کے ساتھ تزک میں ذکر کرنا خود حضرت مجدد کی ہیبت، مقبولیت اور شہرت پر دلیل قاطع ہے ورنہ اس زمانے تو ہزاروں تہ تیغ کر دیے گئے، ہزاروں جیل میں ڈال دیے گئے اور بیسیوں صحراؤں میں پھینک دیے گئے، کسی کا کوئی پرسان حال نہ تھا، آخر شاہ وقت کو کیا ہوا کہ وہ ایک "مجرم" کی فرد جرم کے ساتھ ساتھ اپنی صفائی بھی پیش کر رہا ہے، اس تفصیل اور اس صفائی کی کیا ضرورت تھی؟

جہاں گیر کے مندرجہ بالا بیان سے حضرت مجدد کے خلاف یہ فرد جرم تیار ہوتی ہے:۔

۱۔ شیخ احمد جعل ساز ہے جس نے سرہند میں مکر و فریب کا جال پھیلا رکھا ہے۔

۲۔ ہر شہر و دیار میں اس نے اپنے خلیفہ چھوڑ رکھے ہیں جو معرفت کی دکان آرائی میں پختہ کار ہیں۔

۳۔ اس نے مکتوبات کے نام سے ایک مجموعۂ خرافات مرتب کرایا ہے جس میں بعض باتیں کفر کی حد تک پہنچتی ہیں۔

۴۔ اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ خلفاء کے مقامات سے بھی عالی تر مقام پر فائز ہوا ہے۔

۵۔ وہ بے عقل و کم فہم ہے۔

۶۔ وہ مغرور و خود پسند ہے

۷۔ اس نے عوام الناس میں شورش پیدا کر دی ہے۔

آئیے اب ہم اس فرد جرم کا تجزیہ کرتے ہیں:۔

۱۔ جعل سازی حقیقت تو صورت دیکھ کر معلوم کی جا سکتی تھی، کیا ایک بادشاہ میں قیافہ شناسی کا اتنا بھی مادہ نہ تھا کہ وہ ایک جعل ساز اور فرشتہ صورت میں تمیز کر پاتا؟

۲۔ دوسرے الزام کا تعلق پہلے الزام کے تحقق پر منحصر ہے، جب یہی متحقق نہیں تو یہ الزام بے بنیاد ہے۔

۳۔ مکتوبات شریف کا تعلق علم معرفت و شریعت سے ہے۔ اس کو وہی پرکھ سکتا ہے اور اس کے متعلق وہی فیصلہ صادر کرنے کا حق رکھتا ہے جو علم معرفت و شریعت میں ید طولیٰ رکھتا ہو۔ ایک مبتدی اور نا آشنائے محض کو فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں، اس لیے اس کے فیصلے ہر حالت میں نامعقول تصور کیے جائیں گے۔

۴۔ اس بے بنیاد دعویٰ سے قطع نظر دربار میں ایسے حضرات بھی موجود تھے جو خلفاء اربعہ

پر تبرا اور سب وشتم کو دین و ایمان سمجھتے تھے۔ آخر ان کے خلاف کیا کیا گیا؟ جب کچھ نہ کیا گیا
تو معلوم ہوا کہ یہ الزام محض ایک بہانہ ہے۔

۵۔ بے عقل و کم فہم ہونا قابلِ تعزیر جرم نہیں، پھر اس ہستی پر یہ الزام جس کی فراست و دانائی کو دنیا کے
دانشوروں نے تسلیم کیا ہے۔

۶۔ مغرور و خود پسند ہونا فی نفسہ ایک فعل قبیح ہے، لیکن یہ الزام اس بادشاہ کی طرف سے لگایا
جارہا ہے جس کی خود پسندی اور غرور کا یہ عالم تھا کہ اس نے رعایا سے خود کو سجدے کرانے
اور اس کا نام "زمین بوس" رکھا۔ اس لیے یہ الزام بھی بے بنیاد ہے اور خود جہاں گیر کے عیب و
خود پسندی کی غمازی کر رہا ہے۔

۷۔ اس شورش والی بات سمجھ میں آتی ہے، مگر اس شورش کی تفصیل نہ بتائی، صرف اشارے ہی کو کافی
سمجھا۔ ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

یہی وہ شورش تھی جو حضرت مجدد کی اصلاحی تحریک نے ملک کے طول و عرض میں پیدا کر دی تھی،
اور جس نے آگے چل کر سلطنتِ مغلیہ کو ہم آغوشِ اسلام کر دیا، جہاں گیر ایسی شورش کو دبانا چاہتا
تھا جیسا کہ ہر دور کے عیش پرست حاکموں نے ایسی تحریکوں کو دبایا ہے، اسی لیے جہاں گیر نے گرفتاری
کے دو خاص سبب بیان کیے:۔

ا۔ تاکہ اس کے مزاج کی شوریدگی اور اس کے دماغ کی آشفتگی جاتی رہے۔

ب۔ عوام میں جو شورش پھیلی ہوئی ہے وہ ختم جائے۔

حریت پسندی اور اسلام دوستی کو شوریدگی و آشفتگی سے تعبیر کیا اور اس حریت پسندی اور
اسلام دوستی نے فضاؤں میں جو زندگی بھر دی تھی اس کو شورش سے تعبیر کیا۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست!

محمد امین بدخشی نے اپنی تالیف مناقب الاحمدیہ و مقامات احمدیہ میں حضرت مجدد کی گرفتاری، دربار
جہاں گیری میں طلبی، شہزادہ خرم (شاہجہاں) کی درخواست اور حضرت مجدد کے جواب کا اس انداز سے
ذکر کیا ہے:۔

جہاں گیر کے زمانے میں رافضیوں نے بہت سر اٹھایا تھا اور حضرت کے دشمن ہو گئے۔ انہوں نے بادشاہ کو آپ سے بددل کر دیا اور یہ کہا کہ شیخ احمد سرہندی خود کو حضرت ابوبکر صدیق سے بہتر کہتا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کو بادشاہ کے سامنے لے گئے، آپ نے بہت خوب جواب دیے۔

یہ جواب سن کر بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ رافضیوں نے جو دیکھا کہ آپ چھوٹ گئے تو یک زبان ہو کر کہا کہ اس مغرور شیخ نے زمیں بوس نہیں کیا اور اس زعم سے نہیں کیا کہ سپاہیوں میں اس کے بہت سے مرید ہیں، خواص و عوام کی رجوعیت سے ممکن ہے کہ کوئی فتنہ برپا ہو جائے اور ملک گیر شورش پیدا ہو جائے چنانچہ معاندین کی اس عیاری کی وجہ سے آپ کو قید کر دیا گیا۔

اس گرفتاری سے قبل شاہزادہ خرم نے جو آپ کے مخلصین میں تھا آپ کے پاس یہ فتوی دے کر مفتیوں کو بھیجا تھا کہ بادشاہوں کے لیے سجدۂ تعظیمی جائز ہے اگر آپ سجدہ تعظیمی کریں تو بادشاہ کی طرف سے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گی لیکن آپ نے جواب دیا۔

"یہ فتوی تو رخصت ہے، عزیمت یہ ہے کہ غیر حق کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے"۔[1]

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے بھی لکھا ہے کہ شہزادہ خرم (شاہ جہاں) نے افضل خاں اور مفتی عبدالرحمن کو چند فقہ کی کتابیں دے کر حضرت مجدد کے پاس بھیجا تھا[2] مگر آپ نے وہی جواب دیا جو مذکور ہوا۔

دربار میں حاضری کے بعد جہاں گیر نے آپ سے سوالات کیے، آپ نے برملا معقول جوابات دیے۔ جہاں گیر نے ایک جھوٹ یہ بھی بولا کہ:

میں نے اس سے جتنے سوالات کیے ان میں سے کسی ایک کا بھی معقول جواب نہیں

---

[1] محمد امین بدخشی: مناقب الاحمدیہ و مقامات السعیدیہ تالیف ۱۰۸۱ھ (عہد عالم گیری) مخطوطہ مکتوبہ ۱۱۴۰ھ، برٹش میوزیم۔ لندن، ورق ۔ ۱۷۱

[2] غلام علی آزاد بلگرامی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (تالیف ۱۱۷۷ھ) مطبوعہ ۱۳۰۳ھ، ص۔ ۴۹

دے سکا،،

سبحان اللہ! سوال کرنے والا کون ہے اور جواب دینے والا کون؟ یہ جھوٹ تو نہیں کھل جاتا ہے لیکن نہیں۔ ہم وہ جوابات بھی سنائیں گے تاکہ معقولیت و عدم معقولیت کا قارئین خود اندازہ کر سکیں۔

بنیادی سوال اس مکتوب کے بارے میں ہے جس میں آپ نے اپنے روحانی عروجات کا ذکر فرمایا ہے اور جس سے جہانگیر نے یہ استنفاد کیا تھا کہ معاذ اللہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ "میں خلفاء کے مرتبے سے بھی بلند مقام پر فائز ہو چکا ہوں"۔ ذرا اس الزام کا جواب سنیے :-

فرمایا میں تو خود کو کتے سے بہتر نہیں سمجھتا تو پھر حضرت صدیق اکبر سے کیسے افضل سمجھ سکتا ہوں؟ چوں کہ مجھ پر ایک روحانی کیفیت عروج وارد ہوئی تھی اس لیے یہ احوال میں نے اپنے شیخ کو لکھے تھے جو دشمنوں نے ناسمجھی کی وجہ سے آپ تک پہنچا دئے اس کے جواب بہت سے ہیں، آسان تر جواب یہ ہے کہ آج پچاس[1] سال کے بعد آپ نے یاد فرمایا ہے اور اپنے حضور طلب کیا ہے، چنانچہ میں امراء اور شاہزادوں کے مقامات سے گزر کر یہ رہا آپ کے سامنے کھڑا ہوں، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ میں پنج ہزاری سے افضل ہو گیا ہوں، میرا گھر تو وہی پرانا گھر ہے جو سرہند میں جانا پہچانا ہے، ایک مدت کے بعد ایک بار بادشاہ کے حضور پہنچا دیا گیا ہوں، امراء کے مقام سے گزر کر آپ کے قریب کر دیا گیا ہوں، ابھی ابھی اپنے گھر چلا جاؤں گا اور ساری عمر وہیں رہوں گا، آپ کے وزیر، آپ کے امراء ہمیشہ آپ کے قرب میں ہیں اور ہم جیسے تو زندگی میں ایک بار اپنی ضرورت کے لیے آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح اصحاب کرام ہمیشہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب ہیں اور ہم جیسے طالب ساری زندگی میں ایک بار آں حضرت کے قریب پہنچے، ضرورت پوری ہو گئی تو واپس لوٹ آئے اور پھر اپنی جگہ پر آرہے، جب تک زندہ ہیں یہیں رہیں گے۔[2]

---

[1] دربار جہانگیری میں حاضری کے وقت حضرت مجدد کی عمر شریف تقریباً ۵۰ سال ہوگی کیونکہ ۹۷۱ھ میں آپ کی ولادت ہوئی تھی، یہاں پچاس سال سے مراد غالباً یہی ہے کہ زندگی میں پہلی بار دربار میں طلب کیا گیا ہے۔ مسعود

[2] محمد ابن بدخشی، مناقب آدمیہ، ورق ۱۷۱

محمد امین بدخشی نے ایک جواب یہ بھی لکھا ہے :-

جیسے آپ ایک سپاہی کو اپنے پاس بلائیں اور اس کے کان میں کوئی بات کہیں۔ یقیناً پنج ہزاری کے مقامات سے گزر کر آپ کے حضور آتا ہے۔ اور پھر اپنی جگہ جاکر کھڑا ہو جاتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سپاہی کا درجہ دس ہزاری سے زیادہ ہو گیا ہے[1]۔

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت مجدد پر یہ الزام محض ایک بہانہ تھا چنانچہ خود جہانگیر کے پوتے اور شاہجہان کے بیٹے دارا شکوہ (م ۱۰۶۹ھ / ۱۶۹۵ء) نے اس الزام کی تردید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے :-

آخر سال میں شیخ پر بعض اشخاص نے یہ اعتراض کیا بلکہ تہمت لگائی کہ آپ اپنے کو خلفائے راشدین سے بھی افضل مانتے ہیں لیکن حقیقت یہ محض بہتان تھا جو مخالفین نے آپ پر لگایا تھا[2]۔

ایک دوسری جگہ دارا شکوہ نے اپنی استاد حضرت میرک بن شیخ فصیح الدین اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے غالباً یہ ملاقات ۱۰۳۴ھ میں ہوئی جب کہ حضرت مجدد لشکر شاہی سے رخصت حاصل کر کے سرہند شریف تشریف لے آئے تھے، دارا شکوہ نے حضرت مجدد اور اپنے استاد محترم کے درمیان گفتگو کو اس طرح نقل کیا ہے :-

فقیر نے خود اپنے استاد محترم حضرت میرک بن فصیح الدین سے سنا تھا، وہ فرماتے تھے کہ کہ ایک مرتبہ جب میں سرہند شریف سے گزرا تو اتفاقاً شیخ احمد (مجدد الف ثانی) سے ملاقات ہو گئی، ملاقات کے دوران میرے دل میں یہ بات آئی کہ اگر شیخ صاحب کرامت ہیں تو لوگ ان کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ مجھے خاطر نشیں فرما دیں، جب کچھ دیر شیخ کے سامنے بیٹھا تو آپ نے اپنی مسند کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر مطالعہ کے لیے دیا، جب میں نے اس کو پورا پڑھ لیا تو مجھ سے فرمایا کہ "کیا اس تحریر سے

---

[1] ایضاً، ص ۱۲۱

نوٹ :- مولوی وکیل احمد سکندر پوری نے مندرجہ ذیل تصانیف میں اس واقعہ کو مفصل بیان کیا ہے :-

۱ الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی (عربی) مطبوعہ دھلی ۱۳۱۲ھ، ص ۱۰۱ و ۱۰۲

۲ انوار احمدیہ، مطبوعہ دھلی ۱۳۰۹ھ، ص ۱۱، ۱۲

[2] دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء (ترجمہ اردو)، مطبوعہ لاہور، ص ۲۳۱

کوئی ایسی ویسی بات معلوم ہوتی ہے؟" میں نے کہا "اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں۔
اور جو کچھ آپ نے اس میں لکھا ہے صحیح و درست ہے۔" فرمایا کہ آپ کو معلوم ہونا
چاہیئے کہ میرے ساتھ جو واقعہ گزرا یہی ہے باقی جو کچھ کہا جاتا ہے افترا ہے [۱]
سی۔ اے سٹوری نے بھی لکھا ہے کہ حقیقتاً حضرت مجدد پر یہ الزام نہ تھا بلکہ گرفتاری کے لیے ایک
بہانہ تلاش کیا گیا تھا اور مکتوبات شریف کے کلمات کی آڑ سے کر آپ کو گرفتار کیا گیا۔ وہ لکھتا ہے:۔
۱۶۲۸ء میں جہاں گیر نے آپ کے مکتوبات کے بظاہر متکبرانہ کلمات کی آڑ سے کر گوالیار
میں محبوس کر دیا [۲]

جب یہ ایک بہانہ تھا اور حقیقت نہ تھی تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ معاندین کے اکسانے اور خود
جہاں گیر نے اپنی سیاسی مصالح کی بنا پر آپ کو قید کیا، جو کچھ الزامات لگائے گئے وہ کذب و افترا سے
زیادہ نہ تھے۔ چنانچہ ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ نے لکھا ہے:۔
جہاں گیر کے دورِ حکومت (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء) میں شیخ احمد مجدد نامی ایک سنی
عالم تھے انہوں نے شیعہ نظریات کی جس شد و مد کے ساتھ تردید کی تھی اس نے ان کو خاص طور پر
نمایاں کر دیا تھا اس لیے وہ ان پر چند جھوٹے الزامات لگوا کر قید کرانے میں کامیاب ہو
گئے [۳]

معاندین و مخالفین نے تو جہاں گیر کو آپ کے خلاف بھڑکایا ہی تھا لیکن دربار میں حاضری کے بعد گرفتاری
کی فوری وجہ یہ نظر آتی ہے کہ آپ نے آدابِ شاہی کے خلاف جہاں گیر کے سامنے "زمین بوس" (سجدۂ تعظیمی)
نہ کیا۔ اگر زمین بوس کر لیتے تو شاید یہ صورت پیش نہ آتی۔ شہزادہ خرم (شاہ جہاں) کی یقین دہانی سے بھی اس
خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ دربار میں حاضری سے قبل اس نے کہلوایا تھا کہ اگر آپ میرے باپ کو سجدۂ تعظیمی

---

[۱] دارا شکوہ: سفینۃ الاولیاء، مطبوعہ لکھنو ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء، ص ۱۹۷، ۱۹۷

[۲] C A. Storey : *The Persian Literature*, Vol. I, Part II, London, 1953, p. 988

[۳] T.W Arnold : *The Preaching of Islam*, Lahore, 1956, p. 412.

رہیں گے تو کوئی گزند نہ پہنچے گی مگر آپ نے انکار فرمادیا تھا، ایک ہندوستانی محقق سری رام شرما نے عہد شاہجہانی کے مؤرخ عبدالحمید لاہوری کی کتاب بادشاہ نامے کے حوالے سے لکھا ہے:۔

آپ کو جو سزا دی گئی تھی وہ مذہبی امور میں اختلاف کی بنا پر نہیں دی گئی تھی بلکہ دربار میں "زمین بوس" (سجدۂ تعظیمی) نہ کرنے کی وجہ سے دی گئی تھی، یہ ایک قسم کی تادیب تھی، چنانچہ پندرھویں سال جلوس میں آپ کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ آپ بادشاہ کے ہمرکاب رہیں گے[1]

یہی محقق حقائق و شواہد سے نتائج اخذ کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

حضرت مجدد کی سزا نظریاتی عناد کا نتیجہ تھی، کسی قسم کی تعزیر نہ تھی، وہ علامۂ وقت تھے، انشاء پرداز تھے اور ایک عظیم انشاء پرداز، فاضل وقت تھے، مذہبی رہنما کی حیثیت سے ان کی اب بھی عزت کی جاتی ہے[2]

نواب صدیق حسن خاں نے بھی یہی لکھا ہے کہ سجدۂ تعظیمی نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو قید کیا گیا تھا چناں چہ وہ لکھتے ہیں:۔

سلطان جہانگیر نے سجدۂ تعظیمی نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو قلعہ گوالیار میں محبوس کیا آزاد نے اپنی غزل میں اس طرف اشارہ کیا ہے:۔

لقد برع الاقران فی الهند ساجع
وجدد فن العشق یا للمغرد!
فلا عجب ان صاد ه متقنص
الم تر فی الاسلاف قید المجدد[3]

---

[1] Sri Ram Sharma : *The Religious Policy of the Mughal Emperors*, Bombay, 1962, p. 68

[2] Ibid : p 68 and 69.

[3] نواب صدیق حسن خاں: ابجد العلوم مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۵ھ، جلد سوم، ص ۸۹۹

علامہ اقبال نے بھی حضرت مجدد کی اسی عزیمت پسندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار[1]

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو اپنی اسارت کا پہلے ہی از روئے کشف علم ہو گیا تھا چنانچہ آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا تھا، محمد امین بدخشی نے لکھا ہے :۔

ایک روز آپ نے فرمایا کہ ۵۰ اور ۶۰ سال کے درمیان مجھ پر ایک بلا نازل ہوگی ، اور اس سے میری تربیت جلالی کی جائے گی ، وہ مقامات و کمالات جو بے مثال اور لامحدود ہیں ، بغیر اس محنت و مصیبت کے میسر نہیں ہوں گے ۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ مکاشفہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا ———— اور اس قید میں کمالات عالیہ پر فائز ہوئے اور قیدی کافروں کو مشرف با سلام فرمایا[2]، بہت سے قیدیوں کی تربیت فرمائی ، آپ نے فرمایا کہ "مجھے ان لوگوں کی اصلاح و تربیت کے لیے یہاں لایا گیا ہے ، اگر بادشاہ مجھ پر غضب نہ کرتے تو یہ قیدی کیسے ہدایت پاتے اور میں ان بلند درجات و مقامات پر کیسے پہنچ پاتا" اسی وجہ سے آپ بادشاہ سے راضی تھے ، اس کے لیے بددعا نہ فرمائی اور نہ اس کے درپے آزار ہوئے اور خواب و بیداری میں اپنے مخلصین کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ان کے ساتھ برائی کرنا ساری مخلوق کے ساتھ برائی کرنا ہے ، جو بادشاہ کو تکلیف پہنچانے میں اس سے بیزار ہوں[3]

---

[1] اقبال ، بال جبریل ، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء ، ص ۔ ۲۱۱

[2] ٹی ۔ ڈبلیو آرنلڈ ، مفتی غلام سرور لاہوری وغیرہ نے قلعہ گوالیار میں حضرت مجدد کے دست حق پرست پر ہزاروں مشرکین و کفار کے مشرف بالاسلام ہونے کا ذکر کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو :۔

J. Hastings : *Encyclopaedia of Religions and Ethics*, Volume II, New York, 1954. p. 748.

T.W. Arnold : *The Preaching of Islam*, Lahore, 1956. p. 412.

[3] ۔ خزینۃ الاصفیاء ، مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۷۳ء

(باقی بر صفحہ ۱۸۲)

حضرت مجدد کی گرفتاری کی خبر آناً فاناً ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی، چنانچہ حضرت مجدد کے ایک مرید پیر سید احمد علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں:۔

جس زمانے میں سلطان نے حضرت کو تکلیف پہنچائی میں ملک دکن میں تھا، ناگاہ میں نے سنا کہ سلطانِ زماں نے آپ کو سختی کے ساتھ طلب کر کے شہید کر دیا، میں اس وحشت ناک خبر سے بے قرار ہو گیا اور بے تابانہ بازار میں نکل آیا کہ کسی قاصد سے کوئی فرحت اثر خبر سننے میں آئے [1]

شاہِ وقت جہانگیر نے غیظ و غضب کے عالم میں بلایا تھا اور پھر قہرناک و غضبناک ہو کر گرفتاری کا حکم صادر کیا تھا۔ ملک کے طول و عرض میں بلکہ بیرون ملک بھی حضرت مجدد کے مریدین و مخلصین پھیلے ہوئے تھے اس لیے گرفتاری کی خبر کا آنِ واحد میں ملک کے طول و عرض میں پھیل جانا مستبعد نہیں پھر اس خبر کو مبالغہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت مجدد شہید کر دیے گئے، جہانگیر کا ارادہ کچھ یہی تھا، خود حضرت مجدد کے مکاتیب سے اس کے اسی ارادے کا اندازہ ہوتا ہے ذرا مکاتیب گرامی کے ان اقتباسات کو ملاحظہ فرمائیں:۔

۱۔ اگر خدا کو منظور ہوا تو باہمی ملاقات ہو جائے گی ورنہ خدا کے فیصلے پر راضی رہیں اور دعا کریں کہ وہ ہم کو دار السلام (جنت) میں جمع فرمائے۔ اس کے کرم سے امید رکھتے ہوئے دنیا کی ملاقات کی تلافی کو آخرت پر چھوڑتے ہیں، وہ جس حال میں رکھے اس کا کرم ہے [2]

(بنام صاحب زادہ گرامی خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ)

۲۔ وحشت ناک خبروں سے نہ گھبرائیں اور نہ دل تنگ ہوں کیونکہ جو اس جمیل مطلق کی طرف سے آئے وہ بھی جمیل و زیبا ہے۔ اگر دنیا میں ملاقات ہو گئی تو فبہا ورنہ معاملہ آخرت نزدیک ہے اور یہ خوش خبری کہ "انسان اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا جس کے ساتھ اس کا پیار ہوگا"، مہجوروں کے لیے باعث سکون و اطمینان ہے۔ آپ نے جو خط محمد علی کشمیری کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچا،

(بقیہ صفحہ ۲۱۶) [3] محمد امین بدخشی: مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ، ورق ۔۱۷۲

(حواشی صفحہ ہذا) [1] خواجہ بدر الدین: حضرات القدس، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۱ھ، ص۔ ۳۶۰

[2] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۲

جو کچھ لکھا تھا معلوم ہوا اور اس کے جواب میں جو اس وقت ممکن تھا لکھا گیا۔[1]

(بنام مولانا محمد طاہر بدخشی)

۳ اگر آقا و مولیٰ اپنے غلام کے گلے پر چھری پھیرے تو غلام کو شاداں و خنداں ہونا چاہیئے اور آقا کے اس فعل کو اپنی مرضی بنا لینا چاہیئے بلکہ اس فعل سے لطف اٹھانا چاہیئے اور اگر عیاذاً باللہ اس کو اس فعل سے کراہت آئے اور دل تنگ ہو تو دائرۂ غلامی سے باہر ہے[2]

(بنام خواجہ بدرالدین سرہندی)

سبحان اللہ سبحان اللہ! کیا خود سپردگی اور خود باختگی ہے، اس کو کہتے ہیں عشق صادق ؎

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے حیات آفریں کلمات سے ایک طرف آپ کے بے پناہ صبر و استقامت اور استقلال کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف جہاں گیر کے ارادوں کا علم ہوتا ہے لیکن وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا البتہ اس نے اس جسم نازنین کو ایک ہندو راجپوت کے ہاتھوں پابند سلاسل کیا لیکن خدا کے بندوں کی عزت و ناموس صرف اور صرف خدا کے ہاتھ میں ہے، کسی کی طاقت نہیں کہ ان کو ذلیل و رسوا کر سکے۔ صاحب زبدۃ المقامات خواجہ محمد ہاشم کشمی سے حضرت مجدد کے ایک مرید نے بیان کیا کہ جب اس نے شہادت کی خبر سنی تو بازار میں نکل آیا تاکہ کسی آنے جانے والے سے اس خبر کی تصدیق کر سکے۔ پھر کیا ہوا؟

میں نے دیکھا کہ چند سوداگر اترے ہیں، میں ان کے پاس گیا، سلام کیا، بیٹھ گیا۔ اس سے قبل کہ میں بات شروع کروں ان میں سے ایک نے میرے اضطراب و بے چینی کو تاڑ لیا اور اس کا سبب دریافت کیا، میں نے سارا ماجرا بیان کر دیا، اس نے ایک سرد آہ کھینچی، سر جھکا لیا، اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، کچھ دیر کے بعد اس نے سر اٹھایا اور کہا کہ مطمئن رہو،

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۲۷
[2] ایضاً، مکتوب نمبر ۸۸

آپ زندہ ہیں، بس اتنا فرق رہے کہ آپ قید میں ہیں اور آپ کے پائے مبارک میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں [1]

جہانگیر نے نہ صرف یہ کہ آپ کو پابند سلاسل کر کے جیل میں ڈالا بلکہ اہل و عیال کو خانماں برباد کر دیا۔ نہ معلوم ان عزیزوں پر کیا گزری ؟ اگر جہانگیر اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے کہ اس نے حضرت مجدد کو محض تادیب اور تہذیب نفس کے لیے جیل میں ڈالا تھا تو پھر اہل و عیال پر یہ ظلم و ستم کیوں روا رکھا گیا ؟ ہاں اسے عدل جہانگیری تو نے یہ کیا ستم کیا ؟ مورخ کا ہاتھ کس نے پکڑ لیا کہ وہ اس داستان خونچکاں کا ایک حرف بھی نہ سنا سکا ؟ لیکن ہاں مکتوبات شریف میں اس غم ناک داستان کی جھلک نظر آ رہی ہے۔ آئیے ذرا دیکھیے اور یہ بھی دیکھیے کہ اس پیکر عزم و ہمت نے کس بلند حوصلگی اور کس عالی ظرفی کا مظاہرہ فرمایا۔

ملاقات ہو گی یا نہیں رضا جانے، نصیحت یہی ہے کہ کوئی آرزو و طلب نہ رہے اپنی والدہ سے یہی کہیں اور یہ سمجھا دیں کہ اس دنیا کے احوال آنی جانی ہیں اس لیے ان کو کیا بیان کیا جائے۔ بچوں پر شفقت رکھیں اور پڑھنے کی ترغیب دیں اور جہاں تک ممکن ہو ان لوگوں کو خوش رکھیں جن کا مجھ پر حق ہے۔

نفسانی خواہشات کو جو باطل خدا ہیں کلمہ 'لا' کے تحت لائیں تاکہ تمام خواہشات کی نفی ہو جائے اور دل میں کوئی مراد و مقصود باقی نہ رہے یہاں تک کہ میری رہائی، جو سر دست تمہارے اہم مقاصد سے ہے، یہ بھی تمہاری آرزو نہ ہونی چاہیے۔ اللہ کے فیصلے، اس کے فعل اور اس کی مشیت پر راضی رہیں۔ حویلی، سرائے، کنوئیں، باغ، کتب خانہ اور دوسری چیزوں کا غم بہت سہل ہے، اس وقت تو کوئی چیز تمہارے مزاحم نہ ہونی چاہیے اور سوائے مرضیات حق جل و علا کے تمہاری کوئی اپنی مرضی بھی نہ ہونی چاہیئے، اگر ہم مر جاتے تو یہ سب چیزیں رہ جاتیں، یہ ہماری زندگی ہی میں چلی گئیں، کچھ فکر نہ کریں [2]

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۲

[2] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۲

نوٹ :۔ حضرت مجدد، خواجہ میر محمد نعمان کو تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز قلعہ گوالیار میں تلاوت کلام کر رہا تھا، آیت اُلیٰ تک ان کان ابآؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھا (باقی بر صفحہ ۲۸۵)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کیسا ظلم کیا ! حویلی، سرائے، کنواں، باغ، کتب خانہ اور اثاث البیت سب کچھ لے لیا؛ کچھ بھی نہ چھوڑا، مگر واہ رے استقامت کہ اُف تک نہ کی اور محبت نباہ کے دکھادیا!

اعیانِ مملکت میں بیت سے حضرت مجدد کے عقیدت، مرید و خیر خواہ تھے، مگر مطلق العنان بادشاہ غیظ و غضب میں تھا، ایسی حالت میں سامنے جانا آسان نہ تھا لیکن پھر بھی انہوں نے اپنی سی کوشش کی خود حضرت مجدد نے ان حضرات کی کوششوں اور ناکامیوں و نامرادیوں کا ذکر کیا ہے۔ نامرادیوں کی اس اندھیری میں اجالوں کو تلاش کیا ہے۔ ہاں جب نظر بیدار ہو جاتی ہے تو اندھیروں میں اجالے نظر آنے لگتے ہیں۔ سنیے سنیے حضرت مجدد کیا فرماتے ہیں۔

۱۔ لوگ ہر وقت ہماری مصیبتوں کا خیال رکھتے ہیں اور تنگی سے خلاصی و نجات چاہتے ہیں لیکن ان کو نہیں معلوم کہ نامرادی، بے اختیاری اور ناکامی میں کس قیامت کا حسن و جمال ہے، اور کونسی نعمت اس نعمت کے برابر ہے، کہ اس شخص کو اپنے اختیار سے بے اختیار کر دیتے ہیں اور پھر اپنے اختیار سے اس کو زندگی عطا کرتے ہیں، اس کے امور اختیاری کو بھی اس بے اختیاری کے تابع کر کے اس کو اس کے دائرۂ اختیار سے نکال لاتے ہیں اور پھر (محبوب کے ہاتھوں) اس کی مثال ایسی ہو جاتی ہے جیسے لاش غسال کے ہاتھ میں[1]

(بنام خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ)

۲ نیز دوستوں نے بہت کوشش کی کہ رہائی کا کوئی سبب پیدا ہو جائے مگر ان کی کوششیں اکارت گئیں، جو خدا کرتا ہے اس میں بہتری ہی ہوتی ہے۔ اس گرفتاری سے بمقتضائے بشریت کچھ صدمہ ہوا اور دل تنگ ہوا لیکن خدا کے فضل و کرم سے کچھ عرصے بعد یہ غم

(بقیہ صفحہ سابقہ) وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ الخ پس پڑھا گیا تھا "از خواندن ایں آیۂ کریمہ گریہ بسیار مستولی شد" (جلد سوم مکتوب نمبر ۱۸)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۸۴

اور دل تنگی خوشی و انبساط سے بدل گئی اور یہ یقین ہو گیا کہ وہ جماعت جو ہماری ایذا رسانی کے درپے اور کوشاں ہے اس کی مراد اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہے پس یہ دل تنگی اور غم بے معنی اور دعوئ محبت الٰہی کے منافی [1]

(بنام میر محمد نعمان برہان پوری)

ان اقتباسات سے معلوم ہوا کہ حضرت مجدد کے مخلصین نے اپنی سی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے اور جو جماعت ایذا رسانی کے درپے تھے وہ مسلسل درپے آزار رہی لیکن بعض تذکرہ نگاروں اور مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اعیانِ مملکت میں حضرت مجدد کے مخلصین جہاں گیر سے کچھ ایسے بددل ہوئے کہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ یہ بات قرین قیاس ہو سکتی ہے مگر حضرت مجدد کے خلفاء میں صاحب زبدۃ المقامات خواجہ محمد ہاشم کشمی اور صاحب حضرات القدس خواجہ بدر الدین سرہندی نے اس طرف اشارہ نہیں کیا، ممکن ہے کہ بعض سیاسی مصالح اس حقیقت بیانی میں مانع ہوں لیکن یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جس جہاں گیر نے بڑے زور و شور سے آپ کو طلب کیا تھا اور بڑے شد و مد کے ساتھ آپ پر الزامات عاید کیے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید آپ کو یا تو شہید کر دیا جائے گا یا سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔ ہاں اسی جہاں گیر نے ایک سال کے اندر اندر عزت و آبرو کے ساتھ آپ کو رہا کر دیا۔ آخر یہ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟

اگر حضرت مجدد کے مخلصین اعیانِ مملکت کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ گتھی سلجھنا مشکل ہے، پھر اس حرکت کو جہاں گیر کی خبط الحواسی پر محمول کیا جانا چاہیے مگر وہ ایسا خبط الحواس نہ تھا وہ ہشیار و زیرک جہاں بان تھا اس لیے اس میں شک نہیں کہ اعیانِ مملکت کے سیاسی یا اخلاقی دباؤ سے مجبور ہو کر جہانگیر نے آپ کو رہا کیا ہو گا۔ گو اس نے اپنی من مانی کر کے ہی چھوڑی۔ مگر باندازِ دگر۔

صاحب روضۃ القیومیہ نے لکھا ہے کہ اعیانِ مملکت میں خان خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، اسلام خاں، مہابت خاں، مرتضیٰ خاں، قاسم خاں، تربیت خاں، خان جہاں لودھی، سکندر لودھی، حیات خاں اور دریا خاں بغاوت پر آمادہ ہو گئے [2] عین ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو، لیکن صاحب

---

[1] مکتوب امام ربانی۔ جلد سوم، صفحہ ۸۳

[2] کمال الدین محمد احسان، روضۃ القیومیہ، مطبوعہ لاہور ص۔ ۱۸۹

روضۃ القیومیہ اور بعض دوسرے حضرات نے جو مہابت خاں کی بغاوت، جہاں گیر سے اس کا تصادم اور اس کے ہاتھوں جہاں گیر کی گرفتاری کا جو ذکر کیا ہے[۱] اس کا سبب، حضرت مجدد کی گرفتاری نہ تھا، کیوں کہ یہ واقعہ گرفتاری کے سات سال بعد واقع ہوا ہے جب کہ حضرت مجدد وصال فرما چکے تھے، ہاں یہ ممکن ہے کہ جہاں گیر نے حضرت مجدد کو جو ایک سال نظر بند رکھا اور پھر چار سال اپنے ساتھ پابند رکھا اس نے مہابت خاں کو بددل کر دیا ہو کیونکہ اس کو حضرت مجدد سے خاص تعلق خاطر تھا[۲]، تزک جہاں گیری کے تکملہ نگار مرزا ہادی بیگ نے لکھا ہے کہ مہابت خاں کو آصف خاں کی تجویز پر دربار میں طلب کیا گیا تھا:

جس کا مقصد یہ تھا کہ اسے طرح طرح سے ذلیل و خوار کر کے اس کی عزت و ناموس اور جان و مال پر ہاتھ ڈالے[۳]

آصف خاں وہی ہے جو حضرت مجدد کی گرفتاری کا اصل محرک بیان کیا جاتا ہے، مہابت خاں سے اس کی پرخاش معنی خیز ہے۔ مہابت خاں بھی اس کے اور اس کی بہن ملکہ نور جہاں کے سخت خلاف تھا[۴]، آخر اس مخالفت کے اسباب تھے، عین ممکن ہے کہ دیگر اسباب کے ساتھ حضرت مجدد کا تعلق اور آپ کی بہی خواہی اور خیر خواہی بھی ایک سبب ہو۔

مہابت خاں نے حضرت مجدد سے جہاں گیر کی بدسلوکی کا انتقام خود حضرت مجدد کی ہدایت و نصیحت کی بنا پر نہ لیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کی وفات کے بعد یہ آتش انتقام بھڑک اٹھی اور اس نے وہ کچھ کیا جو نہایت حیرت ناک ہے، مہابت خاں کی اس حرکت کے جو محرکات بیان کیے جاتے ہیں ان کا اس قدر شدید ردعمل نہ ہونا چاہیے تھا،

حضرت مجدد کے تذکرہ نگاروں نے حضرت مجدد کی نظر بندی کو جو اس کا اصل محرک بتایا ہے تو یہ بات اس حد تک تو صحیح نہیں کہ یہ انتقام نظر بندی کے فوراً بعد ہی لیا گیا لیکن بعد میں جو کچھ ہوا اس کے محرکات میں اس محرک کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

---

[۱] A. Waheed : *Iqbal his Art and Thought*, Lahore, 1918, p. 106.

[۲] Tripathi : *Rice and Fall of the Mughal Empire* 1956. p. 155.

[۳] مرزا ہادی بیگ: تکملہ تزک جہاں گیری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء، ص ۸۱۰ (بقیہ بر صفحہ ۱۸۸)

بہرکیف اعیانِ مملکت نے حضرت مجدد کی حمایت میں جو کچھ کرنا تھا کیا، لیکن حضرت مجدد نے ان کو حد سے گزرنے نہ دیا اور بار بار یہی نصیحت فرمائی کہ:

دوستوں سے کہیں کہ دل تنگ نہ ہوں، اور وہ گروہ جو ایذا رسانی کے درپے ہے اس سے بد دل نہ ہوں بلکہ چاہیے تو یہ کہ ان کے فعل سے لذت اندوز ہوں۔[1]

(بنام میر محمد نعمان، برہان پوری)

ایک طرف محبین و مخلصین کو انتقام لینے سے منع فرمایا اور دوسری طرف خود ایک مثال بن کر سامنے آئے۔ اللہ نے بڑی روحانی قوتوں سے نوازا تھا، اس کے فضل و کرم سے جو چاہتے کر سکتے تھے، لیکن جس طرح ان کے آقا و مولیٰ نے شعب ابی طالب میں قید و بند کی شدید تکالیف کو برداشت کیا اور پھر طائف کے بازاروں میں دشمن کے تیر جفا کو دل پہ لیا اور اُف تک نہ کی اسی طرح آج اس غلام باصفا نے وہ نظارہ دکھا دیا۔ محمد امین بدخشی لکھتے ہیں:

میں نے آپ کے معتمد خادموں سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ قلعہ گوالیار میں ایک روز آپ نے فرمایا:۔

یہ رہے جہاں گیر بادشاہ اور ہمارے دشمن، ان کو ہمارے سامنے لایا گیا ہے اگر چاہوں تو سب کو ہلاک کر دوں لیکن میں نہیں چاہتا، خدا کے فیصلے پر راضی ہوں، اس مصیبت میں بہت سے فائدے اور مزے دیکھے ہیں۔[2]

حضرت مجدد نے قید کے زمانے میں احباب و مخلصین اور فرزندانِ گرامی کو قلعہ گوالیار سے

حاشیہ صفحہ نمبر ۱۸۷:

[1] Olaf Caroe : *The Pathans*, New York, 1958, p. 226.

S.R. Sharma : *Mughul Empire in India*, Vol. II, 1957.

حاشیہ صفحہ نمبر ۱۸۸:

[1] مکتوبات امام ربانی: جلد سوم، مکتوب نمبر

[2] محمد امین بدخشی: مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ، ورق ۱۶۲۔

جو خطوط ارسال فرمائے ہیں، ہر خط تاریخ عزیمت کا ایک سنہرا باب ہے ظالم، ظلم کرتے نہیں تھکتا لیکن مظلوم کی زبان پر شکوہ جور و جفا نہیں، دعائیں ہی دعائیں ہیں، دست قاتل کو چومنے کے لیے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے۔ ان خطوط کے مطالعے سے ایک نیا انداز فکر، ایک نئی روشنی، ایک نئی تجلی اور ایک نئی زندگی ملتی ہے، آئیے قلعہ گوالیار کے چاہِ ظلمات سے آب حیات پئیں اور پلائیں ؎

تین سو سال سے ہیں ہند کے مے خانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مخدوم و مکرم! مصیبتوں کے آنے پر ہر چند کہ تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انعام و اکرام کی امید بھی لگی رہتی ہے، حزن و اندوہ میں یہ بڑا ہی اچھا سرمایہ اور خوان الم و مصیبت کی من بھاتی نعمت ہے۔ ان شکر پاروں کے اوپر داروئے تلخ کا ہلکا سا غلاف چڑھا دیا گیا ہے اور اس بہانے سے بظاہر مصیبت دکھائی گئی ہے مگر نیک بخت مٹھاس پر نظر رکھتے ہوئے تلخی کو مٹھاس کی طرح کھا جاتے ہیں اور حرارت کو صفرائے شیریں کے برعکس پاتے ہیں۔ شیریں کیوں نہ پائیں؟ محبوب کے افعال تو سب ہی میٹھے ہوتے ہیں جو ماسوا اللہ کی محبت میں گرفتار ہو اس کو کڑوے لگتے ہیں، دولت مند تو محبوب کی دی ہوئی مصیبت میں اس قدر لذت و حلاوت پاتے ہیں کہ انعام میں بھی متصور نہیں، ہر چند کہ دونوں محبوب ہی کی جانب سے ہیں لیکن مصیبت میں محب کے نفس کو دخل نہیں اور انعام مراد نفس پر مبنی ہے ؎

هنيئا لارباب النعيم نعيمها[۱]

فرزندانِ گرامی حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ کے نام ایک مکتوب

---

۵۱ مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۲۹

میں تحریر فرماتے ہیں :-

فرزندانِ گرامی! مصیبت کا وقت اگرچہ تلخ و بے مزہ ہے لیکن اس میں فرصت میسر آ جائے تو غنیمت ہے، اس وقت چونکہ تم کو فرصت میسر ہے، خدا کا شکر بجا لا کر اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور ایک لمحہ بھی فارغ نہ بیٹھو، تین باتوں میں سے ہر ایک کی پابندی ضرور رہنی چاہیے۔

۱۔ تلاوت قرآن پاک، ۲۔ طول قرأت کے ساتھ نماز، ۳۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کی تکرار کلمہ 'لا' کے ساتھ نفس کے خود ساختہ خداؤں کی نفی کریں اپنی مرادوں اور مقصدوں کی بھی نفی کریں، اپنی مرادیں چاہنا خدائی دعویٰ کرنا ہے اس لیے چاہیے کہ سینے میں کسی مراد کی گنجائش ہی نہ رہے اور ہوس کا خیال تک نہ آنے پائے تاکہ حقیقت عبدیت متحقق ہو۔

ہوائے نفسانیہ کو جو جھوٹے خدا ہیں 'لا' کے تحت لائیں تاکہ ان سب کی نفی ہو جائے اور تمہارے سینے میں کوئی مراد و مقصد باقی نہ رہے حتیٰ کہ میری رہائی کی آرزو بھی جو اس وقت تمہاری سب سے اہم آرزوؤں میں ہے، نہ ہونی چاہیے، تقدیر اور اللہ تعالیٰ کے فعل و مشیت پر راضی رہیں۔ جہاں بیٹھے ہوئے ہیں اس کو اپنا وطن سمجھیں[1]، یہ چند روزہ زندگی جہاں بھی گزرے اللہ کی یاد میں گزرنی چاہیے[2]

ایک مکتوب میں اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین علیہ الرحمہ کو تحریر فرماتے ہیں :-

برسوں تربیت جمالی کے تحت منزلیں طے کرائی جا رہی تھیں اب تربیت جلالی کے ذریعہ مراحل طے کرائے جا رہے ہیں اس لیے مقامِ صبر بلکہ مقامِ رضا پر قائم رہیں اور جمال و جلال کو ایک ہی جانیں، تم نے لکھا تھا کہ "ظہور فتنہ کے وقت سے

---

[1] اس جملے سے کچھ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کی گرفتاری کے بعد اہل و عیال کو گھر سے بے گھر کر دیا گیا تھا ورنہ اپنے گھر کو گھر سمجھنا کیا معنی؛ مسعود

[2] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۲

ذوق وحال جاتا رہا[1]

جفائے محبوب اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہے، یہ کیا مصیبت آئی کہ تم بھی عام لوگوں کی طرح باتیں کرنے لگے اور محبت ذاتیہ سے دور نکل گئے[2]

مرزا مظفر خاں کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

حقیقت تو یہ ہے کہ جو چیز بھی محبوب حقیقی کی طرف سے پہنچے اس کو کشادہ پیشانی اور فراخ حوصلگی سے احسان مندی کے ساتھ قبول کرنا چاہیے بلکہ اس سے لطف اٹھانا چاہیے، رسوائی اور بے ننگی جو مراد محبوب ہے، محبوب کے نزدیک تمام ونگ سے بہتر ہے[3]، یہ اس کے دل کی خواہش ہے، اگر یہ بات محب میں پیدا نہ ہو تو اس کی محبت ناقص ہے بلکہ وہ دعوئے محبت میں جھوٹا ہے[4]۔

خواجہ میر محمد نعمان[5] (م ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

عاشق جس طرح محبوب کے انعام میں مزہ پاتا ہے اسی طرح اس کے ایلام میں بھی اس کو لطف آتا ہے بلکہ ایلام میں اور زیادہ مزا آتا ہے کیوں کہ اس میں حظِ نفس کا شائبہ نہیں ہوتا اور اس کی آرزو کو بھی دخل نہیں ہوتا، جب حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ جو جمیل مطلق ہے اور وہ اس شخص کو آزار پہنچانا چاہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی اس شخص کی نظر میں جمیل ہے بلکہ اس ایلام کو لطف آتا ہے

۱؎ "ظہور فتنہ" سے جہانگیر کے دربار میں پیشی اور پھر گرفتاری کی طرف اشارہ ہے۔ مسعود

۲؎ مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر

۳؎ حضرت مجدد نے یہاں رمزِ محبت کو واشگاف فرمایا ہے، جہانگیر نے اپنی دانست میں آپ کو خوب خوب ذلیل و رسوا کیا مگر یہ رسوائی جب آقا کو پیاری تھی تو غلام کو پیاری کیوں نہ ہوتی۔ جو حضرات عقیدت مندی کی بنا پر جہانگیر کو حضرت مجدد کا فرماں بردار و اطاعت شعار ظاہر فرماتے ہیں وہ اس رمزِ محبت پر پردہ ڈالتے ہیں (مسعود)

۴؎ مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۵،

۵؎ خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمہ حضرت مجدد کے خلیفہ ہیں، ۱۰ صفر المظفر ۱۰۵۸ھ میں اکبرآباد میں وصال فرمایا "نعمان زبدہ بہشت عدن" مادۂ تاریخ وفات ہے

(محمد فاضل: مخزن الواصلین، ۱۲۴۹ھ، ص- ۹۹)

چوں کہ اس جماعت[۵۱] کی مرادِ اللہ تعالیٰ کی مراد کے عین مطابق ہے اور یہ مراد اس مراد کے ظاہر ہونے کا دریچہ ہے۔ اس لیے یقیناً ان کی مراد بھی بھلی اور اچھی معلوم ہوتی ہے اور اس میں لطف آتا ہے اور اس شخص کا عمل جو محبوب کے عمل کا آئینہ دار ہو محبوب کے عمل کی طرح پیارا لگتا ہے اور اس کا کرنے والا اسی نظر کی وجہ سے عاشق کی نظر میں محبوب ہے۔ عجیب بات ہے کہ اس شخص کی طرف سے جتنی جفائیں ہوتی ہیں، عاشق کی نظر میں وہ اتنا ہی زیادہ پسندیدہ ہوتا جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں وہ غضب محبوب کی پوری پوری نمائندگی کر رہا ہے، اس راہ کے دیوانوں کا معاملہ نرالا ہے، پس اس شخص کی برائی چاہنا اور اس سے بددل ہونا، محبوب کی محبت کے منافی ہے کیوں کہ وہ شخص تو فعل محبوب کے آئینے کے سوا کچھ نہیں ہے اس لیے جو لوگ آزار پہنچانے کے درپے ہیں وہ دوسری مخلوق سے زیادہ نکا ہوں کو بھلے معلوم ہوتے ہیں اس لیے دوستوں سے کہہ دیں کہ وہ تنگی دل کو دور کریں اور جو لوگ یا جماعت آزار کے درپے ہے اس سے برا سلوک نہ کریں بلکہ ان کے فعل سے لطف اٹھائیں[۵۲]

اللہ اللہ کیا اندازِ فکر ہے، ظالم کو محبوب بنا دیا، ظلم سے درگزر کرنا بھی بڑی بات ہے مگر ظالم کو چاہنا اور اس سے محبت کرنا بڑے حوصلے کا کام ہے، یہ حوصلہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب انسان فنا فی اللہ ہو جائے۔ فنائیت کے بعد ہی یہ نظر پیدا ہو سکتی ہے، عام انسان کے لیے یہ باتیں قطعاً ناممکن ہیں، بلکہ وہ یہ باتیں سمجھ بھی نہیں سکتا، کاملین کی صحبت کے بعد یہ باتیں سمجھ میں آتی ہیں ؎

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

---

۵۱ اس جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کی گرفتاری کا اصل محرک مخصوص جماعت کی ریشہ دوانیاں تھیں۔ (مسعود)

۵۲ مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۵

خواجہ محمد نعمان علیہ الرحمہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ہم عین بلا میں اطمینان سے ہیں[1]

ایک اور خلیفہ خواجہ بدر الدین سرہندی کے نام تحریر فرماتے ہیں:۔

شیخ فتح اللہ کے ہاتھ جو خط روانہ کیا تھا مل گیا۔ لوگوں کی جفا و ملامت کا آپ نے ذکر کیا تھا۔ یہ تو اس گروہ احرار کی حسن و زیبائی ہے، یہ ان کے زنگ کو دھو کر چمکا دیتی ہے[2]

میر محب اللہ مانک پوری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مخلوق کی ایذا رسانی پر تحمل و برداشت کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں اور عزیز و اقارب کی جفاؤں پر صبر کیے بغیر گزر نہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ اگر اجازت دیں تو فوراً باش میں ٹھہر جاؤں یا پھر کوئی جگہ متعین فرما دیں کہ وہاں جا کر لوگوں کے ظلم و ستم سے کچھ نجات پا سکوں[3] لیکن یہ طریق رخصت ہے، طریق عزیمت یہ ہے کہ مخلوق کی ایذا رسانی پر صبر کیا جائے[4]۔

ان مکاتیب گرامی کی روشنی میں حضرت مجدد کی سیرت مقدسہ بڑی تابناک نظر آرہی ہے، خود باختگی اور خود سپردگی کا یہ عالم ہے کہ محبوب کی جفاؤں میں بھی لذت محسوس ہو رہی ہے، ے

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۹

[2] اس جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کی گرفتاری کے بعد ملک کے طول و عرض میں حضرت مجدد کے مریدین و منتسبین پر لعنت و ملامت اور ظلم و ستم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جس پر آپ نے صبر و استقامت کی تلقین فرمائی ہے۔ (مسعود)

[3] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۷

[4] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۔

نوٹ: اس مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے مریدین و خلفاء کو مخالفین نے اس حد تک پریشان کیا کہ وہ گوشہ عافیت کی تلاش پر مجبور ہو گئے، مگر حضرت مجدد نے عزیمت کا درس دیا۔ (مسعود)

تیری مرضی بجز دیجہ پائمالی ہے
خلش درد کی بن آئی ہے!

ذرا "عشق خانہ ویراں ساز" کی بلند حوصلگی تو دیکھیے کہ دستِ قاتل کو دُعا دے رہے ہیں ؎

آں کشتۂ ہیچ حق محبت ادا نہ کرد
کز ہر دست و بازوئے قاتل دعا نہ کرد

اللہ نور السموات والارض

قلعہ آگرہ جہاں جہانگیر بادشاہ نے ۱۶۱۸ء میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو جوابدہی کیلئے طلب کیا اور سجدۂ تعظیمی نہ کرنے پر ایک سال تک قلعہ گوالیار میں محبوس کیا۔
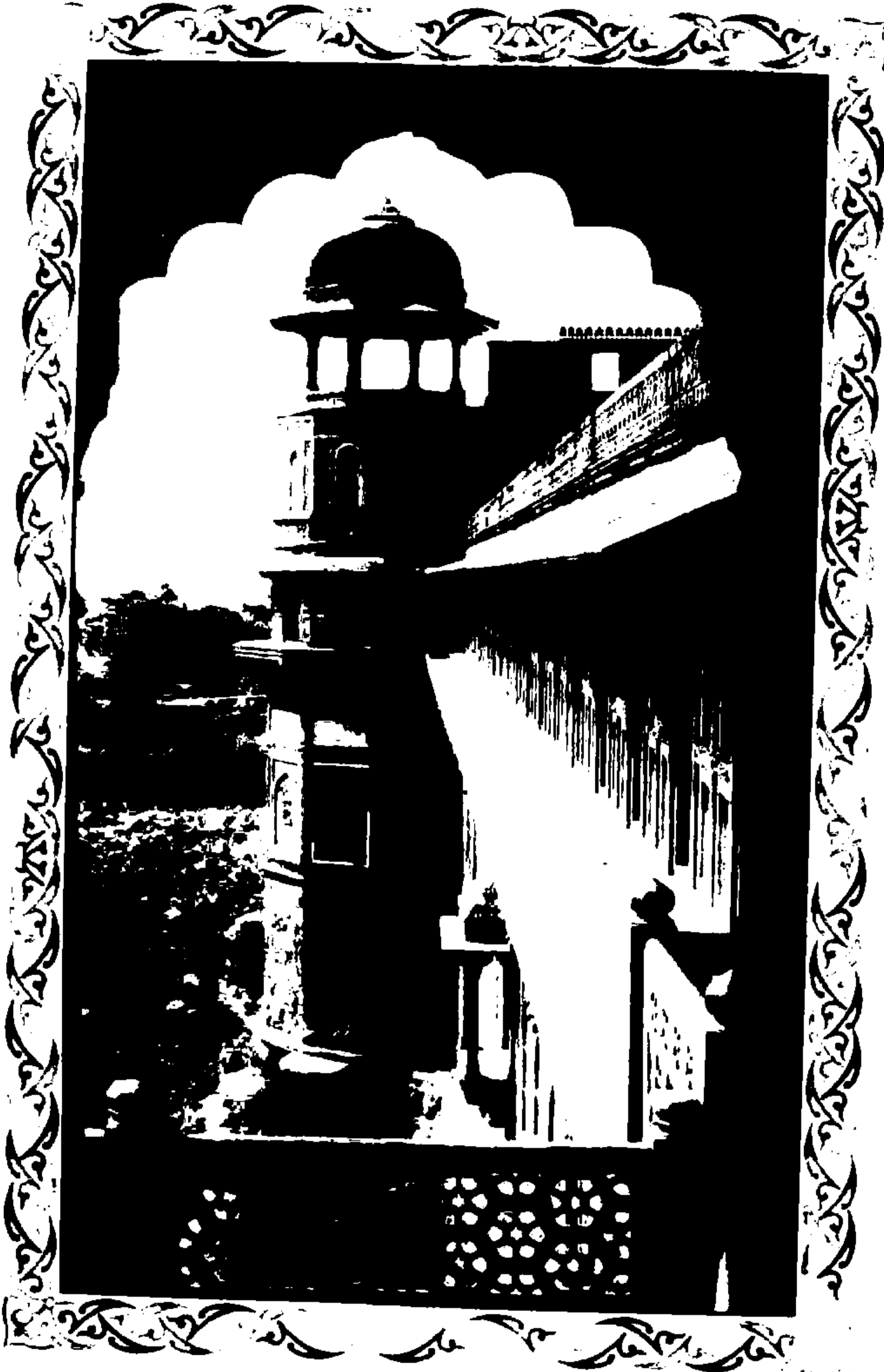
قلعہ آگرہ جہاں جہانگیر بادشاہ نے ۱۶۱۸ء میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو جوابدہی کیلئے طلب کیا اور سجدۂ تعظیمی نہ کرنے پر ایک سال تک قلعہ گوالیار میں محبوس کیا۔
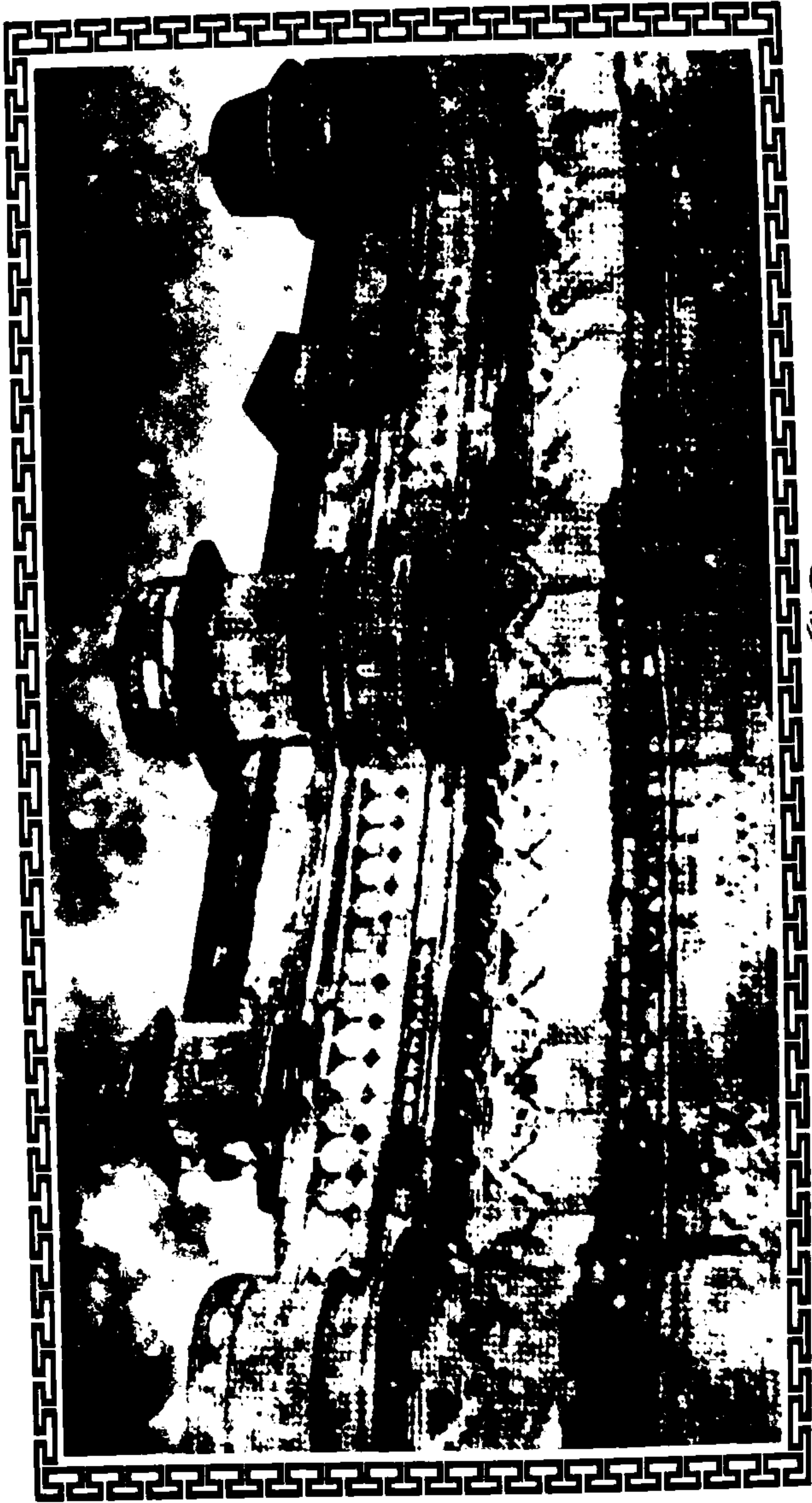
قلعہ گوالیار

گوالیار۔ بھارت

دورِ پابندی

۱۰۲۹ھ تا ۱۰۳۳ھ

طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب
یگانہ اور مثالِ زمانہ گوناگوں :

حضرت مجدد علیہ الرحمہ ۱۰۲۸ھ میں قلعہ گوالیار میں نظر بند کیے گئے اور تقریباً ایک سال بعد ۱۰۲۹ھ میں آپ کو "رہا" کیا گیا لیکن یہ رہائی بھی پابندی کی ایک صورت تھی جو آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی قید اور رہائی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

جب شیخ مجدد قدس سرہ کو قید کیا گیا تو آپ تین برس قید خانے میں رہے، بعد میں سلطان (جہاں گیر) نے دو شرطوں پر رہا کیا۔

۱۔ ایک شرط تو یہ تھی کہ آپ لشکر کے ساتھ رہیں۔

۲۔ اور دوسری شرط یہ تھی کہ جہاں بادشاہ جائے وہاں اس کے ساتھ ساتھ رہیں

چناں چہ شیخ قدس سرہ نے لشکر میں قیام فرمایا[1]

اسی طرح نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے :۔

جب آپ کو قید کیا گیا تو آپ تین سال قید میں رہے پھر رہا ہوئے اور لشکر کے ساتھ رہے اور اسی کے ساتھ پھرتے رہے[2]

---

[1] غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، مطبوعہ ۱۳۰۳ھ، ص۔ ۵۲

(تالیف ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء)

[2] نواب صدیق حسن خاں : ابجد العلوم، مطبوعہ بھوپال، ۱۲۹۵ھ، ص۔ ۸۹۹

مولانا رحمان علی نے لکھا ہے :۔

الختصر شیخ تین سال تک قید میں رہے اس کے بعد بادشاہ نے اس شرط پر آپ کو رہا کیا کہ آپ لشکر شاہی کے ساتھ رہ کر گشت کریں گے۔ چنانچہ شیخ چند سال تک لشکر سلطانی میں رہے [۱]

خیر الدین زرکلی نے بھی یہی بات لکھ دی ہے :۔

تین سال کے بعد آپ رہا ہوئے اور سرہند تشریف لے گئے [۲]

لیکن جہانگیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد صرف ایک سال نظر بند رہے، پندرھویں سال جلوسِ شاہی (۱۰۲۹ھ) کے حالات کے ذیل میں لکھتا ہے :۔

میں نے شیخ احمد سرہندی کو جو زہد فروشی اور بیہودہ گوئی کے سبب کچھ عرصے سے قید کاٹ رہا تھا، طلب کیا تھا، اور حاضر ہوتے پر اسے خلعت اور ہزار روپیہ عنایت کر کے آزاد کر دیا، یہ بھی اختیار دے دیا کہ چاہے سرہند واپس چلا جائے چاہے میرے حضور میں رہے، اس نے یہ منصفانہ بات کہی یہ سزا حقیقت میں ایک طرح کی ہدایت تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی اور وہ حاضرِ خدمت رہنے میں ہی بھلائی دیکھتا ہے [۳]

۱؎ رحمان علی: تذکرۂ علمائے ہند، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۱۴ء، ص ۱۲۔

۲؎ خیر الدین زرکلی: الاعلام، جلد اول مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۵۴ء، ص ۱۳۹۔

نوٹ :۔ مؤلف موصوف نے دونوں باتیں غلط لکھی ہیں نہ شیخ مجدد تین سال قید رہے اور نہ رہا ہوتے ہی سرہند تشریف لے گئے۔ (مسعود)

۳؎ تزکِ جہانگیری، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۲۷۴-۲۷۵

نوٹ :۔ میرزا محمد معتمد خاں بخشی نے اقبال نامہ جہانگیری (مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۳ء، ص ۱۵۲-۱۵۳) میں لکھا ہے کہ (قیامِ کشمیر کے زمانے میں، جس تاریخ کو ملکہ بادشاہ بانو کا انتقال ہوا ہے اس تاریخ کو شیخ احمد سرہندی کو حضور میں طلب فرما کر رہائی کا حکم دیا۔ (مسعود)

جہاں گیر نے حضرت مجدد کی قید کا واقعہ چودھویں سال جلوس شاہی (۱۰۲۸ھ) کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے اور پندرہویں سال جلوس شاہی (۱۰۲۹ھ) کے ذیل میں رہائی کا ذکر کیا ہے، اس طرح جہاں گیر کے بیان کی روشنی میں حضرت مجدد صرف ایک سال نظر بند رہے[۱] ہے۔ اس حد تک تو صحیح ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ آزاد کر کے آپ کو مختار بنا دیا گیا تھا، چاہے بادشاہ کے ساتھ رہیں اور چاہے سرہند شریف چلے جائیں، یہ سراسر جھوٹ ہے، خود حضرت مجدد کے مکتوبات کی روشنی میں یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے اور یہ جو بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ رہائی سے پہلے حضرت مجدد نے جہاں گیر کے سامنے بعض شرائط رکھیں جب جہاں گیر نے یہ شرائط منظور کیں تو آپ باہر آگئے[۲] صحیح نہیں۔ شرائط کیسی، وہاں تو ظلم و ستم سے رہائی ایک اہم مسئلہ تھا۔ نہ معلوم تذکرہ نگاروں نے یہ بات کیسے لکھ دی، حضرت مجدد کے خلفاء خواجہ محمد ہاشم کشمی اور خواجہ بدر الدین سرہندی کے بیانات سے ان شرائط کا پتا نہیں چلتا، البتہ ہندوستان کے ایک فاضل شری رام شرما نے اس قیاس کا اظہار کیا ہے کہ سجدۂ تعظیمی حضرت مجدد کے لیے موقوف کر دیا گیا ہوگا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

۱؎ سی۔ اے۔ اسٹوری نے ایک ہی سال لکھا ہے (پرشین لٹریچر، جلد اول حصہ دوم، مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء ص۔ ۹۱۰) نہ معلوم پروفیسر محمد اسلم صاحب (صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور) نے کس ماخذ کی روشنی میں مدتِ اسیری 'اندازاً دو سال' تعین کی ہے (محمد اسلم: حضرت شیخ احمد سرہندی، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، ص۔۴۰)

۲؎ مثلاً: ۱۔ کمال الدین محمد احسان، روضۃ القیومیہ، (ترجمہ اردو) مطبوعہ لاہور ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء، ص۔ ۱۹۱

۲۔ ابو البیان محمد داؤد پسروری: سیرت امام ربانی، مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء، ص۔ ۱۳۲

۳۔ برہان احمد فاروقی: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا تصور توحید، مطبوعہ لاہور ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء، ص۔ ۳۰۔

۴۔ G. Allana : *Our Freedom Fighters*, Karachi, 1969, p. 29.

۵۔ زوار حسین شاہ: حضرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، ص۔ ۲۰۱ (مسعود)

چھٹے سال جلوس میں میر عادل اور قاضیوں کو زمین بوس (سجدۂ تعظیمی) معاف کر دیا گیا تھا، اس طرح دو طبقے جن کو مذہباً زمین بوس پر اعتراض تھا، مستثنیٰ قرار دیے گئے لیکن جب ایک کٹر سنی عالم دربار میں آتا ہے اور سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس کا بلا میں مبتلا ہونا عین ممکن ہے چنانچہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ شیخ احمد نے اسی وجہ سے مصیبتیں اٹھائیں لیکن ان کی رہائی پر جہانگیر سے جو ان کی مصالحت ہو گئی تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو بھی زمین بوس (سجدۂ تعظیمی) سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہو گا جہانگیر آپ کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے بہت بے چین تھا اور یہ اس لیے تاکہ آپ کو اس گستاخی کی سزا دے [1]

حضرت مجدد کی رہائی، رہائی و آزادی نہ تھی بلکہ ایک قسم کی پابندی اور قید تھی چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی کے اس بیان سے یہی مستفاد ہوتا ہے :-

بادشاہ کی مزاحمت کی وجہ سے دو تین سال تک لشکر کے ساتھ بعض شہروں میں آپ کا جانا ہوا [2]

خود حضرت مجدد کے مکتوبات سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے، فرزندان گرامی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

فرزندان گرامی! مطمئن رہیں، یہاں لوگ ہماری تکلیف کا خیال رکھتے ہیں اور تنگی سے نجات کے لیے کوشاں ہیں، ان کو نہیں معلوم کہ نامرادی و بے اختیاری اور ناکامی میں کس بلا کا حسن و جمال ہے، اس نعمت کے برابر اور کونسی نعمت ہے کہ اس شخص کو اپنے اختیار سے بے اختیار کر کے اپنے اختیار سے اس کو زندگی بخشیں اور اس کے اختیاری امور کو اس بے اختیاری کے تابع کر کے اس کو اس کے دائرۂ اختیار

---

[1] S R. Sharma : *The Religious Policy of Mughal Emperors* Bombay, 1962, p. 72.

[2] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ، ص - ۱۵۹

سے باہر نے آئیں اور ایسا کردیں جس طرح مردہ بدست زندہ ہوتا ہے، قید کے زمانہ میں
جب کبھی میں اپنی ناکامی اور بے اختیاری کا مطالعہ کرتا تھا تو بڑا لطف آتا تھا اور اس سے
خوب لطف اندوز ہوتا تھا [1]

مکتوبات بالا میں "مردہ بدست زندہ" معنی خیز محاورہ ہے! قید لشکر کی بے بسی اور بے کسی بیان ہو گئی۔ کیا
اس مکتوب کو پڑھنے کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ جہاں گیر نے حضرت مجدد کو واقعی آزاد کر کے خود مختار
بنا دیا تھا؟ اور سنیے۔

ایک مکتوب میں فرزندانِ گرامی کو تحریر فرماتے ہیں:۔

ان سفروں اور ان مصیبتوں میں دو عزیز بیٹوں کی جدائی سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں
پاتا، کوئی وقت ہوتا ہوگا کہ ان کی یاد سے فارغ ہوتا ہوں گا [2]

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

بیٹے دور ہیں اور عمر ختم ہونے والی ہے، دیکھیے کیا ہوتا ہے، ہم یہی کہتے ہیں کہ
جو خدا کرتا ہے اس میں بہتری ہوتی ہے [3]۔

ان مکاتیب سے کیسی حسرت ٹپک رہی ہے، یہ کسی آزاد و خود مختار کی آواز نہیں ہو سکتی: اگر اب بھی
کچھ شک ہے تو اور سنیے:

فرزندانِ گرامی کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

لشکر میں اس طرح بے اختیاری اور بے دلی کے ساتھ رہنے کو بسا غنیمت سمجھتا ہوں [4]

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

بادشاہ کی طرف سے جو ممانعت و پابندی ہے اس کو اپنے آقا کی کمال محبت و خوشنودی کا دریچہ

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم مکتوب نمبر ۸۳

[2] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۸۲

[3] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۸۷

[4] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۸۷

سمجھتا ہوں اور اس قید کو اپنی سعادت خیال کرتا ہوں[1]

خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ (۱۰۳۲ھ) کا ایک واقعہ لکھا ہے جب کہ حضرت مجدد لشکر شاہی کے ساتھ اجمیر شریف میں مقیم تھے۔ حضرت مجدد خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کے مزار پُر انوار پر تشریف لے گئے، دیر تک مراقب رہے، اس مراقبے میں جو بات محسوس کی وہ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ سے اس طرح فرمائی۔

(حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ نے) ہم سے فرمایا کہ اس لشکر سے اپنی نجات و رہائی کی کوشش نہ کریں اور خدا کی رضا پر چھوڑ دیں[2]

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں۔

۱۔ لشکر شاہی میں حضرت مجدد بالکل بے اختیار تھے، حتیٰ کہ اہل و عیال سے ملنے سرہند بھی نہ جا سکتے تھے۔

۲۔ دل نہ چاہتا تھا، مگر طوعاً و کرہاً مقیم تھے۔

۳۔ جہاں گیر نے آپ کے جانے پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔

۴۔ لشکر شاہی کی رفاقت درحقیقت قید تھی اور اس سے خلاصی کے لیے مخلصین نے اپنی سی کوشش کی۔

لیکن حضرت مجدد کو قلعہ گوالیار میں ایک سال نظر بندی کے بعد اس "قید رفاقت" میں کیوں رکھا اور یہ پابندی کیوں عائد کی؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں گیر حضرت مجدد کے ہمہ گیر اثرات اور مقبولیت سے کچھ خائف تھا، ورنہ رہا کرنے میں کیا چیز مانع تھی؟ چوں کہ اکثر اعیانِ مملکت اور فوجی آپ کے زیر اثر تھے اس لیے یادؔ

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۸،

[2] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۸۳

نوٹ:۔ مکتوب نمبر ۵۶ (جلد سوم) سے اندازہ ہوتا ہے کہ لشکر شاہی سے گھر جانے کے لیے عارضی طور پر رخصت مل جایا کرتی تھی اور مکتوب ۲، (جلد سوم) سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض احباب اور صاحب زادگان بھی لشکر شاہی میں حضرت مجدد کے ساتھ رہے ہیں۔ (مسعود)

عرصے تک قلعہ گوالیار میں نظر بند رکھنا بھی خطرے سے خالی نہ تھا، سیاسی حکمت عملی اور مصلحت وقت کے تحت اس نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو قلعہ گوالیار سے بلا کر اپنے ساتھ رکھے، اور اندیشہ بغاوت کو فرو کرنے کے لیے یہ اعلان کر دے کہ ہم نے آزاد و خود مختار بنا دیا، مگر انہوں نے ہمارے ساتھ رہنا پسند کیا، کس کا یارا تھا جو خود بادشاہ کی اس غلط بیانی اور سفید جھوٹ کی قلعی کھولتا، پھر دکھانے کو خلعت و انعام سے بھی نوازا[1] اگر واقعی وہ مت ۔۔ تن خلعت و انعام تھے تو پھر پابند کر کے بے بس و بے اختیار کیوں کیا ؟

ع ۔ اک معما ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا !

جس نتیجے پر ہم پہنچے ہیں جدید محققین میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں، وہ لکھتے ہیں :-

> شیخ احمد کو لشکر شاہی میں کیوں رکھا ؟ کیا لشکر کے فائدے کے لیے ؟ لیکن خود شیخ احمد کے بیانات سے اس کی تردید ہوتی ہے ۔ تو کیا پھر بادشاہ کو آپ کی مبلغانہ جدوجہد سے کچھ خوف تھا ؟ ۔ میرے نزدیک تو یہی ایک معقول وجہ نظر آتی ہے، اس لیے شیخ احمد لشکر میں اس وقت تک پابند رکھے گئے جب تک آپ کی صحت جواب نہ دے گئی اور جب آپ اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل گھر آئے تو مطلقاً خلوت نشین ہو گئے، اور بالآخر ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ (۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء) کو وصال فرمایا[2]
>
> (ترجمہ و تلخیص)

---

[1] ۱۰۲۹ھ میں ایک ہزار روپے اور خلعت عنایت کی ۔ پھر ۱۰۳۲ھ میں دو ہزار روپے دیے ۔
(ا) تزک جہانگیری (اردو ترجمہ)، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۲۲۹)

(ب) C.A. Storey : *The Persian Literature*, Vol. I, Part II, London, 1953, p. 988.

[2] Fazlur Rahman : *Selected Letters of Sheikh Ahmed Sirhindi*, Karachi, 1968, p. 81.

انقلاب

حضرت مجدد کی جہاں گیر کے ساتھ یہ قید رفاقت بھی خدائی حکمت سے خالی نہ تھی۔ آپ کی پانچ سالہ رفاقت نے جہاں گیر پر مثبت اثرات مرتب کیے۔ بعض شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو آپ سے تعلق خاطر تھا اور آپ کی ولایت کا معترف بھی تھا کہ پندار شاہی کی وجہ سے زبان سے کھلم کھلا اس کا اقرار و اعلان نہ کرسکا۔

حضرت مجدد کے صاحب زادگان کے ایک مخلص وارادت مند علی اکبر حسینی اردستانی نے اپنی تالیف مجمع الاولیاء میں ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

قدوۃ السلاطین العظام ابوالمظفر نورالدین محمد جہاں گیر بادشاہ انار اللہ برہانہ کشمیر[1] سے لوٹتے وقت مرض ضیق النفس میں مبتلا ہوگئے، طبیب علاج کرتے مگر فائدہ نہ ہوتا، (مقربین بارگاہ نے) کہا کہ اب اللہ والوں کو دکھانا چاہیے چنانچہ آپ سے درخواست کی گئی۔ آپ تشریف لے گئے، بادشاہ نے محل کے اندر طلب فرمایا اور دعائے صحت کی التجا کی، آپ نے فرمایا کہ دعا کے لیے حاضر ہوں لیکن آپ وعدہ فرمائیں کہ اسلام اور شعائر اسلام کی آپ اشاعت کریں گے۔ بادشاہ نے فرمایا:-

"گفتن از شما است و کردن از ما"

اس کے بعد آپ اٹھے اور اپنی شال مبارک بچھا کر دوگانہ ادا کی، دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور خضوع و خشوع کے ساتھ دعا فرمائی، آپ کی دعا مستجاب ہوئی اور اسی رات بادشاہ کا مرض رفع ہوگیا۔ جب سرہند قریب آیا تو فرمایا" شیخ جیو!

[1] ۱۰۳۲ھ میں حضرت مجدد کو کشمیر طلب کرکے رہا کیا گیا تھا، ممکن ہے کہ یہ واقعہ اسی سال مراجعت کے وقت پیش آیا۔ مسعود
[2] یہ مرض (ضیق النفس) اچانک حملہ کرتا ہے اور مریض جاں بلب معلوم ہوتا ہے لیکن اگر موثر دوا دی جائے تو اچانک ایسا غائب ہوتا ہے کہ دیکھنے والے حیرت زدہ ہو جاتے ہیں اس لیے حضرت مجدد کی دعا سے جہاں گیر کا اچانک صحت یاب ہو جانا باعث حیرت نہیں (مسعود)

چوں کہ تمہاری دُعا سے صحت پائی ہے۔ کل تمہارے لنگر خانے سے پرہیز توڑیں گے،
چنانچہ دوسرے دن کھانا تیار کرا کے مٹی کے دو برتنوں میں مخدوم زادگان (یعنی خواجہ
محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ) کے ہاتھ بھجوایا، جب بادشاہ نے آپ کا کھانا
تناول فرمایا تو آصف جاہ سے فرمایا کہ آج ہم نے شیخ کے گھر کا کھانا تناول فرمایا
بہت مزیدار تھا، خاص طور پر مرغ بہت ہی اچھا پکایا تھا، آدھا کھایا اور آدھا اٹھا
کر رکھ دیا ہے پھر کھائیں گے (نصفے ازاں خوردہ ایم و نصفے نگاہ داشتہ کہ بخوریم)
اس کے بعد آصف جاہ سے کہا کہ تم جا کر کہو کہ درویشوں کے یومیہ خرچ کے لیے
ہماری طرف سے کچھ قبول فرمائیں، آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ خدا کے در کے بھکاری صرف
خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب لشکر شاہی سرہند پہنچا تو حضرت مجدد کو اجازت دی گئی
کہ وہ گھر جا کر بادشاہ کے لیے کھانا تیار کرائیں، آپ نے کھانا تیار کرایا، معمولی کھانا نہیں بلکہ مرغ مسلّم
پکوایا، پھر کسی خادم کے ہاتھ نہ بھیجا بلکہ صاحب زادگان کے ہاتھ بھیجا، حضرت مجدد کی طرف سے بادشاہ
کا یہ احترام اور بادشاہ کی طرف سے یہ عقیدت کہ "آدھا کھایا اور آدھا اٹھا کر رکھ دیا" بادشاہ اور کسی
کھانے کو اٹھا کر رکھے! یہ عمل سراسر عقیدت اور دلی تاثر کا غماز ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس
سیاسی فضا کی وجہ سے جو اکبر نے بنائی تھی، کافی مجبور تھا، اس لیے اس کی کوئی ایسی تحریر نہیں ملتی جس میں
اس نے کھل کر عقیدت کا اظہار کیا ہو۔

---

[1] علی اکبر حسینی اردستانی، مجمع الاولیاء (جمع فیض ۱۰۴۴ھ) مکتوبہ ۲۰ ربیع الاول ۱۰۴۳ھ، مخطوطہ انڈیا
آفس لائبریری، لندن نمبر ۱۴۹۵، ورق - ۴۴۲
نوٹ :- مؤلف نے اس کتاب کو شاہجہاں کے نام معنون کیا ہے، اس نے لکھا ہے کہ وہ حضرت مجدد
کے صاحبزادگان خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد سعید علیہما الرحمہ سے اخلاص و ارادت رکھتا ہے اور اس کتاب میں جو کچھ بیان
کیا ہے وہ انہیں دو بزرگوں کی توجہ ظاہری و باطنی کے طفیل لکھا گیا ہے۔
(ورق - ۴۴۶)

جہانگیر کے ساتھ رہ کر حضرت مجدد کو تبلیغ و ارشاد کا اچھا موقع مل گیا، چنانچہ آپ نے حکمت و موعظت کے ساتھ، اس کو اسلام کی باتیں بتائیں۔ صاحبزادگان کے نام ایک مکتوب میں بادشاہ کے ساتھ ایک صحبت کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں:۔

یہاں کے حالات بہت اچھے اور شکر کے قابل ہیں، عجیب و غریب صحبتیں ہو رہی ہیں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان ہماری گفتگوؤں میں دینی امور اور اسلامی اصول کے متعلق بال برابر کسی قسم کی نرمی یا سستی کا اظہار نہیں ہوا، وہی باتیں جو خاص مجلسوں اور خلوتوں میں بیان کی جاتی تھیں، ان معرکوں میں بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے بیان ہو رہی ہیں، اگر میں ایک مجلس کا بھی حال لکھوں تو اس کے لیے ایک دفتر چاہیے خصوصاً آج کی رات جو رمضان کی ۱۷ تاریخ ہے، پیغمبروں (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) کی بعثت عقل کی بیچارگی، آخرت، عذاب و ثواب پر ایمان لانے، حق تعالیٰ کے دیدار، خاتم الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ختم نبوت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفاء راشدین کی پیروی (رضی اللہ عنہم) اور تراویح کے مسنون ہونے، تناسخ کے باطل ہونے جن اور جنیوں کے ذکر، ان کے عذاب و ثواب کے مسئلے اور اسی قسم کی بہت سی باتوں کا ذکر رہا، (بادشاہ نے) پوری توجہ سے ان کو سنا، اسی سلسلے میں اقطاب و ابدال و اوتاد اور ان کی خصوصیتوں کا بھی ذکر آیا، خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ (بادشاہ) ایک حال پر قائم رہے، اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا (یعنی تیور نہیں بدلے)، شاید ان واقعات اور ملاقاتوں میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں اور اسرار پوشیدہ ہوں، شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بات کی ہدایت فرمائی، ہم اس راہ کو نہیں پا سکتے اگر حق تعالیٰ راہ نہ دکھاتے، بلاشبہ ہمارے رب کے پیغمبر حق کے ساتھ آئے۔[۱]

اس مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ قلعہ گوالیار میں نظر بندی اور قید رفاقت نے حضرت مجدد کو مجلس شاہی میں حق کہنے سے باز نہ رکھا بلکہ بے باک بنا دیا، ایک ایسے جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق

---

[۱] حضرت مجدد، مکتوبات شریف، مکتوب نمبر ۴۳

اپنا ظلم کر چکا ہو بلکہ جس کی ستم رانیوں کا سلسلہ جاری ہو، واقعی افضل الجہاد ہے، حضرت مجدد نہ صرف الف ثانی کے مجدد ہیں بلکہ الف ثانی کے مجاہد بھی ہیں، آپ سر گروہ احرار ہیں ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

آپ نے بادشاہ کے سامنے جن جن مسائل کو دل نشیں انداز سے بیان فرمایا وہی مسائل تھے جو دور اکبری میں ایسے الجھ گئے تھے کہ سلجھائے نہ سلجھ سکے اور اس الجھن نے پوری فضا اور ماحول کو الجھا دیا تھا، مجلس شاہی میں .... ان مسائل کا ذکر خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بنیادیں ہل چکی تھیں ورنہ تحصیل حاصل سے فائدہ؟ اقبال نے خوب کہا ہے:-

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

اللہ اللہ سرمایہ ملت کی کیسی نگہبانی فرمائی کہ نگہبانی کا حق ادا کر دیا ؏
کرم کردی الٰہی زندہ باشی!

حضرت مجدد کے مکتوب سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اظہارِ حق کے وقت آپ اس کے تیور پر نظر رکھتے تھے، واقعی اس کو نصیحت کرنا تلوار کی دھار پر چلنا تھا، حق کہنا نسبتاً آسان ہے مگر بلیغ انداز میں جس حق گوئی کی دشمن بھی داد دے، بہت مشکل ہے، قرآن پاک کلام ہی تو اعجاز ہے، اور یہی اس کی تعلیم بھی ہے۔ خدا کے راستے کی طرف حکمت و موعظت کے ساتھ بلاؤ، اس طرح نہ بلاؤ کہ دل کھٹے ہو جائیں۔

حضرت مجدد اکثر مجلس شاہی میں تشریف لے جاتے تھے ظاہر ہے کہ از خود نہ جاتے ہوں گے جب بلایا جاتا ہوگا جب ہی جاتے ہوں گے وہ کوئی عام مجلس نہ تھی، مجلس شاہی تھی، حضرت مجدد کے محولہ بالا مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ کے ساتھ عجیب و غریب صحبتیں رہتی تھیں چند منٹوں کے لیے نہیں بلکہ یہ صحبتیں گھنٹوں اور پہروں رہا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

فرزندان گرامی کا صحیفہ شریف موصول ہوا، خدا کا شکر ہے کہ صحت و عافیت ہے

آج ہی جزئی بات رونما ہوئی اس کو لکھتا ہوں، غور سے سنیں، آج رات جو ہفتے کی رات تھی مجلس شاہی میں گیا تھا، ایک پہر رات گزرنے کے بعد وہاں سے واپس آیا اور حافظ سے تین پارے سنے، دو پہر رات گزر چکی تھی کہ نیند آ گئی خواب میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقیر کے لیے اجازت نامہ تحریر فرمایا، اس اجازت نامے میں کچھ کسر رہ گئی تو اس کے پشت پر لکھا یا لکھوایا اور اپنی مہر سے مزین فرمایا۔ اجازت نامے کا مضمون یہ تھا:-

درعوض اجازت نامۂ دنیا، اجازت نامۂ آخرت داد اند و در مقام شفاعت نصیب عنایت فرمودہ [1]

یہ مکتوب ذرا طویل ہے، ہم نے یہاں غیر متعلق حصہ اس لیے نقل کر دیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ مجلس شاہی کی یہ صحبتیں دربار رسالت میں مقبول ہوئیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت بیکراں سے نوازا۔

حضرت مجدد کی صحبت کیمیا اثر سے نہ صرف جہاں گیر کے مقربین بلکہ اعیان مملکت اور ان کی اولاد و اخلاف پہ حیرت انگیز اثرات مرتب ہوئے۔ چنانچہ ۱۰۲۹ھ میں حضرت مجدد لشکر شاہی میں داخل ہوئے اور اعیانِ مملکت اور بادشاہ سے قریبی صحبتیں رہیں۔ ایک حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا ؂

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پروانۂ دل

خاں جہاں حضرت مجدد کے معتقدین و مخلصین میں تھے، اور جہاں گیر کے مقربین۔ ان کے بیٹے نے اس سال اچانک شراب ترک کر دی، خود جہاں گیر نے حیرت و استعجاب سے لکھا ہے

انہی دنوں (۱۰۲۹ھ) خان جہاں کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے شراب نوشی ترک کرنے کی حیرت انگیز توفیق دی، وہ کثرت مے خواری کی وجہ سے بہت کمزور ہو

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۰۶ (ترجمہ و تلخیص)

گیا تھا اس مردافگن نشے کی کثرت نے اس کا یہ حال کر دیا تھا کہ اس کی زندگی ختم ہونے کے قریب آگئی تھی لیکن اس نے توفیق الٰہی سے ایک دم اپنے کو سنبھال لیا اور عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی نہیں پیئے گا، اگرچہ میں نے اسے نصیحت کی کہ یکبارگی چھوڑ دینا مناسب نہیں، طبی نقطۂ نگاہ سے رفتہ رفتہ ترک کرنا چاہیے لیکن وہ نہ مانا اور مردانہ وار اس مرحلے سے گزر گیا[1]

ایسے عادی مجرم کا اچانک شراب ترک کر دینا واقعی حیرت انگیز ہے، لیکن اس کا سبب یہ نہیں کہ اس کو اپنی جان پیاری تھی، نہیں نہیں مے خواروں نے تو اپنی جانیں داؤ پر لگا رکھی ہیں، اور آج تک کوئی ایسا مے خوار سننے میں نہ آیا جس نے صرف حفظ زندگی کے لیے شراب نوشی ترک کی ہو۔ اگر جان پیاری ہوتی اگر زندگی محبوب ہوتی تو پھر شراب نوشی ہی کا ہے کو کرتا؛ ترک مے نوشی یقین و ایمان سے کی جاتی ہے اور یقین و ایمان اہل اللہ کی صحبت میسر آتا ہے، کیا چشم عالم نے یہ منظر نہ دیکھا کہ تاجدار دو جہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک اشارے پر مے خواروں نے جام و سبو توڑ دیے؟ ۔ ہاں ان کے غلاموں کی بھی یہی نشانی ہے ان کی نگاہ جس پر پڑ گئی، ساغر و مینا سے بے نیاز کر دیا ؎

کس قدر پُر کیف ہے ساقی کی چشم مست بھی
میکدے کا میکدہ مستی میں جھوما جائے ہے

اللہ اللہ ترک مے نوشی کا یہ عزم و حوصلہ کہ بادشاہ کہہ رہا ہے کہ کچھ تو پیو! مگر فرزند جواں مرد جواب دیتا ہے، نہیں نہیں، ہرگز نہیں، جو کچھ پی گیا، پی گیا، اب نہ پیوں گا، ہاں ؎

اے رحمت تمام مری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا۔
(جگر)

جہاں گیر نہ کہے لیکن عقل کہتی ہے کہ مے خواروں کی مجلس میں ایک جواں مرد کا اس طرح

---

[1] تزک جہاں گیری، ص ۔ ۶۳۶

منہ پھیر لینا حضرت مجدد کی صحبت کیمیا اثر کا اعجاز ہے۔

حضرت مجدد کی نصیحت وارشاد رنگ لائی، قلعہ کانگڑہ کے معائنے کے وقت جہاں گیر نے جو کچھ کیا، وہ حضرت مجدد کے اثرات نہ تھے تو کیا تھے ؟

آیئے تاریخ کے اس ورق کو بھی الٹ کر دیکھ لیں۔

صاحب مجمع الاولیاء، خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ (ابن حضرت مجدد) سے نقل کرتے ہیں۔

نواب مرتضیٰ خاں (شیخ فرید بخاری) جو آپ کے خاص معتقدین میں تھے، جہاں گیر کے حکم سے قلعہ کانگڑہ کی مہم پر متعین کیے گئے، انہوں نے دعا کی درخواست کی، لیکن آپ نے فرمایا کہ مرتضیٰ خاں کے ہاتھ فتح نہ ہوگی چنانچہ یہی جواب لکھ دیا گیا۔ کچھ روز نہ گزرے تھے کہ ان کی وفات کی خبر ملی اور ان کا تابوت دہلی لایا گیا [1]

اس کے بعد یہ مہم راجہ بکرماجیت کی سپرد کی گئی، وہ خود حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی چناں چہ آپ نے فرمایا:۔

کافروں کے ساتھ جنگ ہر مسلمان پر واجب ہے، چوں کہ تم نے ہمارے سر سے اس واجب کو ساقط کر دیا ہے تو ہم تمہارے لیے دعا سے کیسے غافل رہ سکتے ہیں، آپ نے سر جھکا کر کچھ توجہ فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا:۔

"فتح از شما است خاطر جمع داشتہ بروید"

کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ معلوم ہوا کہ قلعہ فتح ہو گیا۔ فتح کے بعد جہاں گیر بادشاہ وہاں گئے (چلتے وقت) آپ سے فرمایا کہ اگر ہمارے ساتھ چلیں تو اس قلعے میں گائے ذبح کریں گے، بت گرائیں گے، مسجدیں بنائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے

---

[1] علی اکبر حسینی اردستانی: مجمع الاولیاء (قلمی)، ورق۔ ۴۳۲

[2] نواب مرتضیٰ خاں کے انتقال کے بعد یہ مہم جوہرل کے سپرد کی اس نے سرکشی اختیار کی، بالآخر شہزادہ خرم (شاہ جہاں) کی سرکردگی میں اور غالباً راجہ بکرماجیت کی رفاقت میں یہ مہم قلعہ کانگڑہ روانہ کی گئی (مسعود)۔

آپ بادشاہ کے ساتھ اس قلعہ میں آئے، بادشاہ نے جو کچھ فرمایا تھا، کر دکھایا[1]
۱۶ شوال المکرم ۱۰۲۹ھ کو قلعۂ کانگڑہ کا محاصرہ کیا گیا اور یکم محرم الحرام ۱۰۳۰ھ کو قلعہ فتح ہوا۔ اسی سال جہاں گیر کے ساتھ حضرت مجدد قلعہ کانگڑہ تشریف لے گئے۔
فتح کانگڑہ کا واقعہ بھی جہاں گیر نے حیرت واستعجاب کے عالم میں بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

جمعرات یکم محرم الحرام ۱۰۳۰ھ کو یہ فتح حاصل ہوئی جو کسی سطوت و شوکت رکھنے والے بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی، اور جسے ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والے کم فہم لوگ بہت مشکل سمجھتے تھے، یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے[2]

حضرت مجدد نے جہاں گیر کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا کہ فقرا کی دعا اسباب ظاہری سے زیادہ مؤثر ہے، آج جہاں گیر نے اس قول کی صداقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور خود اقرار کیا کہ اسباب ظاہری پر نظر رکھی جائے تو یہ فتح بہت مشکل تھی مگر کم فہم لوگ اسباب ظاہری پر تکیہ کرتے ہیں، اسباب باطنی اس سے بڑھ کر ہیں اور وہ فقراء اور اہل اللہ کی دعا کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں؟ ایک ایک کر کے ساری صداقتیں سامنے آ رہی تھیں اور جہاں گیر کی آنکھیں کھل رہی تھیں۔
قلعہ کانگڑہ کی فتح کے بعد نقشبندی سلسلے کے ایک بزرگ عبد العزیز کو قلعہ کے نواحی علاقوں کا فوجدار مقرر کیا گیا۔ اس کو محض اتفاق نہیں کہہ سکتے، پھر جب جہاں گیر قلعے کے معائنے کے لیے گیا تو علماء و فضلاء ہم رکاب تھے، حضرت مجدد بھی ساتھ تھے، یہاں پہنچ کر جہاں گیر نے ان تمام وعدوں کو پورا کیا جو بقول صاحب مجمع الاولیاء حضرت مجدد سے کیے تھے، سنیے خود جہاں گیر کی زبانی سنیے:۔

---

[1] تزک جہاں گیری، ص ۔ ۶۵۶
[2] جہاں گیر نے لکھا ہے کہ قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ کوئی مسلمان بادشاہ یا حاکم اسے فتح نہیں کر سکا، یہ سعادت صرف اور صرف جہاں گیر کے حصے میں آئی۔ (مسعود)

۲۴/ ماہِ آبان کو قلعہ کی سیر کی طرف متوجہ ہوتے وقت قاضی اور میر عدل کو جو ہمرکاب تھے، حکم دیا کہ قلعے میں داخل ہوتے پر دینِ اسلامی اور شرعی امور کو بجالانا ضروری سمجھیں بجالائیں۔ قلعے تک پہنچنے کے لیے ایک کوس پہاڑ کی چڑھائی طے کرنے کے بعد جب اندر داخل ہوا تو بتوفیق ایزدی اذان دلوا کر نماز اور خطبہ پڑھوایا اور اپنے سامنے گائے ذبح کرائی۔ ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک اس قلعے میں عمل نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس توفیق ایزدی کے لیے جو کسی بھی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب نہیں ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکرانہ بجالا کر اس قلعے کے اندر ایک عالی شان مسجد[1] تعمیر کیے جانے کا حکم دیا[2]۔

بادشاہ کا اپنے سامنے گائے ذبح کرانا اور مرکز کفر میں تعمیر مسجد کا حکم دینا حضرت مجدد کی کامیابی نہیں تو کس کی کامیابی ہے؟

جہاں گیر نے قلعہ کانگڑہ کی سیر سے فارغ ہو کر "درگا مندر" کی سیر کا ذکر کیا ہے اور نفرت و حقارت سے اس کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

یہاں ایک دنیا کو گمراہی کے بیاباں میں سر پٹکتے دیکھا[3]

ایک وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کے طول و عرض میں گائے کی قربانی پر پابندی تھی اور قربانی کرنے والے کی سزا یہ تھی کہ اس کی انگلیاں تراش دی جائیں، ایک وہ زمانہ تھا جب مسجدیں گرائی جارہی تھیں اور معبد و مندر بنائے جارہے تھے، اور ایک یہ زمانہ ہے کہ شاہِ وقت اپنے سامنے گائے ذبح کرارہا ہے، مسجدیں تعمیر کرا رہا ہے اور منادر کو نفرت و حقارت

---

[1] بے بدل خاں نے تعمیر مسجد پر یہ قطعہ تاریخ کہا تھا:۔

ہاتف از غیب بگفت از پے تاریخ بناش مسجدِ شاہ جہاں گیر بود نورانی

(۱۰۳۰ھ)

[2] تزک جہاں گیری، ص۔ ۶۹۶

[3] ایضاً، ص۔ ۶۹۸

سے دیکھ رہا ہے اور عجب نہیں کہ اس نے ایسے منادر ڈھا دیے ہوں جو مساجد کی جگہ بنائے گئے تھے۔
بہرکیف ان واقعات سے جہاں گیر کی اسلامی ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس ذہنیت کی تعمیر میں حضرت مجددؒ نے مثبت اور اہم کردار ادا کیا۔

جنوبی ایشیا میں میتھوڈسٹ چرچ کے بشپ جان۔ اے سبحان نے حضرت مجدد کی سیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

یہ شخص لوگوں پر اس حد تک اثر انداز ہوا کہ ایک زمانہ تھا جب کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان میں سلسلۂ نقشبندیہ دوسرے سلاسل پر چھا جائیگا۔ اس سلسلے کی اہمیت کا اندازہ روز کے اس بیان سے ہوتا ہے :-

سلسلۂ نقشبندیہ کی تاریخ صرف اس لیے دل چسپ نہیں کہ اس نے اسلامی فکر میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے بلکہ اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس نے ہندوستان کے سیاسی انقلابات کو بے حد متاثر کیا[1]

جہاں گیر اور حضرت مجدد کے تعلقات پر تبصرہ کرتے وقت بعض سوانح نگاروں نے قدرے مبالغہ سے کام لیا ہے مثلاً مولوی محمد میاں نے لکھا ہے :-

بہرحال ان مجالس خصوصی اور توجہات کی برکت تھی کہ بادشاہ نے آپکے دست حق پرست پر توبہ کی اور شراب وکباب اور دوسری منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید وشاید[2]

---

[1] John A. Subhan : *Sufism its Saints and Shrines*, Lucknow, 1938, p. 86.

نوٹ : اس کتاب کے متعلقہ اوراق کے پرنٹس پروفیسر محمد حنیف خاں نے امریکن یونیورسٹی آف بیروت (لبنان) کے کتب خانے سے حاصل کر کے ارسال فرمائے تھے، راقم ان کا تہ دل سے ممنون ہے۔ (مسعود)

[2] محمد میاں : علمائے ہند کی شاندار ماضی، حصہ اول، مطبوعہ دہلی، ۱۳۵۸ھ، ص۔ ۱۱۷و۱۱۸

لیکن تزکِ جہاں گیری سے اس توبہ کی تردید ہوتی ہے، چنانچہ تکملہ نگار مرزا ہادی بیگ لکھتا ہے :

ان کی بھوک جاتی رہی اور طبیعت افیون سے بھی متنفر ہوگئی جس کے وہ چالیس سال سے عادی تھے، شراب انگوری کے چند پیالوں کے سوا کھانے پینے کی تمام چیزیں چھوٹ گئیں [1]

گویا حضرت مجدد کے وصال کے بعد بھی وہ برابر شراب انگوری نوش فرماتے رہے۔ مولوی محمد میاں نے جہاں گیر کی طرف سے یہ بیان نقل کیا ہے، نہ معلوم اس کی اصل کیا ہے :۔

میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو، صرف میرے پاس ایک دستاویز ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ مجھ سے ایک روز شیخ احمد سرہندی نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں لے جائیگا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے [2]

اس میں شک نہیں کہ حضرت مجدد کی عنایات سے بعید نہیں کہ انہوں نے جہاں گیر کے لیے یہ فرمایا ہو مگر اس بیان کی کوئی اصل نہیں نظر آتی۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت مجدد کے خلیفہ فاضل جلیل خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ جہاں گیر کا اس طرح ذکر نہیں فرماتے :۔

اس کو یہ بے ادبی نامبارک ثابت ہوئی، اس کی مملکت میں فتنے اور ہنگامے برپا ہونے لگے اور اس کے بعض شہروں پر ایرانیوں نے قبضہ کر لیا اور اپنے تصرف میں لے آئے اور وہ خود مہلک بیماریوں میں مبتلا ہوگیا اور اسی میں مرگیا۔ [3]

خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے مرید و مخلص خواجہ محمد امین بدخشی نے لکھا ہے :۔

خدا کا شکر ہے کہ آپ کے صبر و استقامت سے مصیبتیں اور بلائیں دین و دنیا کی

---

[1] مرزا ہادی بیگ : تکملہ تزک جہاں گیری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء، ص۔ ۸۵۲

[2] محمد میاں : علمائے ہند کی شاندار ماضی، ص۔ ۱۱۸

[3] زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۴۸

ترقی کا سبب بن گئیں۔ دینی ترقیاں تو ظاہر ہیں کہ آپ نے اور آپ کی اولاد و خلفاء سے لاکھوں انسان فیض پا چکے ہیں اور دینی و دنیوی فائدے حاصل کر چکے ہیں، اور دنیوی ترقیاں اور بھی ظاہر ہیں کہ جہاں گیر بادشاہ آخر کار مہربان ہوا اور آپ کے مخلصوں میں ہوگیا اور شاہجہان بادشاہ تو شہزادگی کے زمانے سے آپ کے محب و معین رہے اور آپ پر بہت احسان کیے ہیں [1]

ممکن ہے کہ جہاں گیر دل سے آپ کا بہی خواہ ہوگیا ہو، بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے، لیکن جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں اس نے اس اخلاص و محبت کا کہیں اظہار و اعلان نہیں کیا، کم از کم ہماری نظر سے کوئی ایسی تحریر نہیں گزری البتہ ایسی تحریریں ضرور ہیں جو روایتاً اس کی طرف منسوب کی گئی ہیں، اور بعض روایات اصول درایت کے رو سے بھی صحیح معلوم ہوتی رہیں۔ جان۔ اے۔ سبحان نے بھی حضرت مجدد سے جہاں گیر کی اخلاص و محبت کا اس طرح ذکر کیا ہے:-

شیخ احمد تین سال تک قید میں رہے، اس عرصے میں جہاں گیر کو آپ کی معصومیت کا اندازہ ہوگیا (چنانچہ اس نے) آپ کو آزاد کر دیا، بلکہ وہ آپ کی درویشانہ زندگی سے متاثر ہوا اور حقیقت میں آپ کا مرید ہوگیا اور آپ کی ہدایت پر امور مملکت میں بعض تبدیلیاں کیں مثلاً "زمین بوس" ختم کر دیا گیا، گائے کے گوشت سے پابندی اٹھالی گئی، بادشاہ اور اعیانِ مملکت کے لیے دیوان علم کے پاس ایک مسجد تعمیر کی گئی، سنی فقہ کو مملکت کا قانون قرار دیا گیا۔ ۔ ۔ ۔ المختصر شیخ احمد کے زمانے سے مغل بادشاہوں کے درباروں میں سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کا اثر و نفوذ رہا چنانچہ اورنگ زیب جو شیخ احمد کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کا مرید تھا، اسی سلسلے کا پروردہ تھا [2]

---

[1] محمد امین بدخشی، مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ، ورق ۔ ۱۷۲

[2] John A. Subhan : *Sufism Its Saints and Shrines*, Lucknow, p 293.

اس تحریر میں بعض باتیں صحیح نہیں مثلاً حضرت مجدد کا تین سال قید رہنا، پھر مطلقاً آزاد ہو جانا، اور جہاں گیر کا مرید ہو جانا۔ البتہ باقی باتیں صحیح معلوم ہوتی ہیں اور آخری بات کہ مشائخ نقشبندیہ کا مغل بادشاہوں کے درباروں میں اثر و نفوذ رہا ایک زندہ حقیقت ہے جس کی طرف مورخین نے ابتک توجہ نہیں کی۔ اور یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ مشائخ نقشبندیہ ہی نہیں بلکہ خاندان مجددیہ کا اثر و نفوذ رہا۔ ہاں البتہ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کا دربار اکبری کے امرا پر بڑا اثر تھا، بلکہ آپ ہی کے تعارف سے یہ امرا حضرت مجدد سے متعارف ہوئے لیکن آپ کے بعد حضرت مجدد، پھر حضرت خواجہ محمد معصوم، پھر حضرت خواجہ سیف الدین جہاں گیر، شاہجہان، اورنگ زیب علیہم الرحمہ کے درباروں پر چھائے رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستانی سیاست پہ ایسے چھائے کہ اس کو اسلامی رنگ میں رنگ دیا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر

وصال و فراق

- بشاراتِ وصال
- آثارِ وصال
- کیفیت وصال
- تجہیز و تکفین
- نمازِ جنازہ و تدفین
- قطعاتِ فراق
- کلماتِ فراق

قبر انور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرہند شریف۔ مشرقی پنجاب۔ بھارت

قبر انور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرہند شریف۔ مشرقی پنجاب۔ بھارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موت کا ایک دن معین ہے ، سب کو جانا ہے ، کسی کو یہاں نہیں رہنا ؎

آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے ، سو یہ کدھر جاتے ہیں؟

لیکن ہمارے اور ان کے جانے میں بڑا فرق ہے ، وہ ہنستے مسکراتے جاتے ہیں. ہم چیختے چلاتے جاتے ہیں۔

اللہ اللہ یہ حضرات وہ ہیں جنہوں نے جینے اور مرنے کا سلیقہ بتایا ، مگر افسوس ہم ان کے پیچھے دوڑ رہے ہیں جن کو نہ جینے کا سلیقہ آتا ہے اور نہ مرنے کا ۔ جو خالی ہاتھ آتے ہیں اور خالی ہاتھ جاتے ہیں ، جو روتے آتے ہیں اور روتے جاتے ہیں ، ان کی قسمت میں محرومی اور ناکامی کے سوا کچھ نہیں ۔ مگر دیکھو دیکھو ایک وہ ہیں جو خالی ہاتھ نہ آتے ہیں اور نہ خالی ہاتھ جاتے ہیں ، دامن بھر کے لے جاتے ہیں اور بہت کچھ لٹا بھی جاتے ہیں یہ وہ ہے جو کامیاب و کامران ہنستے مسکراتے جاتے ہیں ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب است

(اقبال)

عین بلا میں ان کے چہرے پر مسکراہٹیں کیوں کھیلتی ہیں ؟ ایک ایک آن سے باخبر ہیں ، بیخبر نہیں جنہیں موت اچانک آکر دبوچ لیتی ہے ، وہ ایک ایک پل کی خبر رکھتے ہیں ، اللہ اللہ اپنی زندگی کے کیسے نگران ہیں ؟

حاسبوا قبل ان تحاسبوا ایسا حساب کتاب کوئی کر کے تو دکھائے!

جس گھڑی کی کسی کو خبر نہیں ، اس گھڑی کی وہ خبر لے رہے ہیں ، منٹوں ، سیکنڈوں گھنٹوں دنوں اور مہینوں پہلے نہیں بلکہ سالوں پہلے ، پھر جوں جوں وہ گھڑی قریب آتی جاتی ہے ، بتاتے

جاتے ہیں، منٹ منٹ کا حساب بتاتے جاتے ہیں ؎

ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

اللہ اللہ ان کے انداز ے غضب کے انداز ے ہیں۔ جدید تحقیق کی روشنی میں خود سائنس کے کتنے یقین تدریجی بے یقینی ہو گئے، جو سب سے بڑا سچ تھا وہ سب سے بڑا جھوٹ نکلا آنکھیں کھل گئیں لیکن نہیں نہیں وہ ایسی جھوٹی سچی خبریں نہیں دیا کرتے، وہ صداقت شعار ہیں، جو کچھ کہتے ہیں، سچ کہتے ہیں، یہی صداقت شعاری ان کی روحانی عظمت پر گواہ ہے۔

بشارات وصال:

دیکھو دیکھو وصال سے دس سال قبل ۱۰۲۴ھ میں جب کہ عمر شریف ۶۳ سال کی ہو گئی تھی فرماتے ہیں:۔

میں ۶۳ سال سے زیادہ اپنی عمر نہیں دیکھتا، اور یہ قضائے مبرم صاف صاف نظر آ رہی ہے [۱]

۱۰۳۲ھ میں اجمیر شریف سے مخدوم زادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ کو تحریر فرمایا:۔

دنیا کے اجازت نامہ کی جگہ آخرت کا اجازت نامہ دے دیا گیا ہے، زندگی کے دن نزدیک آ گئے ہیں [۲]

۱۰۳۳ھ میں انتقال سے چھ ماہ قبل سرہند شریف سے جہاں گیر کے ایک درباری صادق خاں کے نام ایک سفارشی مکتوب تحریر فرمایا حضرت مجدد تحریر فرما رہے تھے اور ان کے خلیفہ خواجہ بدرالدین سرہندی پیچھے کھڑے پنکھا جھل رہے تھے اور مکتوب دیکھتے جاتے تھے، مکتوب کی عبارت ان کی زبانی سنیے:۔

---

[۱] خواجہ بدرالدین سرہندی، وصایا احمدی، مطبوعہ مراد آباد ۱۳۱۶ھ، ص۔۷

[۲] ا۔ ایضاً، ص۔۷

ب۔ خواجہ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، مطبوعہ لاہور ۱۳۳۱ھ، ص۔۱۷۷

معلوم ہو گیا ہو گا کہ بادشاہ نے فقیر کو "رخصت مطلق" عنایت فرما دی ہے اس وقت سے خلوت و تنہائی اختیار کر لی ہے اور خدا کی عنایت سے اوقات اطمینان سے گزر رہے ہیں، چوں کہ اس شہر میں ہر سال وبا آتی ہے، معلوم نہیں ہوتا کہ اس سال زندگی وفا کرے گی۔ امید ہے کہ آپ خوش خرم ہوں گے [1]

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے دوسرے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے بھی وصال سے قبل کے حالات لکھے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ۱۰۳۲ھ میں اجمیر شریف سے صاحب صاحبزادگان کو تحریر فرمایا:۔

یہ دکھایا گیا ہے اور الہام کیا گیا ہے کہ قضائے مبرم اور زندگی ۶۳ سال کی ہے [2]۔

اس مکتوب کے ملتے ہی دونوں صاحبزادگان اجمیر شریف روانہ ہو گئے یہاں حضرت مجدد نے ان کو خلوت میں رکھا اور مستفیض فرمایا، اس کے بعد فرمایا:۔

مجھے اس دنیا سے اب کوئی تعلق وابستگی نہ رہی، اب اس جہاں میں چلنا چاہیے، چل چلاؤ کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں [3]

خواجہ محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ اجمیر شریف کے قیام کے دوران ایک رات حجرہ شریف کے قریب گیا تو اندر سے گریہ وزاری کی آواز آ رہی تھی، کان لگا کر سنا تو آپ زار و قطار رو رہے ہیں اور زبان مبارک پر یہ شعر جاری ہے ؎

از دو روزہ زندگی جانم نشد سیر از غمت
وہ چہ خوش بودے کہ عمر جاودانی داشتے [4]

ترجمہ:۔ اس دو روزہ زندگی میں تو میری روح تیرے غم سے سیراب نہ ہو سکی آہ

---

[1] ایضاً، ص۔ ۷۰۸

[2] خواجہ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۸۲

[3] ایضاً، ص۔ ۲۸۲

[4] ایضاً، ص۔ ۲۸۴

کیا اچھا ہوتا کہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی مل جاتی!

آثارِ وصال:

۱۰۳۳ھ میں لشکرِ شاہی سے رخصت ہو کر سرہند شریف پہنچے اور خلوت نشیں ہو گئے، جاں نثاروں کا وہ جمگھٹا نہ رہا جو ۱۰۲۸ھ سے قبل رہتا تھا۔ رفیقِ اعلیٰ کی لگن نے مخلوق سے بے نیاز کر دیا، چل چلاؤ کا وقت قریب آرہا تھا اس لیے عزلت گزیں ہو گئے ——— اس خلوتِ خاص میں معدودے چند افراد کو باریابی حاصل ہوتی صاحبزادگان میں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہا الرحمہ، خلفاء میں خواجہ محمد ہاشم کشمی، خواجہ بدرالدین اور دو ایک خادم ——— خواجہ محمد ہاشم وصال سے قبل ہی دکن تشریف لے گئے تھے، خواجہ بدرالدین آخر وقت تک حاضر رہے، جب خواجہ محمد ہاشم رخصت ہونے لگے تو حضرت مجدد نے فرمایا:-

دُعا کرتا ہوں کہ آخرت میں ہم یک جا جمع ہوں۔[1]

حضرت مجدد کی خلوت گاہ حویلی سے کچھ دور تھی، صرف نماز جمعہ کے لیے باہر تشریف لاتے، نماز پنجگانہ اسی خلوت خانے میں ادا فرماتے، احباب میں سے چند حضرات جماعت کے لیے اندر چلے جاتے اور نماز سے فارغ ہوتے ہی باہر آجاتے۔ بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے ایامِ مرض میں امامت فرمائی۔ چنانچہ چھوٹے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:-

ایامِ مرض میں حضرت مجدد کی امامت کے فرائض خواجہ محمد سعید انجام دیتے تھے ——— فقیر سے فرمادیا تھا کہ تو مسجد میں جا کر احباب کے ساتھ نماز پڑھ اور امامت کر، یہ عاجز حسبِ ارشاد مسجد میں جماعت احباب کے ساتھ نماز پڑھ کر حضرت کی خدمت میں آجاتا اور باقی اوقات یہاں حاضر رہتا۔[2]

---

[1] ایضاً، ص۔ ۲۸۵

[2] خواجہ محمد معصوم، مکتوبات معصومی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۱۸۳، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۰ء (تلخیص و ترجمہ)

۱۵ شعبان المعظم ۱۰۳۳ھ کا ایک عجیب و غریب واقعہ صاحبزادگان نے خواجہ بدرالدین سرہندی سے اس طرح نقل فرمایا:۔

حضرت والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ شب برات تھی اور حضرت خلوت خانے میں شب بیداری فرما رہے تھے، دو پہر رات گزر چکی تھی، اندرون خانہ تشریف لائے، میں مصلے پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھی، میں نے آپ سے پوچھا،

"کیا آپ نے تہجد کی نماز پڑھ لی؟"

فرمایا:۔

نہیں ابھی نہیں پڑھی، طبیعت ذرا ملول تھی، جی میں آیا کہ تھوڑی دیر لیٹ جاؤں پھر تہجد کے لیے اٹھوں گا۔

تھوڑی دیر سو گئے، اس کے بعد اُٹھ بیٹھے، وضو کے لیے پانی طلب فرمایا، آپ وضو فرما رہے تھے، میری زبان سے یہ بات نکلی کہ نہ معلوم خدا نے آج کس کس کے نام ورقِ ہستی سے مٹائے ہوں گے۔

یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا:۔

"تم یہ بات شک اور تردد سے کہہ رہی ہو، اُس شخص کا کیا حال ہو گا جو یہ دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے کہ صحیفہ ہستی سے اس کا نام مٹا دیا گیا ہے"[1]

اللہ اللہ کیا نظر ہے ـــــــ اب وہ حدیثِ قدسی سمجھ میں آئی جس میں مولائے کل ارشاد فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ نوافل سے میرا تقرب حاصل کرتا ہے "تو میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے" ـــــــ اب اس کی آنکھ، اس کی آنکھ نہیں رہتی، مولا کی آنکھ بن جاتی ہے، جبھی تو ارشاد فرما رہے ہیں:۔

"چہ باشد حال کسے کہ می بیند و می داند کہ نام او از صحیفہ وجود محو کردہ اند"

حضرت مجدد کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں:۔

---

[1] خواجہ بدرالدین سرہندی، وصال احمدی، ص۔ ۴۰۵

زمانۂ علالت میں میں نے آپ سے دریافت کیا کہ زندگی سے مایوسی اور موت کے آثار نمایاں ہیں تو پھر آپ یہ صدقہ وخیرات کیوں کر رہے ہیں؟ ـــــ جواب میں (یہ ہندی) مصرع پڑھ دیا ؎

آج ملاوا کنت سیوں سکھی سب جگ دیوں وار[1]

ترجمہ:۔ آج تو وصال کا دن ہے، اے محبوب دل چاہتا ہے کہ سارا جہاں فدا کر دوں۔

ضعف وکمزوری میں شوق لقائے حق غالب ہو گیا تھا، کمال شوق کی وجہ سے ہر وقت اشکبار رہتے اور کلمہ اللھم الرفیق الاعلی (اے اللہ! اے بہترین ساتھی!) زبان پر جاری رہتا، علیہ عشق میں فرماتے ہیں:۔

اگر حکیم یہ کہہ دے کہ تیرا مرض قابل علاج نہیں تو میں سو روپے خدا کی راہ میں خیرات کردوں[2]

مریض تو یہ تمنا کرتا ہے کہ حکیم وطبیب یہ کہہ دے کہ "تو جی جائے گا" ـــــ لیکن مریض محبت کا حال عجیب ہے، وہ اس خوشخبری کا متمنی ہے کہ حکیم یہ کہہ دے کہ "تو مر جائے گا" ـــــ وہ موت کی خوش خبری سننا چاہتا ہے، وہی موت جو یوصل الحبیب الی الحبیب کا مژدہ جاں فزا ہے، ـــــ وہ جینے کی خبر سن کر خیرات نہیں کرتا وہ تو مرنے کی خبر سن کر سب کچھ لٹا دینا چاہتا ہے ـــــ اللہ اللہ خوش خبری، اور موت کتنے متضاد الفاظ ہیں لیکن جن کو چاہ ظلمات کا حال معلوم ہے وہ آب حیات کے لیے لپک کر جاتے ہیں۔

صاحب زادگان فرماتے ہیں کہ رات کے وقت اس درجہ ضعف غالب ہوتا کہ آپ بے آرام وبے چین ہو جاتے، جب دن نکلتا تو ضعف میں کمی ہو جاتی، رات کی سختی وتکلیف کی اس کمی پر حسرت وافسوس فرماتے کیوں کہ وہ آپ کے لیے عین راحت ہوتی تھی، آپ فرماتے:

---

[1] ایضاً، ص۔ ۶

[2] ایضاً، ص۔ ۹

ہجوم آلام میں جو نسبت میسر آتی ہے اور عین حرارت میں جو حلاوت پیدا ہوتی ہے عافیت و سکون میں وہ بات پیدا نہیں ہوتی، بیقراری اور اضطراب کی بات ہی کچھ اور ہے ۵ؔ

۱۲ محرم ۱۰۳۴ھ کو صاحب زادگان سے فرمایا کہ چالیس اور پچاس کے درمیان ہماری قبر بنائی جائے گی ۲ؔ، چنانچہ جمعرات کی رات ۲۲ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو حاضرین کے سامنے فرمایا کہ، "آج اس بات کو چالیسواں روز ہے، دیکھو ان دس دنوں میں کیا ہوتا ہے" ۳ؔ جمعرات کے روز ۲۳ صفر المظفر کو فقراء صوفیاء کو قبائیں تقسیم فرمائیں، آپ اس وقت صرف پیراہن پہنے ہوئے تھے، قبائے فرجی پر احتیاطاً دوسری قبا نہ تھی، سردی لگ گئی اور بخار چڑھ گیا، صاحب فراش ہو گئے ۴ؔ

جمعرات کی صبح حضرت مجدد، مولانا حسن دہلوی علیہ الرحمہ کے مکتوب کا جواب لکھتے رہے، یہ جواب حضرت مجدد کی آخری تحریر ہے، چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:-

سب سے آخری چیز جو حضرت مجدد نے لکھی ہے وہ، وہ مکتوب ۵ؔ ہے جو مکتوبات جلد ثالث کے آخر میں مولانا حسن دہلوی کے نام ہے، اس مکتوب میں 'تعین وجودی' سے اوپر 'تعین جبی' کا اثبات کیا ہے۔ دن میں ان معارف کی تحریر میں مشغول رہتے رات کو حضرت والا کو بخار آ گیا، اور اسی بخار کے چھٹے روز انتقال ۶ؔ

۱ؔ ایضاً، ص۔ ۹ و ۱۰

۲، ۳، ۴ؔ ایضاً، ص۔ ۱۱ و ۱۲

۵ؔ یہ مکتوب جلد ثالث کا ۱۲۲ واں مکتوب ہے، بڑے سائز کے ۱۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے (۱۲۷ تا ۱۴۳) اور اسرار معارف کا خزینہ ہے (مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ کراچی ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء)

۶ؔ حضرت مجدد نے ۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو وصال فرمایا اور یہ تحریر وصال سے چھ روز قبل لکھی گئی یعنی ۲۳ صفر المظفر کو ــــــــ جلد ثالث ۱۰۳۱ھ میں خواجہ محمد ہاشم کشمی نے مرتب کی تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ تدوین مکاتیب کے بعد بھی اضافے ہوتے رہے (مسعود)

فرما گئے[1] ـــــ وصال کے بعد یہ تحریر معرضِ ظہور میں آئی ـــــ مخلصین اس کے مطالعے سے مشرف ہوئے اور اس کی نقلیں کریں ـــــ اس تحریر کے بعد شدّتِ مرضِ موت میں بھی بہت سے معارف و اسرار بیان فرمائے اور وصیتیں کیں۔[2]

صاحب زادگان فرماتے ہیں کہ سردی اور شدتِ ضعف کی وجہ سے حضرت مجدد نے حافظ عبد الرشید خادم سے فرمایا:۔

"انگیٹھی میں جلانے کے لیے دو روپے کے کوئلے لے آؤ، کچھ وقفے کے بعد فرمایا ایک روپے کے لے آئیے کہ دل میں کوئی کہہ رہا ہے کہ "اب فرصت کہاں کہ دو روپے کے کوئلے جلائے جائیں" ـــــ شیخ حبیب خادم نے عرض کیا، "حضرت سردی کا موسم ہے کام آجائیں گے" فرمایا کہ "ملا حبیب کو بہت امید ہے، لیکن وقت کہاں ہے، خیر ایسا ہی کرو" ـــــ جب کوئلے آگئے تو ایک روپے کے کوئلے اپنے لیے الگ کر لیے اور فرمایا کہ "اتنے ہمارے لیے کافی ہوں گے" اور باقی اندر بھجوا دیے، جو کوئلے اپنے لیے اٹھا کر رکھے تھے جب روح پرواز ہوئی تو اس میں سے ایک کوئلہ بھی نہ بچا تھا سب جل چکے تھے۔[3]

کیفیتِ وصال:

وصال کے دن یعنی ۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کی رات کے آخری حصے میں بے تابانہ فرمایا:۔

---

[1] خواجہ محمد معصوم اپنے خلیفہ مولانا محمد افضل کے نام ایک مکتوب (جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۹۳) میں بھی حضرت مجدد کی علالت و صحت اور پھر دوبارہ علالت اور سانحۂ ارتحال کا حال لکھا ہے۔ (مسعود)

[2] خواجہ محمد معصوم، مکتوبات معصومی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۱۸۳ (بنام فرزند ثالث خواجہ عبید اللہ علیہ الرحمہ)

[3] بدر الدین سرہندی: وصال احمدی، ص ۱۲-۱۳

اصبح لیل : (اے رات ! جلد صبح ہو !)

صاف صاف ارشاد فرمایا کہ آنے والا دن، یومِ وصال ہے ——— اسی رات کو خادموں سے فرمایا :-

" آپ نے بہت تکلیف اٹھائی، بس آج کی رات کی تکلیف اور ہے "[۱]

آخیر رات آپ پر استغراق و محویت کا عالم طاری ہوگیا، سانس تیزی سے چلنے لگا، خواجہ محمد سعید گھبرا گئے، حضرت مجدد نے آنکھ کھولی اور فرمایا " ہم اچھے ہیں " ——— تھوڑی دیر بعد فرمایا " جو دو رکعت ہم نے پڑھی تھیں بس وہ کافی ہیں "[۲] ——— یہ آپ کی آخری گفتگو تھی۔

وصال کے وقت کچھ وصیتیں بھی فرمائیں، صاحب زادگان کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا :

" سنت را بدنداں خواہند گرفت "[۳]

(ترجمہ) سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے پابند رہو "

اللہ اللہ جاں بلب ہیں لیکن یہ کہہ رہے ہیں کہ دیکھنا شریعت پر سختی سے پابند رہنا، وہ محی شریعت و طریقت تھے، وہ مجدد دین و ملت تھے، انہوں نے سالہا سال شریعت کو پرکھا تھا اور طریقت کی راہوں سے گزرے تھے، وہ منزل پر پہنچ کر رہروانِ ملت کو آواز دے رہے تھے ؎

از شریعت احسن التقویم شو
وارثِ ایمان ابراہیم شو

وہ احکامِ الٰہی کی عظمت سے باخبر تھے، وہ ہر کس و ناکس کے قانون کو قانونِ الٰہی نہیں سمجھتے تھے، وہ اطاعت شعاری اور وفاداری کے حقیقی معنوں سے باخبر تھے، اسی لیے وہ بار بار شریعت

---

[۱] ایضاً، ص ۱۳۰
[۲] ایضاً، ص ۱۷
[۳] ایضاً، ص ۱۷

کی طرف بلاتے رہے، انہوں نے بندوں پر بندوں کی حکومت کو ٹھکرا دیا تھا، وہ عظمت انسانیت کے علمبردار تھے، وہ خالقِ کائنات کے وفادار تھے، اسی لیے جاتے جاتے بھی ناموس پیمانِ محبت کو رسوا نہ کیا، محبت کا حق ادا کر دیا۔

اپنی قبر شریف کے لیے وصیت فرمائی:۔

"میری قبر کسی گمنام جگہ بنانا"[1]

دیکھا کہ صاحبزادگان کو کچھ تامل و تردد ہے تو فرمایا:۔

اگر یہ نہیں کر سکتے تو شہر کے باہر والد بزرگوار کے جوار میں دفن کر دینا یا باغ میں قبر بنا دینا، قبر کو کچا رکھنا تاکہ تھوڑے عرصے کے بعد اس کا نشان بھی باقی نہ رہے[2]

لیکن جو اس بے نشاں کے مبتلائے عشق ہیں، ان کا نام و نشاں مٹانا گردشِ دوراں کے بس کی بات نہیں ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ بروز دوشنبہ صبح کے وقت جانِ عزیز جانِ جاناں کے سپرد کر دی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

؎ ہر بہار گل از زیر گل بر آرد سر
گلے برفت کہ ناید بصد بہار دگر

وصال کے وقت قبلہ رُخ بائیں کروٹ پر رخسار کے نیچے ہاتھ رکھے لیٹے تھے، جو لیٹنے کا مسنون طریقہ ہے، عمر شریف، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سن شریف سے متجاوز نہ

---

[1] خواجہ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۸۹

[2] ایضاً، ص۔ ۲۹۲

ہوتی تھی اتباع کے اس نقطے کو بھی فراموش نہ کیا جو اختیاری نہ تھا، سبحان اللہ! سبحان اللہ!

تجہیز و تکفین:

غسل کے وقت حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ بدرالدین سرہندی موجود تھے، انہوں نے بعض مشاہدات کا ذکر فرمایا ہے جو نہایت حیرت انگیز ہیں۔۔ وصال کے وقت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد کے ہاتھ سیدھے کر دیے تھے لیکن جب غسل دینے کے لیے تخت پر لٹایا گیا تو دونوں ہاتھ اس طرح بندھے ہوئے تھے جیسے نماز میں باندھتے ہیں، آیئے خواجہ بدرالدین سرہندی کی زبانی سنیے:۔

جب غسل کے لیے کپڑے اتارنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ناف پر ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جس طرح نماز میں ہوتے ہیں، حالانکہ وصال کے وقت خواجہ محمد سعید نے ہاتھ پیر سیدھے کر دیے تھے ـــــ جب تخت پر لٹایا گیا تو مسکرا رہے تھے، غسل کے دوران بھی مسکراتے رہے ؎

پس چناں زی کہ وقتِ مردن تو
ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

غسل کے وقت داہنی کروٹ سے جب نہلایا گیا تو دستِ مبارک اسی طرح بندھے رہے جس طرح نماز میں یعنی داہنا اوپر اور بایاں ہاتھ نیچے، حالاں کہ کروٹ کا تقاضا یہ تھا کہ بایاں اوپر ہوتا لیکن اعضائے مبارک موم کی طرح نرم ہونے کے باوجود داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ہی رہا ـــــ اور جب کفن دینے کے لیے ہاتھ پھیلائے گئے تو حاضرین نے دیکھا کہ دونوں ہاتھ متحرک ہوئے یہاں تک کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر زیرِ ناف آگیا، یعنی نیت باندھ لی، حاضرین نے بیساختہ تحسین و آفریں کی صدا بلند کی ـــــ (غوغا از حضار برخاست) حضرت شیخ محمد سعید نے فرمایا کہ جب حضرت کی مرضی اسی طرح ہے تو رہنے

دیا جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کما تعیشون تموتون[1]

نماز جنازہ و تدفین:

حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد صاحب زادہ مرحوم خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا، یہ وہی مقام تھا جہاں حضرت مجدد نے اپنی زندگی میں ایک نور دیکھا تھا اور وصیت فرمائی تھی:۔

میرے بیٹے کی قبر کے سامنے رکھنا کہ وہاں میں جنت کی کیاریوں میں ایک کیاری دیکھ رہا ہوں، (چنانچہ اس جگہ آپ نے ایک قبہ تعمیر کرایا)[2]

اسی قبے میں پہلے فرزند مرحوم خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ (۱۰۲۵ھ) کو رکھا گیا اور اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو ـــــــ اب اس روضہ شریف کو دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے جس پر یہ قطعہ تاریخ تعمیر کندہ ہے:۔

بعد از سہ صد سال نباشد — روضۂ محبوب ربانی
پر تو گنبدِ خضرا گویا — کان مجدد الف ثانی!

۱۳۴۴ھ

قطعاتِ فراق:

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی وفات پر بہت سے حضرات نے مادۂ تاریخ وفات نکالے اور قطعات کہے مثلاً حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے فرزند دلبند خواجہ عبد اللہ المعروف بہ خواجہ خورد علیہ الرحمہ دم ۱۰۷۴ھ/۱۶۶۴ء) نے یہ مادۂ تاریخ نکالا:۔

مات ولی بیت بل حی ابدا

۱۰۳۴ھ

---

[1] خواجہ بدر الدین سرہندی، وصال احمدی، ص۔ ۱۹ و ۲۰

[2] ایضاً، ص۔ ۲۲

حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرید اور حضرت مجدد کے خلیفہ مولانا محمد صادق علیہ الرحمہ ۔
(م ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء) نے یہ مادۂ تاریخ نکالا ہے :-

الموت ھو جسر یوصل الحبیب الی الحبیب[1]

حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ (م ۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء) نے یہ مادۂ تاریخ وفات نکالا ہے :-

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم[2]

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے یہ قطعہ بھی لکھا ہے :-

یا ایھا الانام لقد سافر الامام	من کان ذیل دافتہ عروۃ القبول
قطب الذی تقوض رب السماء لہ	حال التی یحیر فی شانھا العقول
ما الموت کان بدر کمال قد انطلق	من مشرق الظھور الی مغرب الافول
لما اصاب ارث رسول بحقہ	اکتب لعام رحلتہ "وارث الرسول"[3]

۱۰۳۴ھ

حضرت مجدد کے صاحب زادگان کے فیض یافتہ علی اکبر اردستانی نے اپنی تالیف مجمع الاولیاء (۱۰۴۲ھ) میں چند قطعاتِ تاریخ وفات نقل کیے ہیں، یہ قطعہ تاریخ صنعت غیر منقوط میں لکھا گیا ہے جس کے ہر مصرعے سے سنہ وفات نکلتا ہے اور ہر مصرعے کے تیسرے حرف کو جمع کرنے سے اسم گرامی 'احمد' بنتا ہے :-

اداعلم اہل عصر ودر علم مسلم ۱۰۳۴	لوح الاسرار ولامع ملک کرم ۱۰۳۴
اوہمہ کمال و سرور عالم سلم ۱۰۳۴ھ	گردرہ او سرمہ دہ اہل حرم[4] ۱۰۳۴ھ

---

[1] و[2] خواجہ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، ص ۔ ۳۰۰

[3] ایضاً، ص ۔ ۳۰۰

[4] علی اکبر اردستانی، مجمع الاولیاء (قلمی)، مخطوطہ ۱۰۴۲ھ، ورق ۔ ۵۰۴

یہ قطعہ بھی صاحب مجمع الاولیاء نے نقل کیا ہے:۔

شہ ملک دیں، مہر اوج یقیں — کزو دین و دل بودے آباد، کو؟
چو شد سرو آزاد بستان قرب — سر بندگان دل آزاد، کو؟
بعہد فراقش سر جہان کرا — بروز وداعش، دل شاد، کو؟
اگر سال عرسش بپرسد دلے — بگو "سرور اہل ارشاد، کو؟"[1]

۱۰۳۴ھ

ابو عبد اللہ محمد فاضل بن سید احمد بن سید حسین حسینی ترمذی اکبر آبادی المعروف بہ مظہر الحق نے اپنی تالیف مخبر الواصلین (آغاز تالیف ۱۰۶۰ھ در عہد شاہجہانی) میں حضرت مجدد کی وفات پر ایک قطعہ لکھا ہے جس کے منتخبہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں:۔

آں کہ او جوہر خرد مندی ست — احمد کابلی و سرہندی ست
نقشبندی ست آں ستودہ سیر — رونق افزائے شرع پیغمبر
بیشک آں شیخ عاقبت محمود — از مریدان خواجہ باقی بود:
ذات والائے آں خدا آگاہ — قطب الاقطاب بود بے اشباہ
او مجدد الف ثانی بود: — واقف سر جا ودانی بود
الف ثانی با و مجدد شد — زاں کہ احمد بجائے احمد شد
نعل بالنعل بود با احمد — احمد کابلی بلطف احد
برہ شرع و ملت بیضا — از کمال علوم نور افزا

بود آں شیخ احمد ثانی — طاق آفاق در خدا دانی
او بسلخ صفر سفر فرمود — زیں جہاں سوئے حضرت معبود
سال ترحیل آں خدا آگاہ — شد رقم "شیخ بود اہل اللہ"

۱۰۳۴ھ

---

[1] ایضاً، ص۔ ورق ۔ ۴۶۴

عقل تاریخ آں ولی عہد — گفت "نور بہشت از احمد"
سال نقلش بگو بعون احد — "نور اوج بہشت از احمد"
ہاتفم سال نقل فرمودہ — "شیخ احمد ز اولیاء بودہ"
شدہ تاریخ آں ولی خدا — "احمد کابلی بہشت آرا"
بیشک آں ولی ربانی — "گل باغ خلیفہ ثانی"
مرقد او بشہر سرہند ست — "زاں زحق فیض بر سرہند ست"[1]

کلماتِ فراق:

اب ہم اس باب فراق کو حضرت مجدد کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے کلمات فراق پر تمام کرتے ہیں جو آپ نے عالم جذب و مستی میں حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق کشمی علیہ الرحمہ (م ۱۰۵۰ھ) کو تحریر فرمائے، ایک ایک جملے سے حسرت و یاس ٹپک رہی ہے۔ سچ ہے موت العالم موت العالم، ایسے المناک اور غمناک فراق پر کیوں نہ آنسو بہائے جائیں۔

جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے، غم فراق قوی ہوتا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ پرانا ہو رہا ہے، تازہ ہو رہا ہے۔ سارے جہاں میں پھریں لیکن اس ﷲ فی اللہ اجتماع کو کہاں دیکھیں؟ وہ فیوض و برکات کہاں پائیں گے؟ ذات و صفات باری تعالیٰ کے متعلق وہ معارف و حقائق اور وہ نزاکتیں جو آپ بیان فرماتے تھے اور ہم سنتے تھے، اب کس سے سنیں گے؟ محرمانِ خاص سے جو اسرار و رموز بیان ہوتے تھے اب وہ کہاں نظر آئیں گے، اور وہ خاص خاص معاملات، محرمانِ راز میں سے بھی ایک دو کے سوا کسی کو سننے کا یارا نہ تھا، اب کون سنائے گا؟ اور ہاں وہ اسرار و معارف الگ رہے جن کا کوئی محرم نہ تھا اور یونہی سربمہر مدفون ہو گئے۔[2]

---

[1] ظہیر الحق، مخبر الواصلین، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۶۹ھ، ص ۹۲ تا ۹۴

نوٹ:۔ خواجہ بدر الدین سرہندی نے حضرات القدس میں (مطبوعہ لاہور ۱۳۳۱ھ، ص ۱۸۲ تا ۱۸۸) میں بکثرت مادہ ہائے سنہ وفات اور متعدد قطعات نقل کیے ہیں۔ مسعود

[2] خواجہ محمد معصوم، مکتوبات شریف معصومی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۹ (تلخیص و ترجمہ)

الحمد لله

بَاقیاتِ صَالحَاتْ

- اولادِ امجاد
- تصانیف
- خلفاءِ کبار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صالح اولاد انسان کی ایک عظیم یادگار ہے اور خود جانے والے کی عظمت پر گواہ
حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اولاد امجاد، ان کی اولاد، اولاد کی اولاد ــــ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں یگانۂ روزگار نظر آتی ہے، ساڑھے تین سو سال گزر جانے کے باوجود اب بھی اس خاندان کے جو بزرگ نظر آتے ہیں، عظمتِ رفتہ کی یاد دلاتے ہیں ـــ اللہ اللہ وہ کیسی موج تھی جو حضرت مجدد کے دل سے طوفان بن کے اٹھی اور پھیلتی چلی گئی ـــ اس کے اثرات صرف خاندان تک محدود نہ رہے بلکہ اس نے ایک طرف ہند و بیرون ہند کے مسلم و غیر مسلم کو متاثر کیا تو دوسری طرف ہندوستان کی سیاسی فضا کو اس حد تک متاثر کیا کہ وہ منقلب ہو گئی، یہ بات ہوش عقیدت میں نہیں کہہ رہا بلکہ ایک حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں۔ حضرت مجدد کے صاحبزادگان اور تبرگان علیہم الرحمہ کے مغل دربار سے مرشدانہ بلکہ مربیانہ تعلقات رہے اور یہ تعلقات رنگ لائے، مورخین نے اس طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی، اس پہلو پر سیر حاصل لکھنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مجدد ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے، بیعت کے کچھ عرصے بعد حضرت خواجہ نے دربار اکبری کے ایک مقرب کو حضرت مجدد کے بارے میں ایک سفارشی خط تحریر فرمایا۔ اس خط میں ضمناً حضرت مجدد کے خورد سال صاحب زادگان کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں :-

> اس شیخ کے فرزند جو ابھی بچے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں، غرض سب کے سب پاک درخت کی طرح ہیں جس سے پاک ہی شاخیں نکلی ہیں [1]

---

[1] مکتوب خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ بحوالہ انوار العارفین مؤلفہ سید محمد عابد میاں مطبوعہ دہلی، ۱۹۳۶ء مکتوب نمبر ۱۶، ص ۶۰۶-۶۰۷، و زبدۃ المقامات، ص ۱۴۵۔ (باقی بر صفحہ ۲۲۵)

اولادِ امجاد :

حضرت مجدد کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں جن کی تفصیل یہ ہے :-

صاحبزادگان :

① خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ م ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء
② خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ م ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۰ء
③ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ م ۱۰۷۹ھ / ۱۶۵۹-۶۰ء
④ خواجہ محمد فرخ علیہ الرحمہ م ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء
⑤ خواجہ محمد عیسیٰ علیہ الرحمہ م ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء
⑥ خواجہ محمد اشرف علیہ الرحمہ م سنہ ھ / سنہ ء
⑦ خواجہ محمد یحییٰ علیہ الرحمہ م ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۴-۸۵ء

صاحبزادیاں :

① بی بی رقیہ بانو علیہا الرحمہ
② بی بی خدیجہ بانو علیہا الرحمہ
③ بی بی ام کلثوم علیہا الرحمہ[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۳۵)

نوٹ :- جس وقت خواجہ باقی باللہ نے یہ خط تحریر فرمایا ہے حضرت مجدد کے تین صاحبزادگان تھے یعنی خواجہ محمد صادق (ولادت ۱۰۰۰ھ) خواجہ محمد سعید (ولادت ۱۰۰۵ھ) اور خواجہ محمد معصوم (ولادت ۱۰۰۷ھ)

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] زبدۃ المقامات (۱۰۳۷ھ) میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد کی ایک صاحبزادی شیر خوارگی میں انتقال کر گئیں دوسری پندرہ سال کی عمر میں، تیسری زندہ ہیں (ص ۳۲۶) مسعود

خواجہ محمد صادق :

حضرت خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ ۱۰۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور عالم جوانی میں ۲۵ سال کی عمر میں ۱۰۲۵ھ میں انتقال فرمایا اور تدفین اس گنبد شریف میں عمل میں آئی جہاں حضرت مجدد نے ایک نور عظیم مشاہدہ فرمایا تھا اور اس مقام کو روضۃ من ریاض الجنۃ فرمایا تھا، آپ کے ہاں صرف ایک صاحب زادے شیخ محمد تولد ہوئے [1]

خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ کے متعلق حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں۔

(تلخیص و ترجمہ)

جب حضرت مجدد ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مخدوم زادے بھی حضرت خواجہ کی نظر کرم سے ذکر و مراقبہ اور جذبہ و نسبت شریفہ سے مشرف ہوئے۔ اپنی فطری استعداد، حضرت مجدد کی نظر رحمت کی برکتوں اور آپ کی تربیت کے طفیل وہ وہ روحانی ترقیاں حاصل کیں کہ بس دیکھا کیجیے [2]

خود حضرت مجدد نے مکتوبات شریف میں صاحبزادۂ موصوف کی جا بجا تعریف فرمائی ہے مثلاً :

۱ فرزندی اعزی مجموعۂ معارف فقیر است و نسخۂ مقامات جذبہ و سلوک [3]

۲ فرزندی کہ از محرمان اسرار است و از خطا و غلط مصئون [4]

۳ ایں مقام را بفرزندی ارشدی عنایت فرمودہ اند داخل ولایت ایشاں ساختہ فقیر ایں جا در رنگ مسافراں در ولایت ایشاں نشستہ است [5]

---

[1] شیخ احمد ابو الخیر مکی: ہدیۃ احمدیہ مطبوعہ کانپور، ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء

[2] خواجہ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۰۱

[3] مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۰۲

[4] ایضاً مکتوب نمبر ۲۴۴

[5] ایضاً مکتوب نمبر ۲۱۱

۴۔ استفادہ کہ ایں فقیر از ولایت موسیٰ نمودہ، از ساحران آں ولایت است، واستفادہ فرزندی اعظمی علیہ الرحمہ از راہ تفصیل آں ولایت، ولایت ایں فقیر از ولایت موسیٰ مستفاد است شبیہ ولایت رجل مومن ست کہ از آل فرعون بودہ، ولایت فرزندی علیہ الرحمہ شبیہ ولایت سحرۂ فرعون کہ ایمان آوردند ؎

حضرت مجدد کی زندگی میں یہ اندوہ ناک سانحہ گزرا کہ تین صاحبزادگان نے بیک وقت داعی اجل کو لبیک کہا، اس غم عظیم کو برداشت کرنے کے لیے چیتے کا جگر چاہیے۔ مگر مولی تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو وہ ثبات واستقامت عطا فرمائی ہے کہ بس دیکھا کیجیے۔

خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد فرخ اور خواجہ محمد عیسیٰ علیہم الرحمہ نے ۱۰۲۵ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت مجدد نے مکتوبات شریف میں تینوں صاحب زادگان کے سانحۂ ارتحال کا ذکر کیا ہے اور ان کے محاسن پر روشنی ڈالی ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے زبدۃ المقامات میں اس طرح نقل فرمایا ہے:۔

(ترجمہ)

فرزند اعظمی رضی اللہ عنہ اپنے دو بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ کے ساتھ رحلت کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الحمد للہ سبحانہٗ پہلی بات تو یہ ہے کہ مولی تعالیٰ نے پس ماندگان کو توفیق صبر عطا فرمائی اور دوسرے یہ کہ اس بلا (طاعون) کو ختم کر دیا۔

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل خواری

فرزند مرحوم اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اللہ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھے۔ ۲۴ سال کی عمر میں وہ کچھ پا لیا تھا جو بہت کم لوگوں نے پایا ہوگا مولویت کے درجے پر فائز ہوئے اور علوم عقلیہ ونقلیہ کی تدریس کو حد کمال تک پہنچایا یہاں تک کہ اپنے شاگردوں کو بیضاوی شریف وشرح مواقف اور

۱؎ مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل مکتوب نمبر ۳۱۱

اس قسم کی دوسری کتابوں کا پوری قدرت کے ساتھ درس دیتے تھے اور ان کی معرفت عرفان کی یہ کاملیت اور کشف شہود کے قصے تو بیان کیے ہی نہیں جا سکتے ؎

اور خواجہ محمد فرخ اور خواجہ محمد عیسیٰ علیہما الرحمہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

(ترجمہ)

محمد فرخ کے متعلق کیا لکھا جائے ۱۱ سال کی عمر میں طالب علم ہوگیا تھا، کافیہ پڑھتا تھا اور بعد کو سبق پڑھتا تھا، ہر وقت آخرت کے عذاب سے ڈرتا سہتا رہتا تھا اور یہ دعا کرتا تھا کہ بچپن ہی میں اس فانی دنیا سے چلا جائے تاکہ آخرت کے عذاب سے تو نجات پائے، مرض موت میں اس کے تیمار داروں نے اس کی عجیب عجیب باتیں دیکھیں ——— آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے محمد عیسیٰ میں جو کرامات و خوارق دیکھیں ان کو کیا لکھا جائے ——— مختصر یہ کہ سب بچے پاکیزہ موتی تھے اللہ نے ہم کو امانۃً عنایت فرمائے تھے، خدا کا شکر و احسان ہے کہ یہ امانات بغیر چون و چرا اس کے مالک کے سپرد کر دی گئیں ؎

حضرت مجدد کے دو صاحب زادگان یعنی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ اپنے عہد کے جلیل القدر علماء و صوفیہ میں سے گزرے ہیں ان دونوں صاحبزادوں کے فیض یافتہ خواجہ محمد امین بدخشی حضرت مجدد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

یہ بات مشہور ہے کہ آپ کی دو کرامتیں صفحۂ روزگار پر باقی ہیں ایک آپ کے مکتوبات و رسائل کہ اس جیسے لکھنے سے مشائخ و عرفاء زمانہ اعتراف عجز کرتے ہیں ——— دوسرے آپ کے دو صاحب زادگان آپ نے اپنے روحانی تصرف سے علم و عمل اور کمالات باطنیہ میں اپنا جیسا بنا دیا ہے، روئے زمین پر کسی شیخ نے تصرف و توجہ سے اپنے بیٹوں کو اپنا جیسا نہ بنایا، آپ کی یہ کرامتیں دنیا میں مثل آفتاب

؎ محمد امین بدخشی: مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ (قلمی)، ورق ۱۰۳

؎ خواجہ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص ۳۰۴ و ۳۰۵

مشہور ہیں اور لوگوں کے لیے حیرت کا باعث، یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔[1]

خواجہ محمد سعید:

صاحبزادگان کے ایک دوسرے فیض یافتہ علی اکبر اردستانی نے اپنی تالیف مجمع الاولیاء (۱۰۴۲ھ) میں خصوصیت کے ساتھ دونوں کا ذکر کیا ہے، خواجہ محمد سعید کے متعلق لکھتے ہیں:[2]

نور مصباح حقیقت، نور حدیقۂ طریقت، زبدۂ فحول اصحاب معرفت، عمدۂ ارباب وصول قربت، مقرب رب مجید، شیخ محمد سعید سلمہ اللہ والبقاہ، قطب زماں حضرت شیخ احمد (علیہ الرحمہ) کے فرزند عزیز اور جانشین ہیں، سترہ سال کی مختصر عمر میں اپنے والد گرامی سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل و تکمیل فرمائی اور اونچی کتابوں کی تدریس و درس میں مصروف ہیں، آپ نے حاشیہ خیالی اور مشکوٰۃ پر حواشی تحریر فرمائے ہیں جو بہت ہی مفید ہیں اور "اشارت سبابہ" کی تحقیق کر کے ایک محققانہ رسالہ تحریر فرمایا ہے ــــ تمام علوم میں کیا تفسیر و حدیث، کیا فقہ و کلام، کیا معانی و بدیع، کیا منطق و حکمت (غرض) سب پر کامل عبور رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو تجوید سے پڑھا، بچپن ہی سے تقویٰ شعاری، پابندی شریعت، عزیمت پسندی اور ترک رخصت کا اہتمام رکھتے ہیں ــــ اپنے والد بزرگوار کی تربیت سے سلوک طریقہ نقشبندیہ کو کمال تک پہنچایا ہے خلعت کمال و تکمیل حاصل فرمائی اور ان کے

---

[1] محمد امین بدخشی: مناقب احمدیہ و حضرات احمدیہ (قلمی)، ورق ۱۰۳

[2] علی اکبر اردستانی کو دونوں صاحبزادگان سے ارادت و عقیدت تھی جس کا اس نے اس طرح ذکر کیا ہے:-

جامع مجمع الاولیاء ان دونوں عزیزوں کی خدمت میں اخلاص ارادت رکھتا ہے اور اس کتاب کی کتابت انہیں دونوں بزرگوں کی ظاہر و باطنی توجہ کی رہین منت ہیں۔ ورق ۴۴۶

ساتھ ہی خلافت سے سرفراز ہوئے۔

طالبان طریقت کی تربیت میں مشغول رہتے ہیں، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے بعد آپ کے طریقہ کو زندہ کر رہے ہیں —— بڑے نرم گفتار، اور متواضع ہیں جود وسخا اور طاعات وعبادات آپ کے پسندیدہ شمائل ہیں، آپ کی ولادت ۱۰۰۵ھ میں ہوئی اور (اس وقت) آپ کی عمر ۳۸ سال ہے۔[1]

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے خواجہ محمد سعید کے بارے میں حضرت مجدد کے یہ کلمات نقل فرمائے ہیں، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ محمد سعید چار یا پانچ سال کا ہوگا بیمار ہوگیا، ضعف کے غلبے میں اس سے پوچھا گیا "کیا چاہئے"؟۔ بے اختیار جواب فرمایا" حضرت خواجہ را می خواہم"۔ میں نے اس کے یہ کلمات حضرت خواجہ قدس سرہ سے عرض کئے تو آپ نے فرمایا" محمد سعید شما، رندی و حریفی نمود د غائبانہ از ما نسبت دربود"۔[2]

ان کلمات کے بعد خواجہ محمد ہاشم نے خواجہ محمد سعید کے حالات پر مختصراً روشنی ڈالی ہے انہوں نے لکھا ہے:۔

ترجمہ: یہ مخدوم زادہ سن تمیز پر پہنچنے کے بعد علوم ظاہری کی تحصیل میں مصروف ہوگئے، کچھ اپنے والد ماجد کی خدمت میں پڑھا کچھ اپنے بڑے بھائی کی خدمت میں پڑھا اور شیخ طاہر لاہوری کی خدمت میں تعلیم مکمل کی۔ یہاں تک کہ مختلف علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت پیدا ہوگئی اور اپنے والد کے تصرف اور توجہ کی برکت سے پڑھائی کے دوران اس طائفہ بلند بالا کی نسبت حاصل کرلی اور اس طرح ظاہری و باطنی کمالات کو انتہا تک پہنچا دیا۔ ان میں طبعی بلوغ، معنوی بلوغ کے ساتھ ساتھ ہوا، اس وقت سے اب تک (۱۰۳۷ھ) معقول ومنقول کی دقیق کتابوں کا پوری مہارت کے ساتھ درس دیتے ہیں اور بعض معتبر کتابوں پر تعلیقات وحواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔[3]

---

[1] علی اکبر اردستانی: مجمع الاولیاء (قلمی) ورق۔ ۴۴۶

[2] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۰۹

[3] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۰۹

خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ نے شیخ محمد خلیل بن خواجہ محمد سعید کے نام ایک مکتوب (جلد سوم، مکتوب نمبر ۳) میں خواجہ محمد سعید کے تفصیلی حالات لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے :۔

خواجہ محمد سعید میں بچپن ہی سے آثارِ ولایت و نجابت ظاہر تھے، خواجہ باقی باللہ کے زمانہ حیات میں خرد سال تھے اس لیے حاضر نہ ہو سکے لیکن خواجہ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا :۔

"محمد سعید ہمارا ہم پیشہ اور ہم کار ہے، اس نے غائبانہ ہم سے نسبت حاصل کر لی ہے"

سترہ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول سے فارغ ہو گئے، فقہ میں اونچی استعداد رکھتے تھے۔ حضرت مجدد کو اکثر اوقات کسی فقہی مسئلے کی تحقیق کرنی ہوتی تو آپ سے اس مسئلے کی وضاحت طلب فرماتے اور جب آپ حل فرما دیتے تو بہت خوش ہوتے، دعائیں دیتے۔ حضرت کی زندگی میں مراتب کمال کو پہنچ گئے تھے اور ان کی زندگی میں خلافت حاصل کر کے تعلیم و طریقہ و ارشاد میں مصروف ہو گئے تھے؛ کمالِ عقلِ معاد کے ساتھ ساتھ کمالِ عقلِ معاش، بھی حاصل تھا، چنانچہ حضرت اکثر امور میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور ان کی رائے کو پسند فرماتے تھے۔ امورِ باطنی میں یہ حضرت کے رازدار تھے اور حضرت مجدد جو اسرار ان کے درمیان رکھتے تھے ان اسرار میں دوسرا کم شریک ہوتا تھا، امراضِ ظاہری والے ان کی توجہ سے شفا پاتے اور امراضِ باطنی والے ان کے تصرف سے جمعیتِ قلب کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ اور دوسرے امراء و اعیانِ مملکت اور ان کے اہل و عیال سے خواجہ محمد سعید کے مربیانہ و مرشدانہ تعلقات و روابط تھے۔ اس کا اندازہ آپ کے فارسی مکاتیب کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔

مثلاً یہ مکتوبات شریف[1] :۔

---

[1] خواجہ محمد سعید، مکتوبات سعیدیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۵ھ

خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ نے شیخ محمد خلیل بن خواجہ محمد سعید کے نام ایک مکتوب (جلد سوم، مکتوب نمبر ۳) میں خواجہ محمد سعید کے تفصیلی حالات لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:۔

خواجہ محمد سعید میں بچپن ہی سے آثارِ ولایت و نجابت ظاہر تھے، خواجہ باقی باللہ کے زمانۂ حیات میں خرد سال تھے اس لیے حاضر نہ ہو سکے لیکن خواجہ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا:۔

"محمد سعید ہمارا ہم پیشہ اور ہم کار ہے، اس نے غائبانہ ہم سے نسبت حاصل کر لی ہے"

سترہ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول سے فارغ ہو گئے، فقہ میں اونچی استعداد رکھتے تھے۔ حضرت مجدد کو اکثر اوقات کسی فقہی مسئلے کی تحقیق کرنی ہوتی تو آپ سے اس مسئلے کی وضاحت طلب فرماتے اور جب آپ حل فرما دیتے تو بہت خوش ہوتے، دعائیں دیتے۔ حضرت کی زندگی میں مراتب کمال کو پہنچ گئے تھے اور ان کی زندگی میں خلافت حاصل کر کے تعلیم و طریقہ و ارشاد میں مصروف ہو گئے تھے، کمالِ عقلِ معاد کے ساتھ ساتھ کمالِ عقلِ معاش بھی حاصل تھا، چنانچہ حضرت اکثر امور میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور ان کی رائے کو پسند فرماتے تھے۔ امورِ باطنی میں یہ حضرت کے رازدار تھے اور حضرت مجدد جو اسرار ان کے درمیان رکھتے تھے ان اسرار میں دوسرا کم شریک ہوتا تھا، امراض ظاہری والے ان کی توجہ سے شفا پاتے اور امراضِ باطنی والے ان کے تصرف سے جمعیت قلب کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ اور دوسرے امراء و اعیانِ مملکت اور ان کے اہل و عیال سے خواجہ محمد سعید کے مربیانہ و مرشدانہ تعلقات و روابط تھے۔ اس کا اندازہ آپ کے فارسی مکاتیب کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔

مثلاً یہ مکتوبات شریف[1]:۔

---

[1] خواجہ محمد سعید، مکتوبات سعیدیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۵ھ

(۱) بنام اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ : مکتوب نمبر ۴، ۴۵، ۴۶، ۵۰، ۶۵، ۶۶
(۲) بنام جان جاناں بیگم بنت عبدالرحیم خان خاناں : مکتوب نمبر ۹۰
(۳) بنام بی بی خانمی بنت تربیت خاں : مکتوب نمبر ۰۔
(۴) بنام عبدالرحیم خان خاناں : مکتوب نمبر ۹۲
(۵) بنام مرتضیٰ خاں : مکتوب نمبر ۹۳

خواجہ محمد سعید ۱۰۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴ رجادی الثانی ۱۰۷۰ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کے ہاں آٹھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تولد ہوئیں[1] جن کی تفصیل یہ ہے :۔

(۱) شاہ عبداللہ علیہ الرحمہ
(۲) شاہ لطف اللہ علیہ الرحمہ
(۳) شاہ محمد فرخ علیہ الرحمہ
(۴) شیخ سعدالدین علیہ الرحمہ
(۵) شیخ عبدالاحد علیہ الرحمہ[2]
(۶) شیخ خلیل الرحمٰن علیہ الرحمہ
(۷) شیخ محمد یعقوب علیہ الرحمہ
(۸) شیخ محمد تقی علیہ الرحمہ

---

[1] شیخ احمد ابوالخیر مکی، ہدیۃ احمدیہ
[2] مکتوبات شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مغل شہزادوں اور شہزادیوں سے آپ کی مراسلت تھی اور مربیانہ اور مرشدانہ تعلقات تھے مثلاً یہ مکتوبات شریف :۔
(۱) بنام شہزادی زیب النساء بنت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ : مکتوب نمبر ۴۴، ۴۷
(۲) بنام شہزادہ فرخ سیر : مکتوب نمبر ۱۰۶!
(گلشن وحدت (مکتوبات شریف) ، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء، ۱۳۸۶ھ)

صاحب زادیاں:

۱ بی بی فاطمہ رحمہا اللہ تعالیٰ
۲ بی بی صالحہ رحمہا اللہ تعالیٰ
۳ بی بی شاکرہ رحمہا اللہ تعالیٰ
۴ بی بی شرف النسار رحمہا اللہ تعالیٰ
۵ بی بی فخر النسار رحمہا اللہ تعالیٰ

خواجہ محمد معصوم:

چراغ سنت محفل خواجہ معصوم
منور از فروغش ہند تا روم

خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ ۱۲ ارشوال المکرم ۱۰۰۷ھ میں تولد ہوئے، ان کی ولادت اتنی مبارک ہوئی کہ دوسرے ہی سال یعنی ۱۰۰۸ھ میں حضرت مجدد، حضرت خواجہ باقی باللہ رح کی خدمت میں دہلی حاضر ہو کر مستفیض ہوئے۔ چنانچہ خود حضرت مجدد اپنے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی سے فرماتے ہیں:۔

محمد معصوم کے مبارک قدم یعنی ان کی ولادت ہمارے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی کیوں کہ اس کی ولادت کے چند ماہ بعد اپنے خواجہ (باقی باللہ علیہ الرحمہ) کی خدمت سے مشرف ہوا اور جو کچھ دیکھنا تھا اس دیکھا[1] (کیا بیان کیا جائے!)

علی اکبر اردستانی نے مجمع الاولیار میں خواجہ محمد معصوم کے حالات بھی بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:۔

شمع جمع عرفا، روح ایمان اولیار، قدوۂ اہل صفا، خلاصہ جمع صلحا، گنجینہ معارف و علوم شیخ محمد معصوم سلمہ ربہٗ، قطب وقت حضرت شیخ احمد (علیہ الرحمہ) کے فرزند ارجمند

---

[1] خواجہ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۱۵ و ۳۱۶

میں ۱۶ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار سے علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی، اور علوم عقلی ونقلی کے درس وتدریس میں مصروف ہوگئے، پورے قرآن کو ۳۰ دن میں حفظ فرمالیا، تجوید میں سند عالی رکھتے ہیں، حسن خلق اور حقوق العباد کی پابندی آپ کا طریقہ خاص ہے حضرت مجدد کے سامنے ہی خلافت سے سرفراز ہوئے اور طالبان معرفت کی تربیت میں مشغول ہوگئے اور ان کے بعد بھی مشغول ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۰۰۷ھ میں ہوئی اور آپ کی عمر اس وقت ۳۵ سال ہے مختصر یہ کہ دونوں بھائی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں، قطب الامام حضرت مجدد کی کرامات میں جو اس روئے زمین پر باقی ہیں ایک تو آپ کا کلام معجز نظام ہے اور دوسری کرامت یہ آپ کے صاحبزادگان ہیں کہ ان میں ہر ایک کمال وتکمیل اور علوم ظاہر وباطن سے آراستہ وپیراستہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک طالبان معرفت کی تربیت میں معروف ہے، ہر ایک کے در پر اتقیاء واغنیاء کا میلہ لگا رہتا ہے، ہر ایک کے پاس فقراء وامراء آتے ہیں۔ مختصر یہ کہ وہ متاخرین زمانہ ہیں جو متقدمین کی خبر دیتے ہیں اور وہ بعد میں آنے والے ہیں جو آگے جانے والوں کو یاد دلاتے ہیں [1]

حضرت مجدد نے مکتوبات شریف میں خواجہ محمد معصوم کی بہت تعریف کی ہے اور ان کے روحانی وعلمی کمالات کا ذکر کیا ہے،

چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فرزندی محمد معصوم کے متعلق کیا لکھوں کہ وہ تو بالذات اس دولت کے قابل ہے یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ [2]

اور ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

(ترجمہ) دل ہمیشہ تمہارے حالات کی طرف متوجہ ہے، اور تمہارے کمال کا خواہاں ہے،

---

[1] علی اکبر اردستانی: مجمع الاولیاء (قلمی)، ورق ۔ ۵۰۰

[2] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص ۔ ۲۱۶

نماز فجر کے بعد آنکھیں بند کیے، خاموش بیٹھا تھا، یوں نظر آیا کہ جو خلعت میرے پاس تھی، مجھ سے علیحدہ ہو گئی، اور دوسری خلعت میری طرف متوجہ ہوئی اور اس نے خلعت کی جگہ لے لی۔ دل میں آیا کہ یہ جو خلعت لی گئی ہے کسی کو دیں گے یا نہیں، جی چاہا کہ یہ خلعت تو فرزند ارجمند محمد معصوم کو دے دیں، ایک لمحہ کے بعد دیکھا کہ یہ خلعت تم کو مرحمت فرما دی گئی ہے، اور اس کو اچھی طرح پہنا دیا گیا ہے اور اس کے کرم بے پایاں سے امید ہے کہ یہ نئی خلعت جب معاملہ انجام تک پہنچے، فرزندی اعزی محمد سعید کو (اہل خلعت کا) اہل بنا کر عنایت فرمائیں گے۔ فقیر نے رو رو کر یہ التجا کی، اثر اجابت محسوس کرتا ہوں اور اپنے بیٹے کو اس دولت کا مستحق سمجھتا ہوں [۱]

خواجہ محمد امین بدخشی نے مقامات احمدیہ و ملفوظات معصومیہ میں خواجہ محمد سعید کی حرمین شریفین میں حاضری اور آپ کے مناقب میں چند کتابوں کا اس طرح ذکر کیا ہے:۔

۱۰۶۸ھ میں خواجہ محمد معصوم حرمین شریفین حاضر ہوئے، وہاں بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ چنانچہ محمد امین نے عربی زبان میں آپ کے بعض مناقب لکھے۔ پھر فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا۔ ــــــ یہ مناقب زبدۃ المقامات اور مناقب حضرت معصومی سے اخذ کر کے دس جزمیں لکھے تھے پھر ان اجزاء کا ایک ہی جز میں خلاصہ پیش کیا ــــــ میر محمد یٰسین کولابی نے تذکرۂ مشائخ معصومیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی [۲]

(ملخصًا)

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے:۔

شیخ بدرالدین اور ان کے بیٹوں نے آپ کے مناقب میں کئی ایک رسالے اور کتابیں لکھی ہیں اور مکتوبات جمع کیے ہیں ــــــ آپ کی خصوصیات مخدوم زادہ شیخ عبداللہ اور شیخ سیف الدین (علیہما الرحمہ) نے عربی زبان میں لکھ کر دیں

---

[۱] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۱۷ و ۳۱۸

[۲] خواجہ محمد امین: مقامات احمدیہ و ملفوظات معصومیہ، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۱، ۲۴، ۲۶

کہ مقامات عربی میں شامل کر لوں، میں نے انہیں فارسی میں تبرکاً مجمل طور پر لکھ دیا ہے، یہ مجمل بعد میں مفصل طور پر لکھا جائے گا —— شیخ بدر الدین نے درجات اعیان الاحمدیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے [1]

خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ نے ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ میں وصال فرمایا اور سرہند شریف میں مدفون ہوئے۔ صاحب مخبر الواصلین محمد فاضل المعروف بہ مظہر حق (م ۱۱۴۵ھ) نے یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے :۔

قلب دیں شیخ محمد معصوم عزم چوں سوئے جناں فرمودہ
سال نقلش خرد بہ مظہر حق زد رقم قطب مشائخ بودہ

۱۰۷۹ھ

قیاس زماں شیخ محمد معصوم ایں منزل خاکی جہاں را چو ہشت
تاریخ وصالش خرد مظہر حق فرمود بدان منزل معصوم بہشت

۱۰۷۹ھ

مشہور صوفی اور شاعر حضرت خواجہ عبد الاحد وحدت نے اپنے عم محترم حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کی شان میں یہ قطعۂ تاریخ وصال لکھا ہے :۔

قیوم زماں خلیفۃ اللہ: دانندۂ سرہائے مکتوم
در دائرۂ وجود تا بود : بودش بہ جہاں مثال معدوم
تاریخ وصال او خرد گفت رفتہ از جہاں امام معصوم

۱۰۷۹ھ

(ماخوذ از چہار چمن مصنفہ حضرت وحدت)

اور فارسی کے شہرۂ آفاق شاعر ناصر علی سرہندی نے اپنے پیر و مرشد حضرت محمد معصوم علیہ الرحمہ کے لیے یہ قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے :۔

---

[1] ایضاً ص ۔ ۴۲، ۴۸، ۵۹

مقبرہ شریف خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ شہزادہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرہند شریف۔ مشرقی پنجاب۔ بھارت
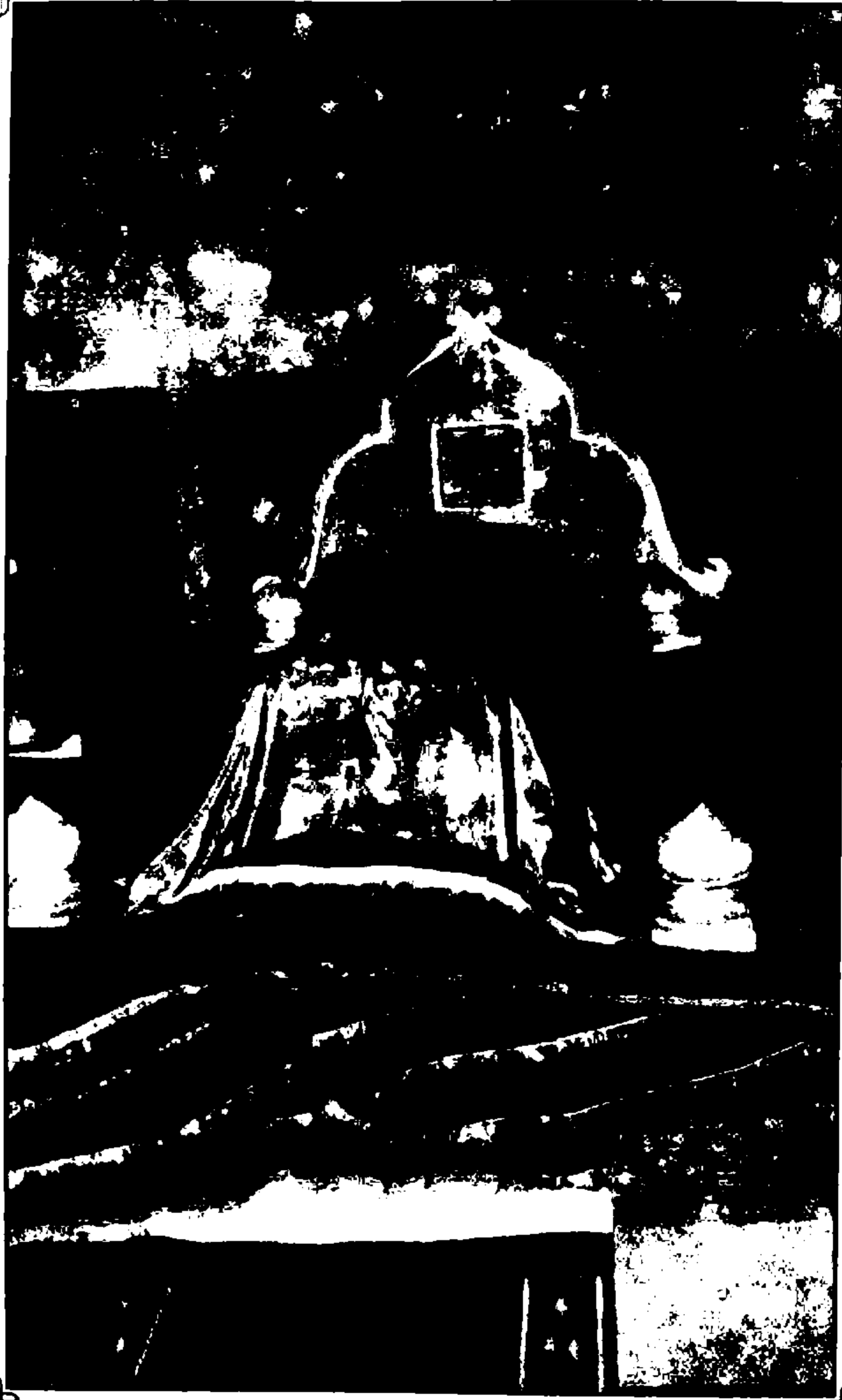
مزارِ مبارک خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ
شہزادۂ حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سرھند شریف۔ بھارت
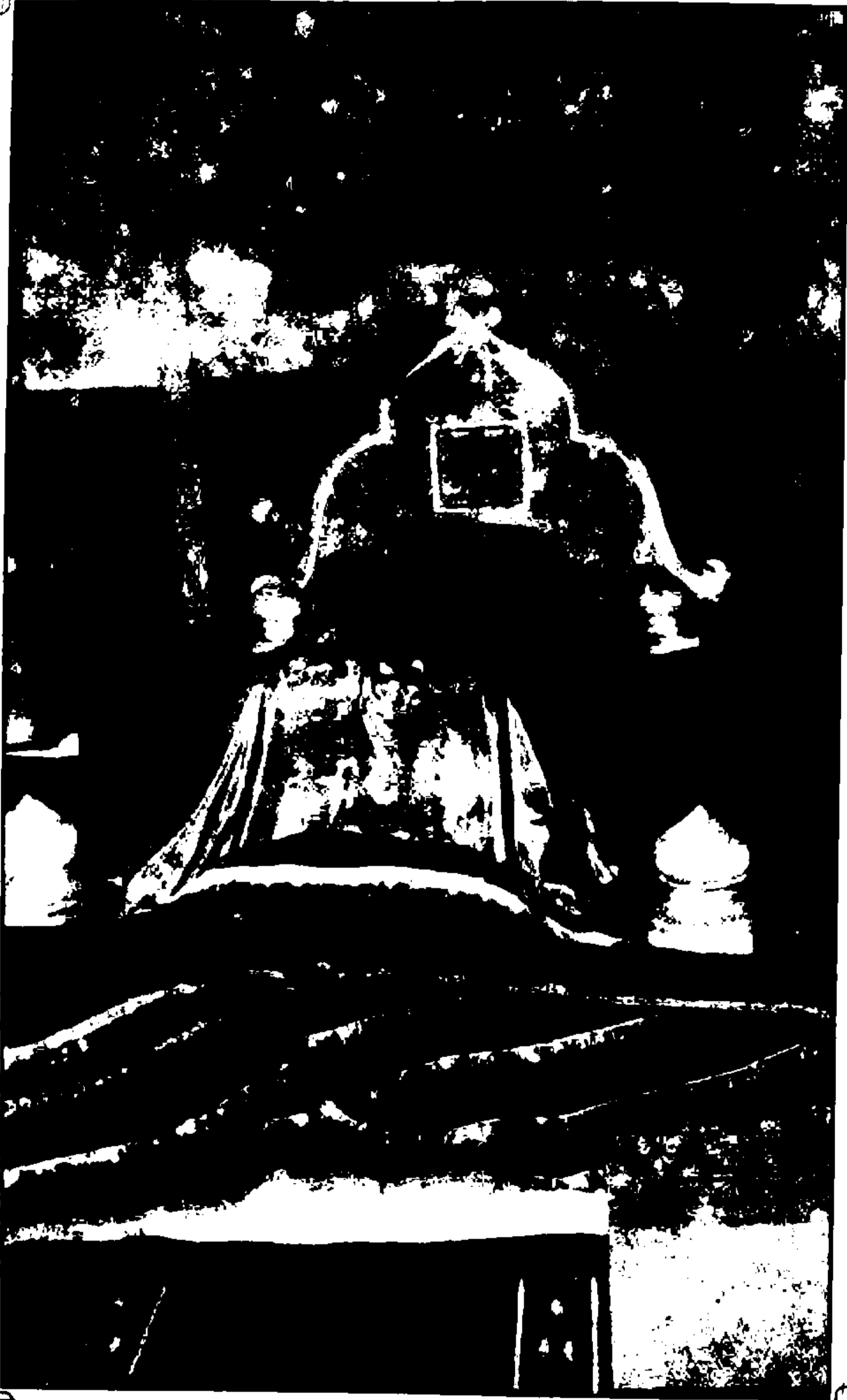
مزارِ مبارک خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ
شہزادہ حضرت مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سرہند شریف۔ بھارت

چراغِ خاندانِ نقشبنداں | فروغ دین احمد خواجہ معصوم
بسوئے گلشن عقبیٰ قدم زد | ازیں ویرانہ آباد کہن بوم
زدل پرسیدم از سالِ فاتش | ندا آمد زعالم رفت معصوم

۱۰۷۹ھ

(ماخوذ از تلخیص و ترجمۂ مکتوبات معصومی ۔ص ۱۶۱)

عارف ذات خدا شیخ محمد معصوم | عزم چوں جانب فردوسِ بریں فرمودہ
سال نقلش چہم ماہ ربیع الاوّل!! | زدو رقم مظہر حق قطب مشائخ بودہ[1]

۱۰۷۹ھ

حضرت اورنگ عالمگیر علیہ الرحمۃ خواجہ محمد معصوم سے بیعت تھے اور آپ ہی سے خلافت و اجازت حاصل تھی[2] ___ مکتوبات معصومی میں اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کے نام متعدد مکاتیب ہیں مثلاً:-

۱ مکتوبات معصومی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۶۴

۲ مکتوبات معصومی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۶، ۱۲۷، ۲۲۱، ۲۲۷

مکتوبات معصومی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کی نسبت و توجہ اور آپ کے صاحبزادے خواجہ سیف الدین علیہ الرحمۃ کی تربیت و صحبت کے طفیل اورنگ زیب علیہ الرحمۃ نے وہ بلند مقامات حاصل کر لیے تھے جو شاہوں کو نصیب نہیں۔ ہم یہاں خواجہ سیف الدین کے نام چند مکاتیب سے اقتباسات پیش کرتے ہیں، یہ مکاتیب اس وقت لکھے گئے ہیں جب خواجہ سیف الدین قلعہ معلّیٰ میں اورنگ زیب کی روحانی تربیت میں ہمہ تن مصروف تھے۔

---

[1] مظہر حق: مخبر الواصلین، مطبوعہ ۱۳۴۹ھ، ص ۱۴۲

[2] محمد امین: مقامات احمدیہ و ملفوظات معصومیہ، ص ۱۰۸

[3] خواجہ محمد معصوم: مکتوبات معصومی، ۳ مجلدات (تلخیص و اردو ترجمہ)، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۶۰ء

ا۔ جو کچھ بادشاہ دین پناہ سلمہ ربہ کے بارے میں مرقوم تھا یعنی اثباتِ ذکر در لطائف، حصول سلطان ذکر و رابطہ، قلت خطرات، قبول کلمۂ حق، رفع بعض منکرات، اور ظہورِ لوازمِ طلب۔ یہ سب باتیں واضح ہوئیں، شکرِ خدا بجالاؤ، طبقہ سلاطین میں اس قسم کے امور حکم عنقار رکھتے ہیں۔

(جلد سوم، مکتوب نمبر ۲۲ ملخصاً)

ب۔ تم نے بادشاہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ان کے اندر وسعت ’لطیفہ اخفیٰ‘ اور اس سے مناسبت تامہ کا پتا چلتا ہے اس بات کے مطالعہ سے خوشی ہوئی ——— لطیفۂ اخفیٰ سب سے بڑا لطیفہ ہے اور اس کی ولایت سب ولایات سے اونچی ہے۔ اس لطیفے کو خاص سرورِ کائنات کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے۔

(جلد سوم، مکتوب نمبر ۲۳۲، ملخصاً)

ج۔ جو کچھ بادشاہ دین پناہ کے حالات کے متعلق مرقوم تھا، وہ واضح ہوا، طبقۂ سلاطین میں اس قسم کے امور غرائب روزگار سے ہیں۔

(جلد سوم، مکتوب نمبر ۲۴۲، ملخصاً)

تعجب ہے کہ اتنے واضح حقائق و شواہد کے باوجود ڈاکٹر فریڈمین نے اپنی انگریزی تالیف شیخ احمد سرہندی (مطبوعہ مانٹریال، ۱۹۷۱ء، ص۔ ۹۵) میں لکھا ہے کہ ”اورنگ زیب اور خواجہ محمد معصوم کے درمیان تعلقات کی صداقت ایک مابہ النزاع مسئلہ ہے“ ——— لیکن مابہ النزاع انہیں کے لیے جنہوں نے مکتوبات معصومیہ اور مکتوبات سیفیہ کا مطالعہ نہیں کیا اور معتقدین کی تالیفات دیکھ کر شک میں پڑ گئے کہ شاید یہ بھی حسن عقیدت کا ایک کرشمہ ہو۔ البتہ آپ سے شاہجہان کی عقیدت و محبت مابہ النزاع ہو سکتی ہے گو ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اس کو تسلیم کیا ہے (علماء ان پولیٹکس، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء، ص۔ ۹۰) لیکن ہماری نظر سے کوئی ایسی واضح شہادت نہیں گزری۔

امراء شاہی اور اعیانِ مملکت کے نام بھی متعدد خطوط ملتے ہیں مثلاً:۔

① بنام شمشیر خاں، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۱
② بنام میر غضنفر (م۔ ۱۰۹۱ھ)، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۴۹
③ بنام ارادت خاں (م۔ ۱۰۵۹ھ)، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۶۹
④ بنام امانت خاں (م۔ ۱۰۹۵ھ)، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۷۹
⑤ بنام سید نور بجر (م۔ ۱۱۰۸ھ)، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۹۶ و ۹۹
⑥ بنام سید علی (م۔ ۱۱۱۹ھ)، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۹۵
⑦ بنام ہمت خاں (م۔ ۱۰۹۲ھ)، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۲۴
⑧ بنام بیگم جان جاناں (م۔ ۱۰۷۰ھ)، جلد دوم، مکتوب نمبر ۵۴
⑨ بنام تربیت خاں (م۔ ۱۰۳۰ھ)، جلد دوم، مکتوب نمبر ۱۲۴
⑩ بنام اسلام خاں (م۔ ۱۰۷۴ھ)، جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۴، ۱۵
⑪ بنام مرزا ابو المعالی (م۔ ۱۰۷۴ھ)، جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۷
⑫ بنام رعایت خاں (م۔ ۱۰۷۳ھ)، جلد سوم، مکتوب نمبر ۸۷

خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے ہاں چھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں تولد ہوئیں جن کی تفصیل یہ ہے:۔

صاحب زادگان:

① خواجہ محمد صبغۃ اللہ علیہ الرحمہ
② خواجہ محمد نقشبند علیہ الرحمہ
③ خواجہ محمد عبید اللہ علیہ الرحمہ
④ خواجہ محمد اشرف علیہ الرحمہ
⑤ خواجہ سیف الدین علیہ الرحمہ
⑥ خواجہ محمد صدیق علیہ الرحمہ

صاحبزادیاں :

(۱) امۃ اللہ بیگم علیہا الرحمہ
(۲) عائشہ بیگم علیہا الرحمہ
(۳) عارفہ بیگم علیہا الرحمہ
(۴) عاقلہ بیگم علیہا الرحمہ
(۵) صفیہ بیگم علیہا الرحمہ

عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ کو حضرت مجدد کے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ سے بڑی عقیدت و محبت تھی اور مؤخر الذکر کے وہ مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کئی بار دربار شاہی میں تشریف لے گئے لیکن بادشاہ کے اصرار کی وجہ سے، چنانچہ صاحب فرحت الناظرین لکھتے ہیں:۔

بادشاہ دین پناہ کی درخواست پر آپ کئی مرتبہ شاہی دربار میں تشریف لے گئے اور قسم قسم کی عزت افزائیوں اور رنگارنگ کی تعظیم و توقیر سے مشرف ہوئے۔[1]

عالم گیر نامے میں بھی ان دونوں صاحبزادگان کے لیے لکھا ہے:۔

شیخ محمد سعید اور شیخ محمد معصوم، شیخ احمد سرہندی کے اسرار اور علوم سے آشنا ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ظاہری و باطنی فضائل و کمالات میں اس سالکِ راہ طریقت و عرفان کا بجا جانشین ہے (دونوں کو بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے) ۳۰۰ اشرفیاں بطورِ انعام عنایت فرمائیں۔[2]

صاحب عمدۃ المقامات نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شہزادہ محمد اعظم شاہ دین اورنگ زیب عالمگیر)

۱؎ شیخ ابو الخیر مکی، ہدیۂ احمدیہ
۲؎ شیخ محمد اکرام: رود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء، ص۔ ۲۸۷
۳؎ ایضاً، ص۔ ۲۸۸

آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دروازے پر خلقت کے اژدھام کی وجہ سے شہزادہ کی دستار گر پڑی اور بدقت تمام حاضری نصیب ہوئی۔ جب شہزادے نے اورنگ زیب علیہ الرحمہ کو یہ واقعہ سنایا تو وہ بہت ہی محظوظ ہوئے۔[1]

مکتوبات معصومی اور مکتوبات سیفی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ محمد معصوم نے اپنے صاحبزادہ حضرت خواجہ سیف الدین علیہ الرحمہ کو اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ کی درخواست پر دربار میں بھیجا تھا۔[2]

صاحب عمدۃ المقامات نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:-

اپنے والد کے حکم سے سلطانِ وقت کی تربیت و اصلاح کے لیے دارالسلطنت تشریف لے گئے، امراء سلاطین عہد سب آپ کے زیرِ فرمان تھے۔[3]

محمد ساقی مستعد خاں نے مآثر عالم گیری میں ۱۰۸۰ھ کے ذیل میں خواجہ سیف الدین کا اس طرح ذکر کیا ہے:-

"سیزدہم محرم (۱۰۸۰ھ) بعد مرور یک پاس شب از راہ باغ حیات بخش باتش خانہ کہ مسکن حقائق و معارف آگاہ شیخ سیف الدین سرہندی مقرر بود نزدل فیض شمول بادشاہ غرباء نواز فقیر دوست، منظر انوار برکات گردید اساعتے تذکار کلمات افادت آثار صحبت داشتہ و شیخ مذکور را در اقرانش باکرام برداشتہ بدولت خانہ تشریف آوردند۔[4]

حضرت خواجہ سیف الدین کے مکتوبات شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہِ وقت حضرت اورنگ زیب عالمگیر اور شہزادوں اور شہزادیوں کو آپ سے کتنی محبت و عقیدت تھی شلاً یہ

---

[1] شاہ محمد فضل اللہ: عمدۃ المقامات، ص۔ ۳۹۳ و ۳۹۴

[2] خواجہ محمد معصوم: مکتوبات معصومی، جلد سوم، مکتوب نمبر ۲۲۷

[3] شاہ محمد فضل اللہ: عمدۃ المقامات مطبوعہ لاہور، ۱۳۵۵ھ، ص۔ ۳۹۲

[4] محمد ساقی مستعد خاں، مآثر عالم گیری، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۷۱ء، ص۔ ۸۴

مکتوبات شریف :۔

① بنام اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ : مکتوب نمبر ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۶،
۳۵، ۳۹، ۵۶، ۵۷، ۵۹،
۶۰، ۶۷، ۷۲، ۷۶، ۸۰،
۶۱، ۶۴، ۱۶۵۔

② شہزادی روشن آرار : مکتوب نمبر ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱،
۱۲، ۲۴، ۳۴، ۴۶، ۶۲۔

③ بنام شہزادہ محمد اعظم (م ۱۱۲۳ھ) : مکتوب نمبر ۵۲، ۵۳، ۵۶
④ بنام شہزادہ محمد اعظم (م ۱۱۱۹ھ) : مکتوب نمبر ۶۹

خواجہ سیف الدین علیہ الرحمہ کے بھائی خواجہ محمد نقشبند ثانی علیہ الرحمہ کے بھی شاہِ وقت اور امراء و اعیانِ مملکت سے گہرے روابط تھے جس کا اندازہ آپ کے مکتوبات شریف سے ہوتا ہے اشاریہ مکتوبات :

① بنام اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ : مکتوب نمبر ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۳۲،
۷۱، ۹۱

② بنام قاضی شیخ الاسلام : مکتوب نمبر ۲۴
③ بنام بادشاہزادی : مکتوب نمبر ۷۲
④ بنام شائستہ خاں : مکتوب نمبر ۱۷، ۱۸
⑤ بنام عاقل خاں : مکتوب نمبر ۲۶
⑥ بنام سیف خاں : مکتوب نمبر ۳۰

---

[1] مکتوبات خواجہ سیف الدین مرتبہ مولانا محمد اعظم (۱۳۲۱ھ)، استاد محترم ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہ العالی نے کراچی سے چھپوا کر شائع فرما دیے ہیں۔ مسعود

[2] مکتوبات خواجہ محمد نقشبند ثانی کو استاد محترم مدظلہ العالی نے حیدرآباد سندھ سے چھپوا کر ۱۹۶۳ء شائع فرما دیے ہیں۔ مسعود

(۷) بنام بختاور خان : مکتوب نمبر ۶۹
(۸) بنام مکرم خاں : مکتوب نمبر ۲۵
(۹) بنام مصطفیٰ خاں : مکتوب نمبر ۹۶
(۱۰) بنام میرزا میرک : مکتوب نمبر ۱۰

خواجہ محمد معصوم کے پانچویں صاحبزادے خواجہ محمد صدیق علیہ الرحمہ کے بھی شاہان وقت سے تعلقات تھے، چناں چہ صاحب عمدۃ المقامات نے لکھا ہے: شہزادہ محمد فرخ سیر (سالِ جلوس ۱۱۲۴ھ) جو شاہِ وقت تھا، آپ سے بیعت تھا۔ آخر عمر میں دہلی تشریف لے آئے تھے اور یہیں ۵ رجمادی الاوّل ۱۱۳۱ھ میں آپ کا وصال ہو اور تابوت شریف سرہند لے جایا گیا۔[۱]

حضرت مجدد کے چھٹے صاحبزادے خواجہ محمد اشرف علیہ الرحمہ بقول صاحب جواہر مجددیہ صغر سن میں وفات پا گئے تھے ــــــ ساتویں صاحبزادے خواجہ محمد یحیٰی علیہ الرحمہ عرف شاہ جیو ۱۰۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ جب حضرت مجدد کا وصال ہوا تو آپ دس سال کے تھے، خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں آپ کے حالات میں لکھا ہے:۔

> حضرت مجدد کے وصال اور قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد برادرانِ گرامی (خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم) کی تربیت کی برکت سے علوم معقول و منقول کو انتہا تک پہنچایا اور پوری استقامت اور مہارت کے ساتھ کتب متداولہ کے درس و تدریس میں معروف ہیں اور اشاعت علوم سے (لوگوں کو) مستفید و مستفیض فرما رہے ہیں ــــ آثار نجابت اور وراثت نسبت معنویہ آپ کی روشن پیشانی سے ہویدا ہیں، آپ کے حلیے، قدو قامت، رفتار و گفتار اور چشم و ابرو والد بزرگوار سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ اس مخدوم زادے کی مقبولیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی پوتی یعنی خواجہ کلاں خواجہ عبید اللہ کی صاحبزادی کی

---

[۱] شاہ محمد فضل اللہ، عمدۃ المقامات، ص۔ ۳۹۵

شادی آپ سے ہو گئی ہے[1]

اور شاہ محمد رؤف علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا تھا (غالباً خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ کے وصال کے بعد) چناں چہ وہ لکھتے ہیں :۔

> اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی توجہ حاصل کی اور بہت سی ملکیت نذر کی چنانچہ یہ ضرب المثل ہو گیا تھا الملک للہ و الملک لیحیی[2]

المختصر حضرت مجدد کے صاحب زادگان آسمان علم کے درخشاں ستارے اور گلشن معرفت کے مہکتے پھول تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کا ارشاد ہی ان کی معرفت کے لیے کافی ہے "اسرار الٰہی اند، استعداد ہائے عجیب دارند"[3]

تصانیف

فرزندان گرامی علیہم الرحمہ کے بعد حضرت مجدد کی دوسری عظیم یادگار آپ کی تصانیف ہیں، ان کی مقبولیت کا اس حقیقت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جدید ذرائع نشر و اشاعت نہ ہونے کے باوجود آپ کی زندگی ہی میں ان تصانیف کی نقول نہ صرف پاک و ہند کے طول و عرض میں بلکہ دور دراز ملکوں تک پھیل گئی تھیں[4]

---

[1] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۲۶

[2] شاہ محمد رؤف، جواہر علویہ، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۱۰۳

[3] محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۱۵ و ۲۱۶

[4] صاحب زبدۃ المقامات نے لکھا ہے: "و بسا صلحاء و علماء نیک نہاد، بر ترکی و بلاد، چہ دور و چہ نزدیک کہ از مطالعہ رسائل و مکاتیب ایشاں از مخلصان صادق العقیدہ گردیدند۔ بعضے بہ دلالت آں کلمات بہ ملازمت شریفہ نیز رسیدہ قبول یافتہ" (زبدہ، ص۔ ۲۱۸)

علامہ اقبال نے ایک شعر میں مردِ کامل کے لیے پانچ خصوصیات کا ذکر کیا ہے، وہ سب کی سب یہاں موجود ہیں:۔

چہ باید مرد را طبعِ بلندے مشربِ نابے
دلِ گرمے، نگاہ پاک بینے، جانِ بیتابے

تصانیف کے عمیق مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں طبع بلند بھی ہے، مشرب ناب بھی ہے دل گرم بھی ہے، نگاہ پاک بین بھی ہے اور جان بیتاب بھی ہے، وہ کچھ ہے جو ایک زندہ و پائندہ تحریر کے لیے ضروری ہے۔

ایک اور خصوصیت اور عجیب و غریب خصوصیت جس کی طرف حضرت مجدد کے ایک معاصر عالم نے توجہ دلائی ہے، قابلِ غور اور قابلِ مطالعہ ہے، وہ کہتے ہیں:۔

(ترجمہ و تلخیص)

کتب و رسائل یا تو "تصنیف" ہوتے ہیں یا "تالیف" ——— تالیف یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کی باتوں کو مناسب سیاق و سباق کے ساتھ یکجا کر دیا جائے ——— اور تصنیف یہ ہے کہ ان علوم و نکات کو بیان کیا جائے جو خود پر وارد ہوتے ہوں، خواہ وہ نکات علمی مہارت و بلندی فطرت کی بنا پر ظہور پذیر ہوئے ہوں یا الہام ربانی و کشفِ صادق ہوں ——— ایک مدت سے اہل زمانہ میں تصنیف ناپید ہو چکی تھی، صرف تالیف رہ گئی تھی، شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہوگا کہ کوئی مؤلف اپنی تالیفات میں اپنی علمیت اور ذوق کی بنا پر کچھ لکھے ——— اب انصاف کی بات یہ ہے کہ اس زمانے میں تمہارے شیخ بزرگوار کی تصانیف اور رسائل و مکاتیب کو میں نے خوب غور سے پڑھا مگر مجھے تو کہیں دوسروں کی نقل نظر نہ آئی الا ماشاء اللہ اور وہ بھی ضرورۃً، اکثر و بیشتر مکشوفات و الہامات ان کی اپنی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں اور سب کے سب شریعت کے مطابق [1]

---

[1] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص ۔ ۲۱۵ و ۲۱۶

حضرت مجدد کی تصانیف میں مکتوبات شریف خاص امتیاز رکھتے ہیں، یہ حضرت مجدد کی اصلاحی اور تبلیغی مساعی کی ایک تاریخ ہے جس کو پڑھ کر روح کو تازگی اور دل کو زندگی ملتی ہے، تعمیر سیرت اور تشکیل مملکت اسلامیہ کیلئے اس کا مطالعہ ضروری ہے ـــــ فارسی ادب میں ان مکاتیب کو ادب عالیہ کی حیثیت حاصل ہے۔

یہ مکتوبات تین مجلدات پر مشتمل ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) جلد اول موسوم بہ "در المعرفت" (۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء) ، مرتبہ مولانا یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ یہ جلد ۳۱۳ مکتوبات پر مشتمل ہے[1]

(۲) جلد دوم موسوم بہ "نور الخلائق" (۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۸ء) ، مرتبہ مولانا عبد الحی حصاری رحمۃ اللہ علیہ ـــــ یہ جلد ۹۹ مکتوبات پر مشتمل ہے۔

(۳) جلد سوم موسوم بہ "معرفۃ الحقائق" (۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء) ، مرتبہ مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ یہ جلد ۱۲۲ مکتوبات پر مشتمل ہے۔[2]

---

[1] قومی عجائب گھر۔ کراچی میں جلد اول کا ایک قلمی نسخہ (قبل ۱۰۸۲ھ / ۱۶۷۱ء) ہے۔

[2] مکتوبات شریف کے مخطوطات مختلف مقامات پر اور مختلف حضرات کے پاس موجود ہیں مثلاً:۔

(۱) مخطوطات حضرت حافظ محمد ہاشم جان مجددی ـــــ کراچی (آپ کے پاس تین قلمی نسخے ہیں)

(۲) مخطوطہ قریشی احمد حسین قلعہ داری، گجرات

(۳) مخطوطہ مولوی مقبول احمد مرحوم، سرہند شریف

(۴) مخطوطہ مولینا غلام مصطفےٰ قاسمی، حیدر آباد سندھ

(۵) مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، لندن (دیکھئے، جلد دوم، ص ۔ ۲۷۱)

(۶) مخطوطہ کتب خانہ تاشقند (روس) نمبر ۲۶۱۵

(فہرست مخطوطات، جلد سوم، ۱۹۵۵ء)

(بقیہ بر صفحہ ۲۵۸)
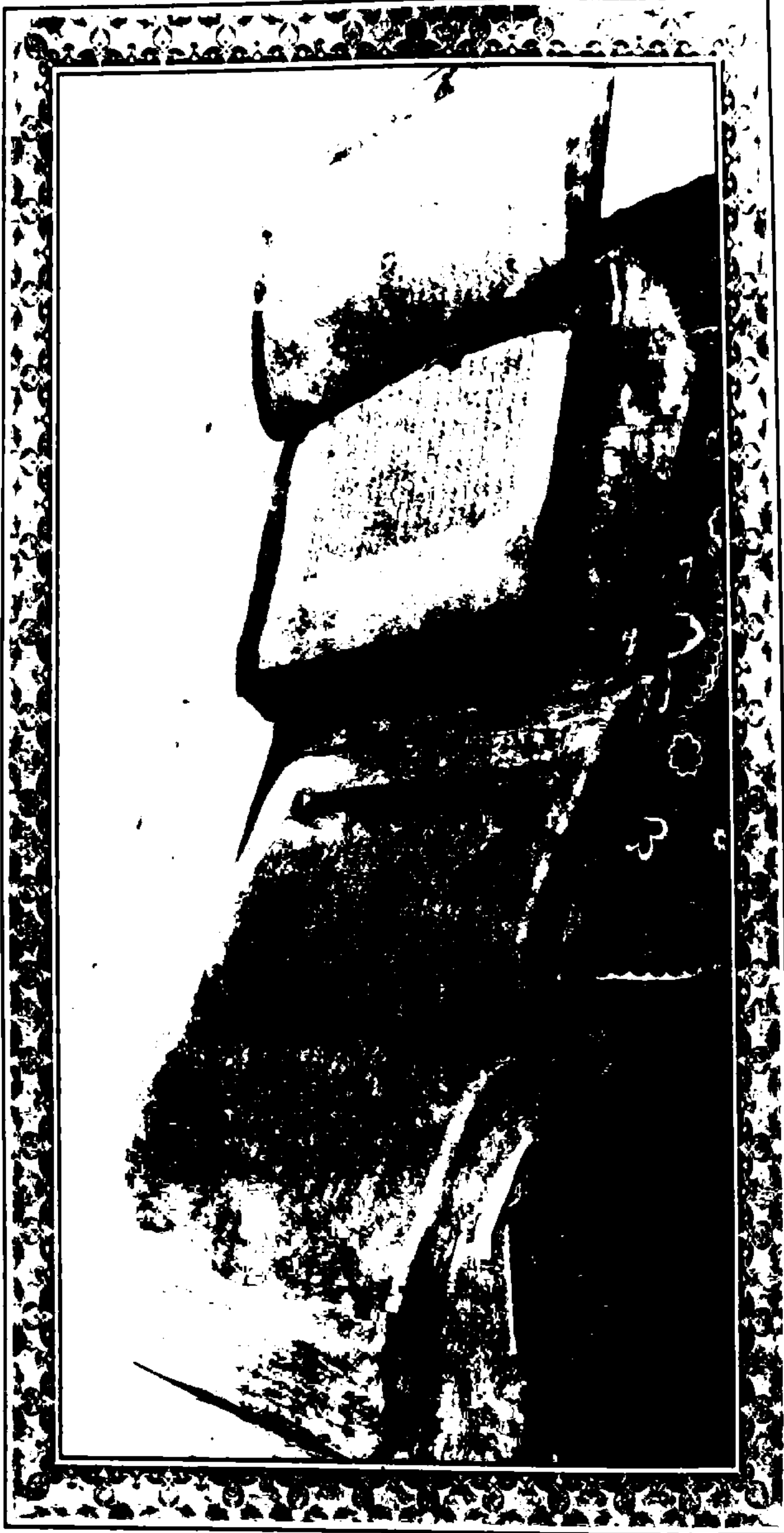
مکتوبات شریف قلمی امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

ان مجلدات کے کئی ایڈیشن پاک و ہند کے مختلف مقامات سے شائع ہو چکے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

①

② مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ دہلی، ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء مع رسالہ ردّ روافض

③ مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء،

④ مکتوبات امام ربانی مطبوعہ لاہور،

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۹۷)

⑦۔ مخطوطہ کتب خانہ برلن جرمنی نمبر ۲۲۶۴، ۲۶۵۱

(فہرست مخطوطات، جلد اوّل، ۱۹۶۴ء)

⑧ مخطوطہ قومی عجائب گھر، کراچی

⑨ مخطوطات کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن نمبر ۵۶۴ و ۸۴۴

⑩ مخطوطہ دار العلوم اسلامیہ پشاور، نمبر ۹۳۹ و ۹۴۰

نوٹ: مکتوبات امام ربانی کی چوتھی جلد کی تدوین کا کام شروع ہونے والا تھا کہ حضرت مجدد وصال فرما گئے۔ چنانچہ چوتھی جلد کے لیے جو مکاتیب جمع کیے گئے تھے وہ تیسری جلد کی تکمیل کے بعد اس میں شامل کر دیے گئے۔ یہ بات خواجہ محمد ہاشم کشمی (جامع جلد ثالث) نے لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

بعد از تمامی جلد ثالث و مہجوری بندہ از آستاں بعضے مکاتیب دیگر کہ شروع دفتر چہارم بود، بظہور آمدہ بود و ہنوز بچہار دہ مکتوب نرسید کہ آں ماہ چہاردہ آسمانِ قطبیت رو در نقاب مغرب تراب کشیدہ ــــــ ناچار آں مکتوب را داخل جلد ثالث نمودہ شد ــــــ (زبدۃ المقامات، ص ۲۸۱)

خواجہ محمد ہاشم کشمی رجب المرجب ۱۰۳۴ھ میں حضرت مجدد سے رخصت ہوئے اس لیے جلد ثالث کے آخری ۱۴ مکاتیب رجب ۱۰۳۴ھ اور صفر ۱۰۳۴ھ کے درمیان لکھے گئے ہوں گے۔ مسودہ

⑤ مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ کراچی، ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء، مع سنین عہد مجددی و اشاریہ رجال مکتوبات شریف [1]

⑥ انتخاب مکتوبات شیخ احمد سرہندی، مرتبہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء [2]

⑦ فیض البرکات من عین المکتوبات (مرتبہ مولینا محمد عبد اللہ جان مجددی)، مطبوعہ لاہور

فاضل مرتب نے مکتوبات امام ربانی کی تینوں مجلدات سے مکتوبات انتخاب کر کے مندرجہ ذیل چار ابواب کے تحت جمع کر دیے ہیں:۔

- باب اوّل :۔ در اصول اسلامیہ و عقاید صحیحہ اہل سنت والجماعت۔
- باب دوم :۔ در مسائل فقہیہ و احکام شرعیہ۔
- باب سوم :۔ در حقائق و معارف علم باطن و اسرار و انوار طریقہ نقشبندیہ و اذواق و مواجید خاصہ حضرت ایشاں۔

باب چہارم :۔ در مواعظ و نصائح و ترغیب بحسنات و تحذیر از سیئات۔

مکتوبات شریف کے عربی، اُردو اور انگریزی وغیرہ مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:۔

عربی تراجم :

① جلد اوّل الدرر المکنونات النفیسہ، معرّبہ محمد مراد منزلوی
مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۹ء، صفحات ۳۸۴

نوٹ :۔ اس جلد کے حواشی طرفین پر عربی میں حضرت مجدد کے حالات لکھے گئے ہیں، اور اس کے

---

[1] مکتوبات کا یہ نسخہ امرتسری اڈیشن کا عکس ہے اور بڑی آب و تاب سے شائع ہوا ہے۔ اس میں بعض اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ استاذ محترم حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ العالی کے حزم و ہمت کا یہ ایک شاہکار ہے جو دیدنی ہے۔ مسعود

[2] اس انتخاب کے شروع میں فاضل مرتب نے حضرت مجدد کی حیات مبارکہ اور آپ کے افکار و خیالات پر انگریزی زبان میں سیر حاصل لکھا ہے۔ مسعود

ساتھ فتوی التکفیر بھی نقل کیا گیا ہے، اس کے علاوہ شیخ حسین الامیری کی کتاب "کتاب الرحمۃ الہابطہ فی تحقیق الرابطہ" بھی نقل کر دی گئی ہے۔

(۲) جلد ثانی، الدرر المکنونات النفیسہ، معربہ محمد مراد منزلوی مکی، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء۔ صفحات ۱۶۲

نوٹ:۔ اس جلد کے حواشی پر حضرت مجدد کی تالیف مبدأ و معاد کا عربی ترجمہ دیا گیا ہے۔

(۳) جلد ثالث الدرر المکنونات النفیسہ، معربہ محمد مراد منزلوی مکی، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء، صفحات ۱۹۳

نوٹ:۔ اس جلد کے حواشی پر شیخ محمد بیگ الاوزبکی کی تالیف "عطیۃ الوھاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب" نقل کیا گیا ہے [۱]

محمد مراد المنزلوی نے مکتوبات امام ربانی کی تینوں مجلدات کا جو عربی میں ترجمہ کیا تھا حسین حلمی الشیق بن سعید استانبولی نے استانبول سے ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء میں اس کا انتخاب شائع کیا ہے جو ۲۲۶ صفحات پر مشتمل ہے اور مندرجہ ذیل عنوان سے معنون ہے:۔

المنتخبات من المکتوبات، للامام الربانی المجدد للالف الثانی احمد الفاروقی السرھندی۔

اس انتخاب کے سرورق کے دوسری جانب ترکیہ کے ایک فاضل عبدالحکیم اردیسی، م۔ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء، (انقرہ) کے یہ تاثرات نقل کیے ہیں:۔

In Islam no book as valuable as Maktubat has been written,
After the kur'an and Hadiths of Hazrat Muhammad the most
Superior book is *Maktubat by-Imam-I-Rabbani*

---

[۱] مکتوبات شریف کی معربہ یہ تینوں جلدیں کتب خانہ مجلس علمی کراچی میں موجود ہیں۔ مسعود

حسین حلمی موصوف نے اپنی تالیف علماء الوھابیون (مطبوعہ استانبول ۱۹۶۲ء) میں بھی حضرت مجدد کے معرب مکتوبات شریف کے بعض حصے نقل کیے ہیں۔

(مسعود)

دوسرے جزوی عربی تراجم کی تفصیل یہ ہے :-

① تعریب المکتوبات الصوفیۃ لاحمد النقشبندی[1] معربہ الشیخ یونس النقشبندی

② مکاتیب الشیخ احمد النقشبندی[2]

اردو ترجمے :

① الطاف رحمانی (حصہ اول) مترجمہ مولوی محمد حسین، مطبوعہ۔ لاہور ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء

نوٹ :- اس ترجمے میں جلی حروف میں مکتوبات شریف کا متن ہے اور بین السطور میں اردو ترجمہ جس طرح قرآن کریم میں اہتمام کیا جاتا ہے، غالباً اسی اہتمام کی وجہ سے اس کو "پارۂ اول الطاف رحمانی" سے تعبیر کیا ہے۔

② مکتوبات امام ربانی (صرف ۱۲ مکتوبات) مترجمہ مولوی عبدالرحیم، مطبوعہ امرتسر،

[1،2] محمد سعد طلس : الکشاف عن مخطوطات خزائن الاوقاف، مطبوعہ بغداد، ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء، ص۔ ۱۲۶ (بحوالہ مقدمہ مکتوبات امام ربانی جلد اول مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۰ء / ۱۳۹۰ھ، ص۔ ۲۵ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری)

نوٹ :- مستقیم زادہ سلیمان سعدالدین نے مکتوبات امام ربانی کا ترکی میں ترجمہ کیا تھا جو ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء میں استانبول سے شائع ہوا تھا۔ دوسرا ترجمہ حسین حلمی نے کیا ہے جس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۲ء / ۱۳۹۲ھ میں استانبول سے شائع ہوا ہے۔ (مسعود)

سنہ ۱۳۳۰ھ/ سنہ ۱۹۱۱ء

(۳) مکتوبات امام ربانی، (ابتدائی چالیس مکتوبات) مطبوعہ لاہور سنہ ۱۳۳۰ھ/ سنہ ۱۹۱۱ء

(۴) مکتوبات امام ربانی، مترجمہ مولوی عالم دین، مطبوعہ لاہور (مکمل)

(۵) مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مترجمہ مولوی محمد سعید احمد نقشبندی، مطبوعہ کراچی سنہ ۱۳۹۱ھ/ سنہ ۱۹۷۱ء

(۶) مکتوبات امام ربانی، ترجمہ و تشریح مولانا عبدالرحیم (م: سنہ ۱۳۶۹ھ/ سنہ ۱۹۵۰ء) (بحوالہ تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد از سید محمد امیر شاہ گیلانی حصہ دوم مطبوعہ لاہور سنہ ۱۹۷۳ء/ سنہ ۱۳۹۲ھ، ص ۱۰۲)

اردو خلاصے:

(۱) دُرّ لاثانی، جلد اول، مکتوبات امام ربانی، ملخصہ مولوی محمد ہدایت علی جے پوری مطبوعہ اعظم گڑھ، سنہ ۱۳۵۶ھ/ سنہ ۱۹۳۵ء

(۲) دُرّ لاثانی، جلد دوم، مکتوبات امام ربانی، ملخصہ مولوی محمد ہدایت علی جے پوری مطبوعہ اعظم گڑھ، سنہ ۱۳۵۶ھ/ سنہ ۱۹۳۵ء

(۳) دُرّ لاثانی، جلد سوم، مکتوبات امام ربانی، ملخصہ مولوی محمد ہدایت علی جے پوری مطبوعہ اعظم گڑھ،

(۴) دُرّ لاثانی (تینوں مجلدات)، مطبوعہ، کراچی، سنہ ۱۹۶۳ء/ سنہ ۱۳۸۳ھ

انگریزی ترجمے

حسین علی ایشیق نے سعادت ابدی کے نام سے ایک کتاب (صفحات ۱۰۲۴) ترکی زبان میں تین حصوں میں لکھی تھی جس کا نواں اڈیشن سنہ ۱۹۷۲ء میں استانبول (ترکی) سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب کے بعض حصوں کا انگریزی ترجمہ 'Endless Bliss' کے نام سے سنہ ۱۹۷۲ء میں استانبول سے شائع ہوا ہے، اس میں مکتوبات امام ربانی کی تینوں مجلدات

کے بعض مکاتیب کا انگریزی ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔۔ (ص ۱۰۵ تا ۱۱۹)

مکتوبات کے شروح و حواشی:

مکتوبات شریف کے بہت سے شارحین بھی گزرے ہیں اور شرحیں بھی لکھی گئی ہیں شلاً:

(۱) مولوی ضیاء الدین اچکزئی قندھاری: ضیاء المقدمات فی توضیح المکتوبات (قلمی)

(۲) ———:۔ تشئید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات امام ربانی

(۳) خواجہ عبد اللہ وحدت: شرح مکتوبات مجددی

(۴) شاہ عبد الرحیم گرھوڑی، شرح مکتوبات امام ربانی

(۵) مولانا محمد منظور احمد مکان شریفی، حواشی مکتوبات امام ربانی

(۶) مولوی نصر اللہ خاں کابلی ——— مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مولانائے موصوف نے مکتوبات شریف کی فارسی میں شرح لکھی ہے جو دس جلدات تک پہنچ چکی ہے، ابتدائی ایک دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں، واللہ اعلم

مکتوبات شریف کے مختلف پہلوؤں پر کام بھی کیے گئے اور کیے جا رہے ہیں شلاً:۔

(۱) سید سلیمان ندوی مرحوم نے مکتوبات شریف کے مکتوب الیہم کے حالات مرتب فرمائے تھے۔

(۲) محمد اقبال مجددی بھی اسی موضوع پر کام کر رہے ہیں (لاہور)

(۳) سراج احمد صاحب (ابن ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی) بھی مکتوبات شریف پر کام کر رہے ہیں۔

لیڈن یونیورسٹی میں بھی مکتوبات شریف پر کام ہوا ہے۔

دیگر تصانیف:

مکتوبات شریف کے علاوہ دوسری تصانیف کی تفصیل یہ ہے:۔

① الرسالۃ فی اثبات النبوۃ

نوٹ :- اس رسالے کے خاتمے پر یہ عبارت ملتی ہے :-

المقالۃ الثانی فی ذم الفلاسفۃ و بیان الضرر الحاصل من ممارسۃ علومھم و مطالعۃ کتبھم[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مقالہ اثبات النبوۃ میں تحریر فرمایا اور دوسرا مقالہ ذم فلاسفہ میں۔ لیکن اس دوسرے مقالے کا کہیں پتا نہ چل سکا۔ راقم نے سابق سفیر افغانستان مولانا محمد صادق سرہندی مجددی سے ذکر کیا، موصوف نے فرمایا تھا کہ یہ دوسرا رسالہ ان کے پاس موجود ہے۔ مگر اب تک حاصل نہ کیا جا سکا اور اس کے وجود و عدم کے بارے میں بھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اسمٰعیل پاشا البغدادی نے حضرت مجدد کی ایک تصنیف اثبات الواجب کا ذکر کیا ہے[2]۔

نوٹ :- اس رسالے کے متعدد قلمی نسخے پاک و ہند اور بیرون ہند موجود ہیں۔ مثلاً

① نسخہ مدینہ منورہ (مولانا محمد صادق سرہندی مجددی)

② نسخہ کابل (مولانا محمد ابراہیم سرہندی مجددی)

③ نسخہ دہلی ۱۲۶۷ھ (مولانا زید سرہندی مجددی)

④ نسخہ کراچی (مولانا محمد ہاشم جان سرہندی مجددی)

⑤ نسخہ خانقاہ کندیاں، ۱۲۴۳ھ وغیرہ وغیرہ

[1] نسخہ دہلی ۱۲۶۷ھ، ص ۴۸۔

نوٹ :- نسخہ دہلی (مکتوبہ ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء، مملوکہ مولانا زید مجددی)، میں حضرت مجدد کی یہ تصانیف موجود ہیں :- مبدأ و معاد، معارف لدنیہ، مکاشفات غیبیہ، تحقیق در کلمہ طیبہ (تعلیلیہ)، شرح رباعیات خواجہ باقی اللہ، ردّ روافض، تحقیق نبوت (اثبات النبوۃ)۔ مسعود

[2] اسمٰعیل پاشا بغدادی: ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، مطبوعہ طہران ۱۳۷۸ھ / ۱۹۶۷ء، ص ۲۰۔

پاک و ہند کے کسی مصنف یا تذکرہ نگار نے اس تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ عین ممکن ہے کہ یہ وہی مقالہ ثانی ہو جو حضرت مجدد نے فلاسفہ کے رد میں تحریر فرمایا اور جس کی صراحت اثبات النبوۃ کے آخر میں موجود ہے۔ عمر رضا کحالہ نے بھی اثبات الواجب کا ذکر کیا ہے[1]

رسالہ اثبات النبوۃ استاد محترم ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ العالی کی کوششوں سے ۱۹۶۵ء میں کراچی سے شائع ہو گیا ہے۔

(۲) تعلیقات لعوارف[2]

(۳) الحاشیہ علی شرح العقائد الجلالی[3]

(۴) المقدمہ السنیۃ فی انتصار الفرقۃ السنیہ[4]

(معربہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

(۵) مبدأ و معاد[5]

نوٹ:۔ تقریباً ۱۰۱۹ھ میں حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد صدیق البدخشی الکشمی علیہ الرحمہ نے یہ رسالہ مدون کیا تھا۔ یہ رسالہ لاہور وغیرہ سے شائع ہو چکا ہے۔

کتب خانہ تاشقند (نمبر ۲۶۲۱) اور کتب خانہ برلن (نمبر ۲۷۰۰) میں اس کے مخطوطات موجود ہیں۔ ایک مخطوطہ (نمبر ۱۰۶-ج) پنجاب پبلک لائبریری (لاہور) میں موجود ہے۔

---

[1] عمر رضا کحالہ: معجم المؤلفین، جلد اول، مطبوعہ دمشق، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء، ص ۲۵۹ بذیل احمد السرہندی
(نیز ملاحظہ فرمائیں ہدیۃ العارفین از اسمٰعیل پاشا بغدادی)

[2] [3] [4]

Zabaid Ahmad : *The Contribution of India to Arabic Literature*, Allahabad, 1945.

[5] زبدۃ المقامات صفحہ ۲۰۳

(۶) مکاشفات غیبیہ[۱]

نوٹ:۔ اس رسالے کو مکاشفاتِ عینیہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ رسالہ تقریباً ۱۰۵۱ھ میں حضرت مجدد کی وفات کے بعد حضرت ہاشم کشمی نے مرتب کیا تھا۔ یہ حضرت مجدد کی تحریروں پر مشتمل ہے۔ ۱۹۶۵ء میں کراچی سے ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نے شائع کرایا تھا۔ کتب خانہ تاشقند (نمبر ۲۲۲۵) میں اس کا مخطوطہ موجود ہے۔

(۷) معارف لدنیہ[۲]

نوٹ:۔ یہ کتاب لاہور سے شائع ہو چکی ہے، اس کا ایک مخطوطہ (نمبر ۱۸۸) کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے، کتب خانہ تاشقند میں بھی اس کا مخطوطہ (نمبر ۲۶۱۱) موجود ہے، ایک مخطوطہ (نمبر ۱۰۶-و) پنجاب پبلک لائبریری، لاہور میں موجود ہے۔

(۸) ردّ الرفضہ[۳]

نوٹ:۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں اس رسالے کا نام رد شیعہ تحریر فرمایا ہے۔ یہ رسالہ حضرت مجدد نے ۱۰۰۰ھ اور ۱۰۰۲ھ کے درمیان تصنیف فرمایا تھا ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب نے ۱۹۶۵ء میں "کرائف شیعہ" (مع اردو ترجمہ) کے نام سے رام پور سے شائع کرا دیا ہے۔

(۹) شرح رباعیات خواجہ بیرنگ[۴]

(۱۰) رسالہ تعیین ولا تعیین

(۱۱) رسالہ مقصود الصالحین

(۱۲) رسالہ در بیان مسئلہ وحدت الوجود

(۱۳) آداب المریدین

نوٹ:۔ حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:۔

"میں ارادہ کر رہا ہوں کہ آداب صوفیاء کو علیحدہ جمع کروں۔

[۱،۲،۳،۴] زبدۃ المقامات، ص ۲۰۰۔۲۰۴

حضرت (مجدد الف ثانی) نے اس باب میں ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے اور بعض آداب ضروریہ کو اس میں درج کیا ہے[1]
ممکن ہے کہ جس رسالہ کی طرف خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ نے اس مکتوب میں اشارہ فرمایا ہے وہ یہی رسالہ آداب المریدین ہو ورنہ کوئی اور تصنیف ہو گی۔

(۱۴) رسالہ جذب و سلوک[2]

(۱۵) رسالہ علم حدیث[3]

(۱۶) رسالہ حالات خواجگان نقشبند[4]

(۱۷) مجموعۂ تصوف[5]

(۱۸) رسالۂ تہلیلیہ[6]

(۱۹) کنز الحقائق[7]

نوٹ:۔ خواجہ محمد ہاشم علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد کے والد بزرگوار خواجہ عبد الاحد کی ایک تصنیف "کنز الحقائق" کا ذکر کیا ہے[8]۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ فاضل مقالہ نگار کو التباس ہو گیا ہو کیونکہ

---

[1] خواجہ محمد معصوم، مکتوبات معصومی (تلخیص ترجمہ) مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۲۰ء، مکتوب نمبر ۱۱ بنام عبد الحکیم

[2] زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۴

[3] خواجہ محمد حسین: جواہر مجددیہ، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۸۲

[4] زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۵۱

[5]

Charles Rieu : Catalogue of The Persian Manuscripts In British Museum, Vol. III, London, 1983, p. 1058.

[6] یہ رسالہ حضرت مجدد نے ۱۰۰۰ھ اور ۱۰۰۷ھ کے درمیان تصنیف فرمایا تھا، ۱۹۶۵ء میں کراچی سے شائع ہو گیا ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اس کا ذکر کیا ہے (زبدۃ المقامات، ص۔ ۱۳۱)

[7] مقالہ نگار آریانا دائرۃ المعارف۔ کابل ۱۳۳۰ھ، جلد دوم، ص۔ ۵۱۴

[8] خواجہ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۹

اس تصنیف کا کسی تذکرہ نگار نے ذکر نہیں کیا (جہاں تک ہمیں معلوم ہے)

نوٹ:۔ حضرت مجدد نے مکتوبات شریف میں ان رسائل کا بھی ذکر فرمایا ہے:۔

(۲۰) رسالہ دربیان طریقت حضرت خواجگان (جلد اول، مکتوب نمبر ۵)

(۲۱) رسالہ نصائح وغیرہ (جلد اول، مکتوب نمبر ۱۶)

(۲۲) رسالہ معرفۃ النفس و معرفۃ الرب

نوٹ:۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں اس کا ایک مخطوط (نمبر ۹۲۴) موجود ہے

یہ ہیں حضرت مجدد کی عظیم یادگاریں جو شاید رہتی دنیا تک ان کی یاد دلاتی رہیں، دلوں کو گرماتی رہیں اور روح کو بالیدگی اور تازگی بخشتی رہیں۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے ان مولفات و مصنفات پر بہت خوب تبصرہ فرمایا ہے جس کا اُردو ترجمہ شاید اس تبصرے کو بے کیف بنا دے اس لیے اہل ِ علم کی ضیافت طبع کے لیے تبصرے کا متن پیش کرتے ہیں:۔

ایں معارف ست کہ دفاتر مکتوبات کثیر البرکات و رسائل معادن الفتوحات متضمن آن ست وہر معرفتے ازاں شفا بخش دل ہائے رنجوراں و مقرب دوراں و مہجوراں، نقل آں، نقل ہر محفل، آوازۂ شاں آویزۂ گوش ہر دل، ہر فقرہ ازاں خاتم اسرار فقرار سانگینہ، وہر فصلے ازاں جواہر اسرار وصل را خزینہ، اقلام از مباشرت آں ارقام، نیستان شکر از تلطیف آں کلمات بوستاں از بر، کامہا از شیریٔ آں مقال بہ حلاوت ایمان ہمدوش، دل ہا از صفائے آں اسرار بانوار لایزال ہم آغوش۔
جامع اسرار دین وانوار یقین، مظہر راز مخفیہ کتاب مبین، مراٰت جمال معانی احادیث سید المرسلین، حلال مشکلات کلامیہ وفقہیہ، حاوی دقائق و معارف تشبیہ و تنزیہہ، ترجمان غوامض کلمات متقدمین، ——— دستور احوال و اقوال متاخرین علماء و عرفاء قدس اللہ سرہٗ [1]

---

[1] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۲۳ و ۲۲۴

خلفاء کبار:

حضرت مجدد کے خلفاء کبار کا سلسلہ وسیع و ہمہ گیر ہے، اس وسعت و ہمہ گیری کا اس حقیقت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بہت سے خلفاء کا حال خود حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی لکھتے ہیں:-

وجمعے دیگر از اصحاب مقبل صاحب دل آں حضرت بفقر و انزوا و گمنامی چناں بودہ اند
کہ اکثر خادمان آستاں ہم از کار و بار ایشاں آگاہ نیند[1]

(ترجمہ)

آں حضرت کی صاحب دل مقبول خلفاء کی ایک اور جماعت خلوت و تنہائی کی مراہی بیٹھی ہے کہ آستانہ عالیہ کے اکثر خادم بھی اس کے احوال سے آگاہ نہیں ہیں۔

مولانا محمد ہاشم کشمی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض حضرات نے محض اتفاقیہ ملاقاتوں میں انکشاف کیا کہ ان کو حضرت مجدد سے خلافت و اجازت حاصل ہے۔ بہرکیف حضرت مجدد کے خلفاء کے حالات پر ایک علیحدہ باب کی ضرورت تھی لیکن سر دست اجمال کی وجہ سے دو مستند[2] ماخذ سے بعض خلفاء کے اسمائے گرامی پیش کیے جا رہے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت مجدد کی بسیط سوانح میں ایک مستقل باب کے تحت خلفاء پر لکھا جائے گا۔

(۱) صاحبزادہ خواجہ محمد صادق (م۔ ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء)
(۲) صاحبزادہ خواجہ محمد سعید (م۔ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء)
(۳) صاحبزادہ خواجہ محمد معصوم (م۔ ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء)

---

[1] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۹۰

[2]
د۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ۳۰۰ تا ۳۹۳
ب۔ بدر الدین سرہندی: حضرات القدس، ۲۶۶ تا ۳۸۲ (دفتر دوم)

(۴) حضرت میر محمد نعمان برہان پوری (م ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۰ء)
(۵) شیخ حمید بنگالی (م ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء)

۱؎ زبدۃ المقامات میں لکھا ہے کہ اکبر بادشاہ کا بھائی محمد حکیم مرزا والیٔ کابل آپ کا معتقد تھا چنانچہ آپ کو وطن سے کابل بلایا تھا (ص ۔ ۳۲۷) ۹۷۷ھ میں سمرقند میں آپ کی ولادت ہوئی (ص ۔ ۳۲۷)

۲؎ شیخ حمید بنگالی علیہ الرحمہ ابتدار میں حضرت مجدد کے شدید مخالف تھے، آپ سے تعارف تھا لیکن ملنے کے روادار نہ تھے، یہ حالات و واقعات عہد جہاں گیری کی مفتی خواجہ عبدالرحمٰن کابلی کی زبانی سنیے:

شیخ حمید بنگالی لاہور میں تحصیل علم کے بعد وطن جاتے ہوئے جب آگرے پہنچے تو میں نے ان کے علم و فضل کو دیکھ کر کہا کہ جب تک آگرے میں رہیں میرے ہمسایہ میں رہیں تاکہ علمی مسائل پر تبادلہ خیالات ہوتا رہے، ایک روز اثنائے گفتگو میں حضرت مجدد کا ذکر نکل آیا شیخ حمید کو آپ سے نہایت برگشتہ پایا حتیٰ کہ جب دو تین روز بعد حضرت مجدد سرہند سے آگرے تشریف لائے اور میرے قریب ہی ٹھیرے تو شیخ حمید محلہ چھوڑ کر چل دیے اتفاق ایسا ہوا کہ ایک روز شیخ حمید میرے پاس بیٹھے تھے کہ خادم نے اطلاع دی کہ حضرت مجدد باہر کھڑے ہیں، شیخ حمید بہت جز بز ہوئے۔ حضرت مجدد اندر تشریف لائے، مجھ سے کچھ استفسار فرمائے، پھر شیخ حمید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔

"آہا، شیخ حمید یہاں ہیں؟"

پھر پوری توجہ سے ایک دو نظریں ڈالیں اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے بہت روکا نہ رکے مشایعت کے لیے میں چلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ شیخ حمید بھی پیچھے پیچھے آ رہے ہیں وہ حضرت مجدد کی قیام گاہ تک گئے، راستے میں حضرت مجدد نے کوئی توجہ نہ کی، شیخ حمید دروازے پر سر جھکائے کھڑے رہے اور زار و قطار روتے رہے، تھوڑی دیر بعد حضرت مجدد کے اس باطنی تصرف کو دیکھ کر میں آپ کا مرید ہو گیا اور میری ارادت کو دیکھ کر اعیان مملکت میں ایک بدعقیدہ بھی آپ کا مرید ہو گیا۔

(زبدۃ المقامات، ص ۔ ۲۵۴ و ۲۵۵ ملخصاً)

(۶) شیخ محمد طاہر لاہوری (م ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء)
(۷) خواجہ محمد صدیق کشمی (م ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء)
(۸) خواجہ محمد صادق کابلی (م ۱۰۱۸ھ / ۱۶۰۹ء)
(۹) حاجی خضر خاں افغان (م ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۵ء)
(۱۰) شیخ احمد برکی (م ۱۰۲۶ھ / ۱۶۱۷ء)
(۱۱) شیخ یوسف برکی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء)
(۱۲) شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی (م ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء)
(۱۳) شیخ عبدالحی شادمانی (م ۱۰۷۰ھ / ۱۶۶۹ء)
(۱۴) شیخ آدم بنوری (م ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء)
(۱۵) شیخ مزمل (م ۱۰۲۶ھ / ۱۶۱۶ء)
(۱۶) مولانا محمد صالح کولابی (م ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء)
(۱۷) شیخ نور محمد پٹنی
(۱۸) شیخ بدیع الدین سہارنپوری
(۱۹) شیخ طاہر بدخشی
(۲۰) شیخ یار محمد قدیم طالقانی
(۲۱) مولانا عبدالہادی بدایونی
(۲۲) شیخ احمد دیبنی

سلہ صاحب زبدۃ المقامات نے لکھا ہے کہ آپ حضرت مجدد کے تلمیذ رشید تھے لیکن ابتداء میں برہان پور میں محمد بن فضل اللہ علیہ الرحمہ سے تعلیم ذکر حاصل کی تھی اور ایک عرصے بعد خلافت سے بھی نوازے گئے اور آگرے تشریف لائے اس وقت حضرت مجدد یہاں موجود تھے۔ آپ نے سلسلۂ نقشبندیہ کے طریقہ ذکر کی تعلیم دی اور جب خواجہ محمد نعمان کو خلافت دے کر برہان پور بھیجا تو آپ کی تربیت ان کے سپرد کر دی۔

(زبدۃ المقامات، ص - ۳۸۴)

(۲۳) شیخ حسن برکی
(۲۴) خواجہ محمد ہاشم کشمی
(۲۵) شیخ بدر الدین سرہندی
(۲۶) شیخ یوسف سمرقندی
(۲۷) مولانا قاسم علی
(۲۸) مولانا عبد الواحد لاہوری
(۲۹) مولانا امان اللہ لاہوری
(۳۰) شیخ محمد حرمی
(۳۱) شیخ داؤد ساماکی
(۳۲) شیخ سلیم بنوری
(۳۳) شیخ محمد بہاری
(۳۴) شیخ حامد بہاری
(۳۵) صوفی قربان قدیم
(۳۶) مولانا غازی نوگجراتی
(۳۷) صوفی قربان جدید
(۳۸) سید باقر سارنگ پوری
(۳۹) مولانا فرخ حسین
(۴۰) مولانا صغر احمد
(۴۱) مولانا حمید احمدی
(۴۲) حاجی حسین
(۴۳) شیخ عبد الکریم برکی
(۴۴) خواجہ محمد اشرف کابلی
(۴۵) مولانا حاجی محمد خرکتی

(۴۶) مولانا عبد الغفور سمرقندی

(۴۷) حافظ محمود گجراتی

(۴۸) شیخ سلیم خاں

(۴۹) شیخ محب اللہ مانک پوری

(۵۰) شیخ زین العابدین تبریزی

(۵۱) سید عبد العزیز نجومی

(۵۲) شیخ احمد استنبولی

(۵۳) مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
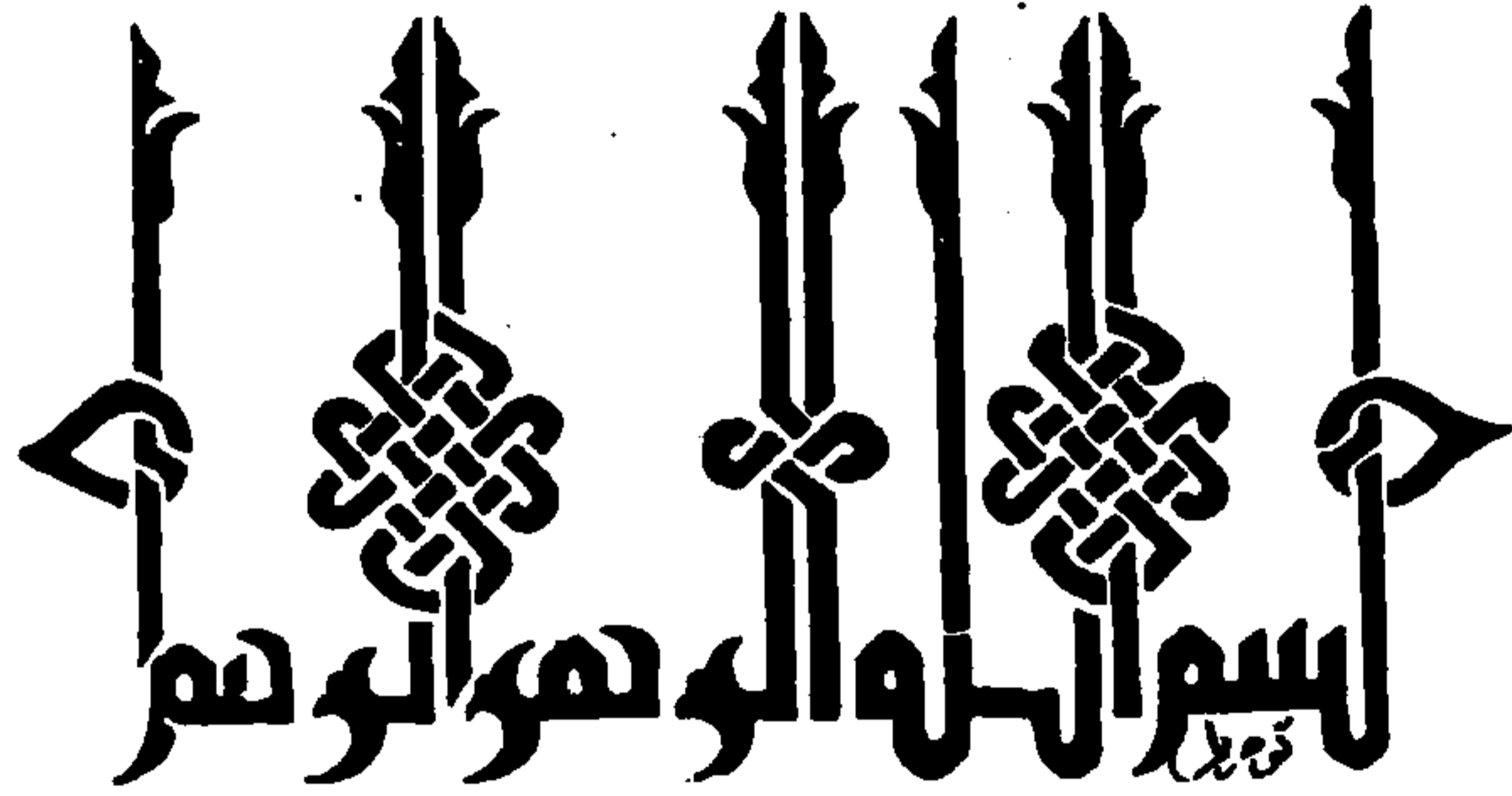
نوٹ:۔ نمبر ۲۰ تا ۵۳ مولوی نسیم احمد فریدی کے مضمون "تذکرۂ خلفائے مجدد الف ثانیؒ" سے اخذ کیے گئے ہیں۔ (تذکرۂ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء، ص۔ ۳۴۹)

رَدّ وقَدح

- اسبابِ مخالفت
- ادوارِ مخالفت
- شیخ تاج الدین سنبھلی
- شیخ عبدالحق محدث دہلوی
- نورالدین جہاں گیر بادشاہ
- دیگر حضرات
- حرفِ آخر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خونے نہ کردہ ایم وکسے را نہ کشتہ ایم
جرمم ہمیں کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

اپنے اور بیگانوں کی مخالفت سے سیرت انسانی کے جوہر کھلتے ہیں، عقیدت و محبت کی فضاؤں میں ہر کوئی رہنا جانتا ہے لیکن بادِ مخالف کی طوفان خیزیوں کا مقابلہ کرنا صرف اور صرف اہلِ عزیمت کا کام ہے۔ اہلِ دنیا اور اہلِ سیاست کو تو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ان کا حال یہ ہے کہ مخالف کی تاک میں لگے رہتے ہیں اور موقع ملتے ہی انتقام لیتے ہیں لیکن حضرات اہل اللہ کی پاک سیرتوں کو انتقام سے بھی پاک کر دیا گیا ہے، ان کے ہاں رحمت ہی رحمت اور شفقت ہی شفقت ہے۔

یہی مقصودِ فطرت ہے۔ یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اپنے اور بیگانوں کی مخالفت کو بڑی پامردی سے برداشت کیا اور کسی منزل پر حلم و تدبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، کہیں معقولیت و شائستگی کے ساتھ جوابات دیئے اور کہیں خاموشی اختیار فرمائی، مخالف سے انتقام لینا تو بڑی بات ہے، اس کو بُرا تک نہ کہا اور خندہ پیشانی کے ساتھ سب کچھ برداشت کیا، وہ پیکرِ قدسی جس نے دشمن جاں جہانگیر بادشاہ اور بدخواہوں کا بُرا نہ چاہا ہو اور اپنے خلیفہ کو قلعہ گوالیار سے یہ ہدایت فرمائی ہو:۔

دوستوں سے کہہ دیں کہ وہ تنگئ دل کو دور کریں اور جو لوگ یا جماعت آزار کے درپے ہے اس سے بُرا سلوک نہ کریں بلکہ ان کے فعل سے لطف اٹھائیں۔[1]

وہ بھلا اس مخالفت کو خاطر میں کیا لاتا ہے

---

[1] مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۲ھ، جلد سوم مکتوب نمبر ۱۵

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ملا اُسے غمِ جاناں بنا دیا

مخالفت معمولی نہ تھی، بات تکفیر و تفسیق تک جا پہنچی تھی جو ایک شیوۂ فرسودۂ علماء ظاہر ہے۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشاعت اسلام کے لیے کیا کچھ نہ کیا، سب کچھ کیا، آپ کے قدم سے رونق اسلام بڑھتی چلی گئی اور وہ حیرت انگیز انقلاب آیا کہ چشم عالم نے نہ دیکھا ہوگا۔ اغیار بھی حیران و ششدر نظر آرہے ہیں ——— لیکن اس کے برعکس بعض سر پھروں نے . . تکفیر مسلم میں وہ کوشش کی کہ باید و شاید، حضرات اہل اللہ کا دامن عزت اس داغ سے داغدار نہیں، ان حضرات کی سوانح دیکھی جائے تو تبلیغ دین کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا، وہ خشیتِ الٰہی سے اتنے مغلوب ہیں کہ جوابدہی اور حضوری کے خیال سے لرزہ براندام ہیں، جن کا حال یہ ہو وہ دوسروں کے بارے میں دلیر و بے باک نہیں ہو سکتے ——— ہمارے ایک محترم دوست نے خوب فرمایا کہ کافر بنایا نہیں جاتا، وہ تو خود بخود بن جاتا ہے جس طرح مسلمان بھی خود بخود بنا کرتا ہے ——— کسی کے کافر کہہ دینے سے کوئی کافر ہو جایا کرتا تو آج ان نفوس قدسیہ کو ملت اسلامیہ نے ٹھکرا دیا ہوتا، جن کو ان کے معاصر علماء ظاہر نے کافر کہا تھا لیکن نہیں ایسا نہیں ہوا۔

داستانِ تکفیر بڑی طویل ہے نہ پوچھئے کس کس کو کافر بنایا گیا ؎

یارب چہ بلائے است کہ در مذہب خوباں
دشنام حلال است و شکر خند حرام است

لیکن ہاں چند شہدائے تیغ تکفیر کے نام سنیئے تاکہ معلوم ہو کہ اس مقتل میں کیسے کیسے جلیل القدر حضرات بسمل پڑے ہیں۔ سنیئے اور ماتم کیجئے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام محمد، حضرت امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت سہیل بن عبداللہ تستری، حضرت ابا سعید الخراز، حضرت حسین بن منصور الحلاج، حضرت جنید بغدادی شیخ ابن دانیال، شیخ ابامدین، شیخ ابوالحسن شاذلی، شیخ عزیز الدین، شیخ تاج الدین سبکی، شیخ محی الدین ابن عربی سرمد شہید علیہم الرحمۃ ——— کس کس کا نام گنائیے؟

انہیں جلیل القدر ہستیوں میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا نام نامی اسم گرامی بھی نظر

آتا ہے ــــــ علمائے حجاز سے کفر کے فتوے لگوائے گئے، ایک دو نہیں اکٹھے ۲، ۱ ــــــ سیلاب مخالفت کچھ اتنا شدید تھا کہ اس کا زور تقریباً ایک صدی تک قائم رہا ــــــ عمل جتنا شدید ہوتا ہے۔ ردِ عمل بھی اتنا ہی شدید ہوتا ہے، ردِ عمل کے بادل جب چھٹ جاتے ہیں تو پھر عمل کے حسن و قبح کا اندازہ ہوتا ہے اور حقائق آشکار ہو جاتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے پیغام اور اصلاحی کارناموں کو مخالفتوں نے اور چمکا دیا، اگر مخالفت نہ ہوتی تو شاید حضرت مجدد کی صحیح عظمت کا اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا۔

اسبابِ مخالفت :

مخالفت کا ہمیشہ ایک ہی محرک نہیں ہوتا بلکہ جتنی ہمہ گیر شخصیت ہوتی ہے اتنے ہی محرکات زیادہ ہوتے ہیں، ان محرکات کے پیشِ نظر حضرت مجدد کے مخالفین کو مندرجہ ذیل چار طبقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

① معاندین ــــــ عقلیت پرست، دو قومی نظریے کے مخالف، شیعہ حضرات اور کفار و مشرکین ہند۔

② معترضین ــــــ تصور وحدۃ الوجود کے قائلین و مؤیدین، قائلین سماع بامزامیر۔

③ حاسدین ــــــ بدعتی جہلاء، دوسرے سلاسل کے تنگ نظر منتسبین۔

④ مخلصین ــــــ شیخ تاج الدین سنبھلی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور خواجہ باقی باللہ کے دوسرے مریدین و متوسلین نیز بعض معاصرین علماء۔

مندرجہ بالا طبقات چہارگانہ میں ابتدائی تین طبقات میں کون کون سے حضرات آتے ہیں، یہ تشخص ہمارے لیے ذرا مشکل ہے، دلوں کا حال خدا ہی جاننے والا ہے۔ جب تک دل کا حال معلوم نہ ہو محض قرائن سے کسی شخص کے متعلق ایسا حکم لگانا مناسب نہیں، اس لیے ہم یہاں مخالفین کی تفصیل پر اکتفا کرتے ہیں۔ تعیین و تشخص قارئین کرام کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں ــ البتہ تاریخی حیثیت سے جو ثابت ہیں ان کا

ذکر کر لیا جائے گا۔

آئیے پہلے ہم حضرت مجدد کی مخالفت کے اسباب و علل کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں تاکہ طبقات چہارگانہ کی مخالفت کے اصل محرکات کا علم ہو جائے۔

(۱) ایامِ جوانی میں قیامِ اکبر آباد کے زمانے میں (۹۹۰ھ تا ۱۰۰۰ھ) ابوالفضل اور فیضی سے حضرت مجدد کی ملاقاتیں رہی ہیں، بعض ملاقاتوں میں تلخی اور شکر رنجی کی صورت بھی پیش آئی ہے جس کا ذکر صاحب زبدۃ المقامات مولانا محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ (م ۱۰۵۴ھ) نے کیا ہے[1] ــــ ان دونوں بھائیوں کا کردار ابتداء میں اچھا رہا لیکن آخر میں مذہبی نقطۂ نظر سے بد سے بدتر ہوتا گیا غالباً انہیں دو بھائیوں اور ان کے ہمنواؤں کی بے راہ روی کی مزاحمت کے لیے حضرت مجدد نے پہلے اثباتِ نبوت و رسالت میں ایک رسالہ اثباۃ النبوۃ لکھا اور اس کے بعد فلاسفہ کے رد میں دوسرا رسالہ تحریر فرمایا جو اب ناپید ہو چکا ہے۔

حضرت مجدد نے اہل زمانہ کی فکری کج روی اور عقلیت پرستوں کی گمراہیوں اور تباہ کاریوں کا اثباۃ النبوۃ میں اس طرح ذکر فرمایا ہے:۔

> اور میں نے یہ جان لیا کہ شک اور انکار کا مرض وسیع ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ علاج کرنے والے بھی مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں اور مخلوق ہلاکت کے قریب ہو گئی ہے نیز میں نے لوگوں کے افرادِ عقیدے کی تلاش کی اور ان سے ان کے شبہات دریافت کیے اور ان کے رازہائے دروں اور عقائد کی کرید کی تو ان کے فتورِ اعتقاد اور ضعفِ ایمان کا کوئی سبب عہدِ نبوت کی دوری، علم فلسفہ کی مشغولیت اور حکمائے ہند کی کتابوں کے سوا کوئی نہ پایا۔ اور میں نے بعض لوگوں سے مناظرہ کیا جنہوں نے علم فلسفہ پڑھا تھا اور کافروں کی کتابوں سے بہرہ یاب ہو کر فضل و فضیلت کے مدعی ہو گئے تھے اور لوگوں کو گمراہ کیا اور اصل نبوت کے تحقق اور ایک خاص شخص کے لیے اس کے نبوت میں خود بھی گمراہ ہوئے اور یہاں تک کہنے لگے کہ نبوت کا حاصل حکمت اور مصلحت ہے[2]

---

[1] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص ۱۳۲

[2] حضرت مجدد: اثباۃ النبوۃ، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۳ھ م / ۱۹۶۳ء، ص ۱۰

ہمارے خیال میں عقلیت پرستوں سے حضرت مجدد کا یہ ابتدائی تصادم تھا جس کو آپ نے بڑی حکمت و دانائی سے سر کیا، ظاہر ہے فلاسفہ کے رد میں حضرت مجدد کے رسالے نے عقلیت پرستوں کو چراغ پا کر دیا ہو گا جب کہ ان کی بیباکی کا یہ حال تھا کہ بھری مجلس میں حضرت مجدد کے سامنے ابوالفضل نے حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کے لیے کہا:۔

"غزالی نامعقول گفت" [1]

(۲) اکبر بادشاہ کے دور حکومت میں شیعہ حضرات کا بڑا اثر و نفوذ تھا، حضرت مجدد کا تعلق چونکہ مذہب اہل سنت و جماعت سے تھا اس لیے اس اثر و نفوذ کو اہل سنت کے لیے مہلک سمجھتے تھے اور شیعہ حضرات اہل سنت کے اثر و نفوذ کو اپنے لیے مہلک سمجھتے ہوں گے اس لیے وہ اندرون خانہ اپنی بقا کے لیے جد و جہد کر رہے ہوں گے ـــــ حضرت مجدد نے مکتوبات شریف میں شیعہ حضرات کے افکار و خیالات کا تجزیہ کیا ہے اور غالباً اکبر آباد کے زمانہ قیام میں ۱۰۰۱ھ کے لگ بھگ والیٔ ماوراء النہر عبداللہ ازبک کے ایک استفتاء کے جواب میں اپنا مشہور رسالہ رد شیعہ تحریر فرمایا جو عبداللہ ازبک نے شاہ ایران عباس صفوی کو بھیجا لیکن جب وہ راہ راست پر نہ آیا تو عبداللہ نے حملہ کر دیا اور اس کو شکست دی، اس طرح شیعہ حضرات کو بہت صدمہ پہنچا، ظاہر ہے ایسے حالات میں ان کا حضرت مجدد کا دشمن جاں ہو جانا ایک فطری امر تھا۔

رضا قلی خاں ہدایت نے اپنی تاریخ روضۃ الصفا میں ان واقعات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"عبداللہ ازبک نے ۹۹۵ھ کے لگ بھگ لشکر عظیم کے ساتھ ہرات پر حملہ کیا اور امیر ہرات علی قلی خاں کو قتل کر کے ہرات پر قبضہ کر لیا، بے شمار قزلباشوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا، تسخیر ہرات کے بعد وہ مشہد مقدس کی طرف بڑھا، حملے سے پہلے علماء ماوراء النہر کا ایک مکتوب (یا فتوے) بطور اتمام حجت علمائے مشہد کو بھیجا گیا۔" [2]

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۳۲،

[2] صفحہ ۲۳۸ تا ۲۴۴ یہ مکتوب نقل کیا گیا ہے۔

اس مکتوب کا جواب مولانا محمد منک استمدادی نے دیا[1] ـــــ شاہ عباس صفوی نے (جو اٹھارہ سال کی عمر میں ۹۹۵ھ میں تخت نشین ہوا) کو جب محاصرۂ مشہد کا علم ہوا تو وہ اس طرف بڑھا عبداللہ خاں کو جب بادشاہ کی پیش قدمی کا حال معلوم ہوا تو وہ سرخس کی طرف چلا گیا اور اس طرح ہرات سے غوریان تک عبداللہ خاں کے زیر نگیں رہا اور مشہد سے غوریان تک قزلباشوں کے قبضے میں رہا۔[2]

علماء ماوراء النہر کے مکتوب کے جواب میں مولانا محمد منک استمدادی نے جو جواب لکھا تھا وہ حضرت مجدد کی نظر سے بھی گزرا کیونکہ شیعہ حضرات نے اس کی خوب تشہیر کی حضرت مجدد نے اپنے رسالے رد شیعہ میں جو درحقیقت اسی جواب کا جواب الجواب ہے تحریر فرمایا ہے :

انہیں ایام میں میرے ہاتھ ایک رسالہ لگا جو شیعوں نے بوقت محاصرۂ مشہد علماء ماوراء النہر کے نام لکھا تھا اور یہ دراصل اس رسالے کا جواب تھا جو علماء موصوفین نے اس سے پہلے تحریر کیا تھا جس میں انہوں نے شیعہ کو کافر ٹھہرا کر ان کے قتل اور ان کے مال لوٹ لینا مسلمانوں کے لیے جائز قرار دیا تھا۔

اس رسالہ شیعہ میں محض بیوقوفوں کو چکر دینے کے لیے چند لچر مقدمات قائم کیے ہیں پھر پورے رسالے کی کل کائنات یہ ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کو کافر ٹھہرایا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ پر زبان ذم و تشنیع کھولی ہے چنانچہ ادھر بعض شیعہ طلبا ان پوچ مقدمات پر فخر و مباہات کرتے اور امراء و سلاطین کی مجلسوں میں ان مغالطوں کو شہرت دیتے تھے گو میں عام مجلسوں میں اور مختلف بحثوں میں عقلی اور نقلی مقدمات کی مدد سے زبانی ان تمام لغویات کی تردید کرتا اور سب کو ان کج فہموں کی صاف اور کھلی غلطیوں پر آگاہ کرتا مگر حمیت اسلام کا پاس کرتے ہوئے تردید و الزام کی صرف اس قدر کوشش ناکافی نظر آتی تھی اور بے کینہ سینوں کی بے چینی کے لیے یہ تسلی و تشفی کا کافی سرمایہ بہم نہ پہنچا سکتی تھی ـــــ چنانچہ میں نے تحریر کا سلسلہ چھیڑا اور اس

---

[1] صفحہ ۲۴۲ تا ۲۵۱ یہ جواب نقل کیا گیا ہے۔

[2] رضا قلی خاں ہدایت : تاریخ روضۃ الصفا ناصری، مطبوعہ ایران ۱۳۳۹ھ، جلد ہشتم

اہم کام میں اللہ ہی سے مدد کا خواستگار ہوں [1]

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ حضرات اہل سنت و جماعت کے خلاف شاہی مجالس اور عالم محفلوں میں محاذ آراء تھے اس لیے حضرت مجدد نے مذہبی اور دینی حمیت کے تحت شائستگی اور معقولیت کے ساتھ اس محاذ آرائی کا مقابلہ کیا اور جس طرح تقریر و تحریر سے شیعوں نے اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کی اسی طرح تحریر و تقریر کے ذریعہ اہل سنت و جماعت کے افکار و خیالات کی تشہیر کو مناسب سمجھا گیا۔

بہرکیف حضرت مجدد کے خلاف ابتدائی محاذ آرائیوں میں عقلیت پرست اور شیعہ حضرات پیش پیش تھے۔

(۴) حضرت مجدد ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ (م۔ ۱۰۱۲ھ) سے بیعت ہوئے اور چھ ماہ کی قلیل مدت میں وہ مدارج عالیہ نصیب ہوئے کہ باید و شاید۔ حضرت مجدد، حضرت خواجہ کے منظور نظر تھے۔ حضرت خواجہ نے حضرت مجدد کی بیعت سے قبل اور اس کے بعد کے واقعات کا جو ذکر فرمایا ہے [2] اس سے حضرت خواجہ کی نظر میں حضرت مجدد کے مقام و مرتبہ کا پتہ چلتا ہے، ایک مبتدی کا اس طرح نوازا جانا حضرت خواجہ کے خلفاء اور مریدین کے لیے یقیناً قابل غبطہ ہوگا چنانچہ بعض ایسے واقعات سامنے آتے ہیں جن سے ہمارے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے [3]

---

[1] مجدد الف ثانی بکوائف شیعہ مطبوعہ رام پور ۱۹۶۵ء، ص ۵۔ ۷

[2] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص ۱۴۱

[3] خواجہ حسام الدین کے نام ایک مکتوب (جلد اول مکتوب نمبر ۲۴) سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض پیر بھائی حضرت مجدد سے برگشتہ تھے پھر انہوں نے رجوع کیا اور خواجہ حسام الدین سے سفارش کرائی، حضرت مجدد نے معاف فرمادیا اور تنبیہاً یہ تحریر فرمایا:۔

"تمایاراں را نصیحت فرمایند کہ در حضور و غیبت در مقام آزار نباشند"

اس مکتوب سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ شیخ اللہ داد حضرت مجدد سے (بقیہ صفحہ ۲۸۴)

④ حضرت مجدد نے مکتوبات شریف میں بعض ایسی باتیں تحریر فرمائی ہیں جن سے بادیہ النظر میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ سے استفاضۂ روحانی سے انکار ہے ۔ مثلاً یہ کہنا کہ :۔ "میں خدا کا مرید ہوں اور خدا کی مراد ہوں ، میرا سلسلۂ طریقت براہِ راست خدا سے ملتا ہے"[1]

اس جملے سے بظاہر نہ صرف حضرت خواجہ باقی باللہ بلکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے وساطت و وسیلے کی بھی نفی ہوتی ہے ۔ لیکن حقیقت حال اس کے خلاف ہے حضرت مجدد نے اکثر مقامات پر حضرت خواجہ باقی باللہ کے احسانات اور انعامات کا ذکر کیا ہے[2] اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وساطت و وسیلے اور کمال عشق و محبت کا اظہار فرمایا ہے[3] اور یہاں تک تحریر فرمایا ہے :۔

> اے خدا مجھے تجھ سے اس لیے محبت ہے کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب ہے ۔

غالباً اسی قسم کی اشتباہ اور اشکال میں ڈالنے والی تحریروں سے خواجہ باقی باللہ کے خلفاء و مریدین حضرت مجدد سے بدگماں ہو گئے چنانچہ خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی (م ۱۰۵۰ھ) اور دوسرے مریدین ابتداء میں حضرت مجدد سے ناراض ہو گئے تھے لیکن جب ان کو حضرت مجدد کی کیفیات قلبیہ اور حضرت خواجہ سے ان کی محویت کاملہ کا حال معلوم ہوا تو صلح و صفائی ہو گئی اور

بقیہ حاشیہ ص۲۸۲ کبیدہ خاطر تھے ۔ موصوف نے بعد میں رجوع کر لیا اور خواجہ حسام الدین کو شفیع بنایا ۔ اس پر حضرت مجدد نے تحریر فرمایا :۔

"استشفاع فرع ندامت است بہر تقدیر فقیر از جانب خود در مقام گزشت است"۔ مسعود

[1] حضرت مجدد : مکتوبات شریف ، جلد سوم ، مکتوب نمبر ۸۷

[2] (ا) محمد ہاشم کشمی : زبدۃ المقامات ، ص ۱۲۵ ، ۱۴۵

(ب) حضرت مجدد : مکتوبات شریف ، جلد اوّل ، مکتوب نمبر ۲۴۴

[3] حضرت مجدد : مکتوبات شریف ، جلد سوم ، مکتوب نمبر ۱۲۱

سب نے معذرت کی۔[1]

(۵) مشائخ طریقت کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ان حضرات کے جہاں ہزاروں معتقد ہوتے ہیں وہاں ایک دو باغی بھی ہو جایا کرتے ہیں، بغاوت ان کی شقاوت قلبی کا پتہ دیتی ہے۔ حضرت مجدد کا ایک مرید حسن خاں افغانی نہ معلوم کیوں باغی ہو گیا اور بہت سے مکاتیب چرا کر لے گیا، اس کی بہت سی نقلیں تیار کیں اور وہ بھی محرّف اور اس طرح اچھے اچھوں کو حضرت مجدد سے بدگمان کر دیا حضرت مجدد اور شیخ عبدالحق دہلوی کے درمیان جو رنجش کی صورت پیدا ہوئی اس میں بھی اس کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔[2]

(۶) حضرت مجدد کے مکتوبات شریف چونکہ علم باطن سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے علماء ظاہر کے لیے ان میں بہت سے اشکالات ہیں۔ حضرت مجدد کے پوتے شیخ محمد فرخ علیہ الرحمۃ (م ۱۱۲۲ھ) نے اپنی تالیف کشف الغطاء عن اذہان الاغبیاء میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ان اشکالات کا پیدا ہونا کوئی نئی بات نہیں، بے شمار مشائخ طریقت کی تحریروں میں ایسے اشکالات موجود ہیں چنانچہ آپ نے متعدد مشائخ کرام اور ان کی اس قسم کی تحریروں کا حوالہ دیا ہے۔[3]

بات یہ ہے کہ علم تصوف ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق احوال قلبیہ اور کیفیات روحانیہ سے ہے۔ جس طرح صرف انگریزی زبان سے واقف شخص طبیعات و حیاتیات وغیرہ سائنس کے مختلف علوم و فنون پر انگریزی کتابیں مطالعہ کرنے سے قاصر ہے اسی طرح فارسی و عربی جاننے والا، تصوف کے اسرار و معارف سمجھنے سے قاصر ہے پھر ان اسرار و معارف پر تنقید کرنا تو تقریباً ناممکن ہے۔ تنقید کا صرف اس کو حق ہے جو ان احوال سے گزرا ہو چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ نے مکتوبات شریف کی صرف ان باتوں پر اعتراض فرمایا ہے جو ان کے فکر و شعور سے قریب تر تھیں اور

---

[1] ابوالبیان محمد داؤد پسروری: سیرت امام ربانی، مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء، ص ۹۲، ۹۳

[2] محمد امین بدخشی: مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ، مخطوطہ لندن، ورق ۱۷۴

[3] محمد فرخ: کشف الغطاء عن اذہان الاغبیاء، قلمی ۱۲۴۹ھ، ص ۱ تا ۲۴

ایسی باتیں جن کا تعلق احوال قلبیہ سے تھا ان کے متعلق صاف صاف تحریر فرمایا کہ ایسی باتوں کی تصدیق یا تکذیب کے لیے میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔

بہرکیف مکتوبات شریف کے ابہام و اشکال نے بہت سوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا اور انہوں نے آپ کے عارفانہ کلام کو ظاہر پر محمول کر کے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اعتراضات کیے اور حکم لگائے [1]

⑦ حضرت مجدد کے پیغام کی تشہیر یوں تو آپ کے ان مکتوبات سے ہو رہی تھی جو آپ نہ صرف پاک و ہند بلکہ بیرونی ممالک مثلاً افغانستان اور روس کے احباب کے نام تحریر فرما رہے تھے لیکن باقاعدہ اشاعت کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب آپ کے مکتوبات شریف کو تین جلدوں میں مدوّن کر دیا گیا اور اس کی متعدد نقول مختلف علاقوں میں بھیجی گئیں ـــــــ یہ جلدیں مندرجہ ذیل سنین میں مدوّن کی گئیں :۔

(ا) جلد اوّل ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء

(ب) جلد دوم ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۸ء

(ج) جلد سوم ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء

پہلی دو جلدوں کی اشاعت کے بعد ہی حالات دگرگوں ہو گئے جس کی تفصیل یہ ہے :۔

(ا) حضرت مجدد نے جب روحانی تجربات و مشاہدات کی بنا پر تصور وحدۃ الشہود سے متعارف کرایا تو وہ حضرات جو تصور وحدۃ الوجود سے متاثر تھے اور اسی کو معراج روحانی تصور فرماتے تھے ان کا ناراض ہونا فطری امر تھا لیکن حضرت مجدد نے اس تصور سے انکار نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے تو اسی تصور کے سہارے آگے قدم بڑھایا ہے پھر اس سے کیسے منکر یا اس پر کیونکر

---

[1] حضرت مجدد نے مخدوم زادگان کی رنجش خاطر، احباب کی مخالفت، اور بدخواہوں کی فتنہ انگیزیوں کا مندرجہ ذیل مکاتیب میں ذکر فرمایا ہے :۔

(ا) جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۳، ۲۶۰، ۲۹۱ (ب) جلد دوم، مکتوب نمبر ۲۶

(ج) جلد سوم، مکتوب نمبر ۵۶، ۱۲۱ مسعود

معترض ہو سکتے ہیں؟[1] آپ نے اپنے ذاتی مشاہدات اور مکاشفات کی روشنی میں یہ فرمایا کہ اس سے بلند تر مقام ایک اور ہے لیکن جو وحدۃ الوجود کو منتہا خیال فرماتے تھے انہوں نے حضرت مجدد کے ان مشاہدات و مکاشفات کو رد کر دیا اور آپ کے مخالف ہو گئے۔

(ب) بعض اہل طریقت، شریعت کو طریقت سے علیحدہ سمجھتے تھے جس طرح آج کل بعض اہل سیاست سیاست کو شریعت سے علیحدہ سمجھتے ہیں۔ غالباً یہ تفریق مسیحی اثرات کے تحت پیدا ہوئی۔ بہرکیف حضرت مجدد نے پوری قوت اور شدت کے ساتھ اس خیال کی تردید فرمائی اور یہ واضح فرمایا کہ طریقت عین شریعت ہے اور ان دونوں میں بال برابر فرق نہیں[2]۔ ظاہر ہے حضرت مجدد کے اس طرز عمل اور اس تحریک سے وہ اہل طریقت چراغ پا ہو گئے ہوں گے اور ایسی صورت میں محاذ آرائی کا پیدا ہو جانا بدیہی ہے۔ بعض اہل طریقت کے متعلق حضرت مجدد نے تحریر فرمایا ہے کہ ان کے آگے سجدے کیے جاتے تھے۔ (معاذ اللہ)

(ج) حضرت مجدد نے ان بدعات کی بھی سختی سے مخالفت فرمائی جو مسلم معاشرے میں رچ بس گئی تھیں، ان میں بہت سی مشرکانہ اور کافرانہ تھیں، بعض بدعات و رسوم اتنی شرمناک تھیں جن کا یہاں ذکر کرنا بھی شائستگی کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مجدد کے خلیفہ شیخ آدم بنوری علیہ الرحمہ (م ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء) اپنی تالیف خلاصۃ المعارف میں ان بدعات کا ذکر فرمایا ہے[3] وہیں سے بعض تفصیلات ہم نے مناسب مقام پر تحریر کر دی ہیں ــــــ ظاہر ہے حضرت مجدد کی مخالفت و مزاحمت سے پاک و ہند کے بدعتی جہلاء حضرت مجدد کے دشمن

---

[1] خواجہ محمد ہاشم کشمی نے مفتی عبدالرحمن کابلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ حمید بنگالی مسئلہ توحید وجودی کی بنا پر مشائخ سے متنفر تھے۔ حضرت مجدد نے ایک نظر ڈالی تو ان پر نسبت توحید وجودی مستول ہو گئی اور وہ حضرت کے مرید و خلیفہ ہو گئے یہ کرامت دیکھ کر مفتی صاحب اور ایران و مملکت میں ایک بدعقیدہ حضرت مجدد کے مرید ہو گئے۔ (زبدۃ المقامات، ص۔ ۵-۲۵۴)

[2] حضرت مجدد: مکتوبات شریف، جلد اول۔ مکتوبات نمبر ۸۴

[3] آدم بنوری: خلاصۃ المعارف فی اسرار القائم، (مخطوطہ لندن)، ورق ۳۱، ۳۲، ۳۶

ہو گئے ہوں گے لیکن جن کو خدا نے توفیق دی وہ راہ راست پر آ گئے۔

(د) مزامیر کے ساتھ سماع سلسلۂ چشتیہ میں شائع و ذائع ہے۔ علماء کرام نے اس کی مخالفت اور موافقت میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن بغیر مزامیر سماع پر علماء و فقہاء سب متفق نظر آتے ہیں۔ اس اتفاق کے باوجود سماع کو بعض شرائط سے مشروط کر دیا گیا ہے چنانچہ حضرت علی ہجویری علیہ الرحمہ (م ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء) نے کشف المحجوب میں[1] اور حضرت فخر الدین زرادی علیہ الرحمہ نے کشف القناع میں ان شرائط کا ذکر فرمایا ہے[2] ــــــ حضرت مجدد نے مزامیر کے ساتھ سماع کی سختی سے تردید کی ہے ظاہر ہے کہ یہ بات عوام الناس اور ان خواص کو بھی گراں گزری ہوگی جو اس طریقے پر عامل تھے اور اس کو روحانی ترقیات کے لیے ممد و معاون سمجھتے تھے بلکہ بعض کے نزدیک تو اس نے عبادت کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔

(۸) اکبر بادشاہ اور پھر جہانگیر بادشاہ کی حکومت ایک قومی نظریے کی بنیاد پر قائم تھی بلکہ اکبر بادشاہ نے تو اس سلسلے میں پوری پوری کوشش کی جو کامیاب نہ ہو سکی حضرت مجدد نے پوری قوت سے اس سیاسی نظریے کی مخالفت فرمائی اور دو قومی نظریے کی حفاظت میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر سامنے آئے، اعیان مملکت کو ہموار کیا، ان پر اخلاقی دباؤ ڈالا، مکتوبات کے ذریعہ عوام و خواص میں اس کی تشہیر فرمائی۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی وہ تمام رعایا آپ کی مخالف ہوگی جو ایک قومی نظریے کی حامی تھی۔ جہانگیر کی مخالفت کا بھی حقیقی سبب یہی معلوم ہوتا ہے گو اس نے تزک جہانگیری میں دوسرا سبب بتایا ہے۔

---

[1] علی ہجویری؛ کشف المحجوب، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء، ص ۲۶۶

[2] فخر الدین زرادی؛ کشف القناع عن اصول السماع (مترجمہ مفتی غلام معین الدین نعیمی) مطبوعہ لاہور ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء، ص ۱۷

نوٹ:۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی ایک مکتوب (بنام محمد سالار) میں سماع اور حرمت و حلت مزامیر پر فاضلانہ بحث کی ہے۔ (مسئلۂ السماع مطبوعہ لاہور ۱۳۸۵ھ) اور اس موضوع پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے۔ مسعود

حضرت مجدد کی کوشش یہ تھی کہ اکبر کے ایک قومی نظریے کا قلع قمع کر کے دو قومی نظریے پر حکومت کی بنیاد رکھی جائے اور وہ بنیاد اسلام مہیا کرتا ہے گویا حضرت مجدد کی تمام تر مساعی ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے لیے تھیں جس کا اظہار آپ نے مکتوبات میں کیا ہے۔ حضرت مجدد کے اس ارادے کو مخالف قوتوں نے بھانپ لیا تھا چناں چہ رد عمل کا ہونا بدیہی تھا جس کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) پہلا رد عمل کفار و مشرکین ہند کی طرف سے ہوا ہو گا مگر ان کا رد عمل مسلمانوں کی طرح واضح نہیں ہوتا، مخفی اور بہت مخفی ہوا کرتا ہے۔ حکومت میں ان کا بڑا اثر و نفوذ تھا بلکہ حرم شاہی میں ان کی عورتیں موجود تھیں، محرم راز تھیں اس لیے ان سے جو بن پڑا ہو گا کیا ہو گا چنانچہ حکم شاہی سے ایک ہندو کے ہاتھوں حضرت مجدد کی گرفتاری محض سوءِ اتفاق نہیں کہا جا سکتا ممکن ہے کہ ان دل جلوں کی خوشنودی بھی مقصود ہو۔

(ب) اسلامی حکومت کا نفاذ عیش پرست اہل دنیا کے لیے موت ہے اس لیے یہ لوگ بھی میدان میں آ گئے ہوں گے کہ کہیں نفاذ حکومتِ اسلامی سے ان کی عیش سامانیاں خاک میں نہ مل جائیں، اسی طرح اعیان مملکت اور بادشاہ وزراء بھی خوف زدہ ہوں گے لیکن جن اعیان مملکت کو خدا نے توفیق دی تھی وہ حضرت مجدد کے تبلیغ و ارشاد سے متاثر ہو کر حکومت اسلامی کے قیام کے لیے کوشاں تھے ــــــ بہر کیف اسلامی حکومت کے خوف سے اس عہد کے عیش کوش اور عیش پسند لوگ حضرت مجدد کے مخالف ہوں گے، اس کے لیے دلائل و شواہد کی حاجت نہیں۔ دورِ جدید کے عیش پسند اسلامی نظام حکومت کے کیسے مخالف ہیں؟ اسی مشاہدے پر اُس عہد کی مخالفت کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۹) حضرت مجدد کا سلسلۂ ارادت و بیعت خود ان کی زندگی میں دور و نزدیک پھیل چکا تھا ہند و بیرون ہند ہر طرف سے لوگ اُمڈے چلے آ رہے تھے اور فیض کے دریا بہہ رہے تھے ممکن ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی یہ ہمہ گیر اشاعت و مقبولیت دوسرے سلاسل کے بعض منتسبین کے لیے بار خاطر بنی ہو اور مخالفت میں انہوں نے بھی ہاتھ بٹایا ہو، صوفیہ اور ان کے مریدین کی حریفانہ کشمکش کوئی نئی بات نہیں، آج بھی بعض خانقاہوں میں اس کشمکش کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ اپنے پیر بھائی بھی اس مقبولیت سے متاثر ہو کر کچھ روٹھ سے گئے تھے۔
جب اپنوں کا یہ حال تھا تو پھر غیروں کا کیا حال ہوگا۔

(۱۰) حضرت مجدد نے مکتوبات شریف میں بعض ایسے روحانی کمالات کا ذکر فرمایا ہے جن کے سامنے سابقین کے کمالات ماند پڑ جاتے ہیں، یہ بات عوام و خواص دونوں کو گراں گزری، ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ ہر گزر جانے والا بعد میں آنے والے سے بہتر ہے حالاں کہ خود حدیث شریف میں ہے کہ "میری امت کا حال بارش سا ہے نہیں معلوم اس کا اگلا حصہ بہتر ہے یا پچھلا" ؎[1]

اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کمالات روحانی صرف سابقین کا حصہ نہیں بلکہ امت محمدیہ میں خداوند تعالیٰ جس کو چاہے گا نوازے گا، اس میں جذباتیت یا ناراضگی کی کوئی بات نہیں، مولیٰ کا اپنا ایک اصول ہے۔ بندے کو مجال دم زدن نہیں۔

حضرت مجدد کی اس قسم کی تحریروں سے جن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور روحانی کمالات کا ذکر فرمایا ہے ان حضرات کو دکھ پہنچا جنہوں نے بعض سابقین شیوخ سے اس قدر عقیدت قائم کرلی ہے کہ ان کے بارے سوائے کلمات عقیدت کے کچھ سننے کے لیے تیار نہیں حتیٰ کہ کوئی ایسی بات بھی سننے کے لیے تیار نہیں جس سے ان کے مقابلے میں کسی دوسرے کی برتری ثابت ہوتی ہو وہ ہر بات کو محض عقیدت کی بنا پر رد کرتے ہیں حالاں کہ ردّ و قبول کا یہ معیار زیادہ معقول نہیں۔

حضرت مجدد عارف باللہ اور فنافی اللہ تھے ان سے اظہار عقیدت کی توقع رکھنا مناسب نہیں، روحانی فضیلت کا حال خدا کو معلوم ہے، اس کے لیے لڑنا جھگڑنا مناسب نہیں انبیاء میں بھی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے لیکن فضل و کمال کی ترتیب صرف علم الٰہی میں ہے یا جو بات نص سے ثابت ہو چکی۔ اگر کوئی پاک باز و راست گفتا مرد کامل اپنی روحانی ترقیوں کی اطلاع دیتا ہے تو ہم کس بنیاد پر اس کو رد کر سکتے ہیں؟ لیکن بعض حضرات نے حضرت مجدد کے کمالات روحانی کو نظر انداز کیا اور خواہ مخواہ آپ کے مخالف ہو گئے۔

؎[1] ترمذی شریف، بحوالہ حضرت مجدد الف ثانی مؤلفہ سید زوار حسین شاہ مطبوعہ کراچی، ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء، ص۔ ۳۵۹

یہ تھے وہ اسباب و علل جنہوں نے حضرت مجدد کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا، اور مخالفت کا سلسلہ اب تک جاری ہے، ابھی چند روز ہوئے پشاور سے ایک عزیز نے اطلاع دی کہ وہاں کسی بزرگ نے حضرت مجدد کے خلاف کچھ لکھا تھا اور اس کو شائع کرانا چاہتے تھے مگر احباب کے منع کرنے پر باز رہے۔ بہر کیف مخالفین اپنی سی کوشش کرتے رہتے ہیں مگر چاند پہ خاک کس نے ڈالی ہے؟

ادوارِ مخالفت:

حضرت مجدد کی مخالفت کو کئی ادوار پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، سرسری تقسیم یوں کی جا سکتی ہے:۔

① ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء تا ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء (قیام اکبر آباد سے خواجہ باقی باللہ کی بیعت تک۔)

② ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء تا ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء (خواجہ باقی باللہ سے بیعت کے بعد سے ان کی وفات تک)

③ ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۴ء تا ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۸ء (خواجہ باقی باللہ کی وفات سے قلعہ گوالیار میں نظر بندی تک)

④ ۱۰۲۹ھ / ۱۶۱۹ء تا ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء (قلعہ گوالیار سے رہائی کے بعد سے وفات تک[1]

⑤ ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۵ء تا ۱۰۹۶ھ / (حضرت مجدد کی وفات سے صاحبزادگان کی وفات تک)

⑥ ۱۰۹۷ھ / ۱۶۸۵ء تا ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء (صاحبزادگان کی وفات سے نبیرگان کی وفات تک)

⑦ بارہویں صدی ہجری

⑧ تیرہویں صدی ہجری

⑨ چودہویں صدی ہجری

گیارہویں صدی ہجری میں مخالفت شباب پر تھی، اس عہد کی ایسی تحریریں جن سے اس مخالفت

---

[1] خواجہ بدر الدین سرہندی نے حضرت القدس میں (مطبوعہ لاہور ۱۳۴۱ھ، ص ۸۷ تا ۱۱۵) باقی حاشیہ ص ۳۱۲

کا حال معلوم ہو سکے اب تقریباً نایاب ہیں لیکن راقم نے بعض تحریروں کا پتہ لگایا ہے اس لیے اہمیت کے پیش نظر گیارہویں صدی ہجری کے حالات پیش کریں گے، بعد کی صدیوں میں جو کچھ مواد ہے وہ ان شاء اللہ حضرت مجدد کی مبسوط سوانح میں پیش کیا جائے گا۔

یکم ذیقعدہ ۱۰۰۹ھ/۱۶۰۰ء کے حالات کے ذیل میں خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں:۔

> ایک روز میاں شیخ احمد سرہندی کو جو آپ کے برگزیدہ خلفاء میں سے ہیں سرہند رخصت فرما رہے تھے، آپ کو مخاطب کرکے انخفائے نسبت کے بارے میں کچھ فرمایا، آپ نے فرمایا کہ نماز فجر کے بعد اشراق تک مصلے پر بیٹھیں لیکن حلقہ نہ کریں اور اس کے بعد علوم دینی کا درس دیں۔۔۔۔۔ اکثر اوقات کتابوں کی تصحیح و مطالعہ فرماتے رہیں ۔۔۔۔۔ کوئی بات کہیں تو عامانہ انداز سے کہیں، صوفیانہ انداز سے کہنا ہو تو اظہار اتنی پیچیدگی سے کریں کہ سوائے مخاطب کے کوئی دوسرا نہ سمجھے اور اس تحریر سے کوئی بات اڑا نہ لے جائے جو موجب ذلت و رسوائی ہو۔[1]

اس نصیحت و ہدایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کو حضرت مجدد کے مقامات عالیہ کا علم تھا اور ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی کہ اگر ان کا برملا اظہار کیا گیا تو کہیں فتنہ نہ پیدا ہو جائے، خود حضرت مجدد کو بھی اس کا احساس تھا چنانچہ آپ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> سبحان اللہ اس قسم کے عجیب معارف مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں جن کو سن کر عجب نہیں کہ ابنائے جنس بھی مجھ سے نفرت کریں اور محرم بھی مخالفت کے درپے ہو کر نامحرم اور مجرم بن جائیں۔[2]

بقیہ حاشیہ ص ۲۹۱ — حضرت مجدد پر مخالفین کے اعتراضات اور پھر ان کے جوابات تحریر کیے ہیں۔
مسعود

[1] حواشی صفحہ ہذا۔ کلمات طیبات، مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۲ھ، ص ۳۹۔

[2] مکتوبات امام ربانی۔ جلد سوم، مکتوب نمبر ۸۸

شیخ تاج الدین سنبھلی:

حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد کے اندیشے غلط نہ تھے چناں چہ مخالفت کا آغاز ہوا ہے اور انہوں میں سب سے پہلے جس نے مخالفت کی وہ خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی (م ۔ ۱۰۵۰ھ) تھے اور بعض دوسرے برادران طریقت بھی آپ کے ہم نوا تھے۔

حضرت مجدد سے شیخ تاج کی رنجش کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیخ تاج کو حضرت مجدد سے بہت پہلے خلافت مل چکی تھی، جس زمانے میں حضرت مجدد مرید ہوئے خواجہ باقی باللہ نے شیخ تاج سے فرما رکھا تھا کہ مریدین کے احوال سن کر ان کو بتا دیا کریں لیکن حضرت مجدد کے احوال بنفس نفیس سماعت فرماتے تھے، یہ بات شیخ تاج کو معلوم نہ تھی ـــــ جب کئی روز تک حضرت مجدد نے شیخ تاج کو کچھ نہ بتایا تو ایک روز انہوں نے پوچھا:۔

"تم کو کیا ہو گیا، اپنے احوال کیوں نہیں بتاتے؟"

حضرت مجدد نے عاجزی و انکساری سے فرمایا کہ میرے حالات اس لائق نہیں کہ بیان کیے جائیں، لیکن انہوں نے بتانے پر بار بار اصرار کیا تو پھر حضرت مجدد نے اپنا یہ خواب بیان فرمایا کہ آپ شیخ تاج کی طرف متوجہ ہیں اور تصرف سے شیخ کو ایسا بے خود کیا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے ـــــ یہ خواب سنتے ہی شیخ تاج کا رنگ زرد پڑ گیا اور چہرہ فق ہو گیا ـــــ (زبدہ، ص ۔ ۱۴۶)

اس میں شک نہیں کہ وہ شیخ تاج جو مریدوں سے مرشدانہ احوال دریافت کرتے تھے جب حضرت مجدد کا خواب سنا ہو گا تو بہت جز بز ہوئے ہوں گے۔

اس کے علاوہ رنجش کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے جس کا ذکر صاحب زبدۃ المقامات نے کیا ہے اور وہ یہ کہ حضرت مجدد کے نام حضرت خواجہ کے ایک مکتوب سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ سلوک میں حضرت مجدد سے استفادہ فرمایا ہے ـــــ پھر حضرت مجدد کی موجودگی میں حضرت خواجہ کا حد سے زیادہ ادب کہ جب اٹھتے تو الٹے پیروں تشریف لے جاتے ـــــ (زبدہ، ص ۔ ۱۵۲، ۱۵۳) یہ تمام باتیں حضرت خواجہ کے دوسرے خلفاء خصوصاً شیخ تاج کے لیے ضرور قابل رشک ہوں گی ـــــ پھر حضرت مجدد کے مریدین نے پیر و مرید کے ان تعلقات کو از راہ تفاخر بیان کیا

ہوگا تو رنجش کی صورت پیدا ہوگئی۔

چنانچہ ۱۰۱۲ھ میں حضرت خواجہ کے وصال کے بعد جب حضرت مجدد تعزیت کے لیے دہلی تشریف لے گئے تو اس مخالفت کا اظہار ہوا لیکن بعد میں مولانا محمد قلیج علیہ الرحمہ کی معرفت حضرت حضرت مجدد کے نام صلح وصفائی کا خط بھیجا گیا اور دہلی کے پیر بھائیوں کو بھی ہدایت کی گئی کہ وہ دل سے کدورت نکال دیں۔ پھر جب ۱۰۱۳ھ میں حضرت مجدد خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے پہلے عرس شریف میں شرکت کے لیے دہلی حاضر ہوئے تو شیخ تاج الدین سنبھلی نے خود آکر معذرت کی اور دوسرے برادران طریقت نے بھی اظہار معذرت کیا۔[1]

شیخ تاج الدین اور حضرت مجدد کے درمیان رنجش و تلخی کے بارے میں خواجہ احمد حسین (صاحب جواہر مجددیہ) نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ شاید حضرت مجدد کے بعض مریدین کے اس طرز عمل نے برادران طریقت کو بدگمان کیا کہ وہ حضرت مجدد کو خواجہ باقی باللہ سے بڑھا چڑھا کر پیش کرتے تھے اور خواجہ باقی باللہ کا وہ طرزِ عمل پیش کرتے جو آپ نے ازراہ عجز و انکسار حضرت مجدد سے اپنی تعلق و محبت کی بنا پر اختیار کیا تھا۔[2] غالباً اس رنجش کا ازالہ حضرت مجدد کی ان تحریروں سے ہو گیا ہوگا جس میں آپ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے بے پایاں احسانات کا ذکر فرمایا ہے۔[3]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی:

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے خلفاء میں دوسرے خلیفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) تھے جن کو حضرت مجدد کی بعض تحریروں سے اختلاف تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی حیات میں کسی مرید یا خلیفہ نے زبان نہ کھولی لیکن شکوک و شبہات اسی زمانے میں پیدا ہوگئے

---

[1] بدرالدین سرہندی: حضرات القدس، مطبوعہ لاہور جلد دوم (ترجمہ اردو) ص ۲۸، زبدۃ المقامات، ص ۱۵۸

[2] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص ۱۵۴

[3] (ا) حضرت مجدد: مکتوبات شریف، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۶۶
(ب) محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص ۱۳۵ ، ۱۴۵

ہوں گے جن کا اظہار بعد میں ہوا۔

شیخ محمد امین بدخشی (صاحب مناقب الحضرات) نے ایک مجلس کا چشم دید حال لکھا ہے جس میں وہ خود شریک تھے، دو تین علما اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی موجود تھے۔ اس مجلس میں حضرت مجدد کا ذکر نکل آیا، ایک عالم نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا، شیخ محمد امین نے اس کے خیالات کی تردید کی مگر وہ نہ مانا، چناں چہ وہ لکھتے ہیں :-

میں نے کہا کہ صفاء باطنی اور اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو میں نے ان میں دیکھی ہے کسی میں نہ دیکھی۔ مگر وہ نہ مانا، میں نے کہا کہ اچھا قرآن کریم سے فال نکال لی جائے جب فال نکالی گئی تو یہ آیت شریف سامنے آئی :-

رجال لاتلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله

اس پر وہ مولوی شرمسار ہوا اور حیرت زدہ رہ گیا[1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے سامنے بھی علماء کو یہ جرأت ہوتی تھی اور غالباً آپ خاموش رہتے تھے کیوں کہ محمد امین بدخشی نے شیخ دہلوی کا ذکر کیا ہے مگر یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے بُرا بھلا کہنے والے اس عالم کو کچھ کہا۔ بہر کیف رنجش کی صورت میں اسی قسم کی خاموشی کا اظہار ہوتا ہے۔

انہیں ایام میں حضرت مجدد کا ایک مرید حسن خاں افغانی نہ معلوم کیوں آپ سے برگشتہ ہوگیا اور مکتوبات شریف کے بہت مسودات ساتھ لے گیا (اس وقت مکتوبات کتابی شکل میں مدون نہ ہوئے تھے) حسن افغانی نے ان مکاتیب میں تحریف و ترمیم کر کے بہت سی نقول تیار کیں اور علماء و صوفیہ کو حضرت مجدد کے خلاف ہموار کیا غالباً اسی حسن افغانی نے شیخ محدث دہلوی کے پاس جا جا کر باتیں لگائیں اور آپ کو حضرت مجدد سے بدگمان کیا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے[2] حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ حضرت مجدد کی بعض تحریروں اور معاندین کی ریشہ دوانیوں سے متاثر ہو کر حضرت

---

[1] محمد امین بدخشی، مناقب آدمیہ وحضرات احمدیہ (مخطوطہ لندن ۱۰۴۰ھ) ورق ۔ ۱۷ھ

[2]

مجدد کے بعض افکار و خیالات پر اعتراضات فرمائے اور یہ اعتراضات ایک نجی مکتوب میں حضرت مجدد کے سامنے پیش کیے جس میں ایک ایک کر کے تمام اعتراضات کا ذکر فرمایا ہے، اس مکتوب کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت مجدد اور شیخ محدث کے درمیان باقاعدہ مراسلت بھی رہی۔ لیکن بعض بدخواہوں نے اس مکتوب کو بہت ہوا دی اور اس کی بڑی شہرت کی چناں چہ یہ مکتوب عہد شاہجہانی کے ایک عالم مولانا عبداللہ خویشگی قصوری (م ۱۱۰۶ھ) نے اپنی تالیف معارج الولایت (۱۰۹۴ھ/۱۶۸۲ء) میں نقل[۱] کیا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس کتاب سے اپنی تالیف حیات شیخ عبدالحق[۲] میں یہ مکتوب نقل کیا ہے۔ حضرت مجدد کے مخالفین نے پاک و ہند میں خوب اس کی تشہیر کی۔ ظاہر ہے کہ ایک فاضل وقت کا اختلاف کوئی معمولی بات نہ تھی مگر وہ ایک نجی بات تھی جو عالم آشکار کی گئی شیخ محدث کی ہرگز یہ منشا نہ تھی کہ اپنی تحریر سے مسلمانوں کو بدگمان کریں اور اپنے پیر بھائی حضرت مجدد کو بے قدر و رسوا کریں، جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں وہ ظلم کرتے ہیں اور تاریخی خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

بہرکیف اسی مکتوب کا سہارا لے کر مولانا عبداللہ خویشگی قصوری نے علماء ظاہر کی طرح بعض اعتراضات کیے ہیں[۳] ـــــ یہ مکتوب سرزمین سندھ میں آیا اور یہاں بھی اس کی تشہیر کی گئی۔ مخالفت کی شدت کا اندازہ لگائیں کہاں دہلی اور سرہند اور کہاں سندھ! ۱۱۴۳ھ میں شہر ٹھٹھ (پاکستان سندھ) میں ایک رسالہ ابحاث فاضل جلیل شیخ محمد معین تتوی علیہ الرحمہ کی نظر سے گزرا، اس رسالے کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے منسوب کیا جاتا تھا، اور اس میں شک نہیں کہ اس رسالے میں حضرت مجدد پر جن اعتراضات کا ذکر کیا ہے وہ شیخ محدث علیہ الرحمہ کے مکتوب میں موجود ہیں، مگر شیخ محمد معین علیہ الرحمہ نے حسن ظن کی بنا پر (اور یہ حسن ظن ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی سے ہونا چاہیئے) انھیں

۱۔ عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت قلمی نمبر ۲۵ مکتوبہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۱۱۱ھ ورق ۴۲ الف و ب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور (بحوالہ احوال و آثار، ص ۔ ۱۰۲)

۲۔ حیات شیخ عبدالحق، مطبوعہ دہلی، ۱۹۵۳ء، ص ۳۱۲ تا ۳۴۴

۳۔ عبداللہ خویشگی: معارج الولایت، ورق ۵۶۹۔

یہ لکھا ہے :-

اس علاقے میں لوگ اس رسالے کو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے منسوب کرتے ہیں لیکن میرے نزدیک اس میں بعض باتیں اس نسبت کی تکذیب کرتی ہیں۔[1]

استاد محترم حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں مدظلہ العالی نے اسی قسم کا اظہار خیال شیخ محدث دہلوی کے اصل مکتوب کے بارے میں فرمایا ہے جو حیات شیخ عبدالحق میں نقل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے نقل در نقل سے بات کہیں سے کہیں تک پہنچ جاتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

لیکن بغور مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکتوب شیخ محدث کے قلم سے کم اور دوسروں سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔[2]

اس کے بعد آپ نے اس مکتوب کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ جو ایک معمولی فارسی داں بھی نہیں کر سکتا۔

بہ ہر کیف شیخ محمد معین تتوی علیہ الرحمہ اپنی تالیف بھجۃ الانظار فی براءۃ الابرار میں ان اعتراضات کا ایک ایک کر کے مدلل اور شافی جواب لکھا ہے۔ رسالہ ابحاث سے حضرت مجدد پر جن اعتراضات کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) آپ بزرگان سلف کا تخطیہ فرماتے ہیں۔

(۲) آپ فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم علیہ الرحمہ سے کرامات کا کثرت سے اس لیے ظہور ہوا کہ ان کا نزول ناقص تھا۔

(۳) آپ نے فرمایا کہ میں اپنا مقام انبیاء سے بلند پاتا ہوں۔

(۴) آپ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا مرید بھی ہوں اور اللہ کی مراد بھی اور میرا سلسلۂ ارادت بغیر وسیلے کے اللہ تعالیٰ سے متصل ہے۔

---

[1] محمد معین تتوی: بھجۃ الانظار فی براءۃ الابرار (قلمی، مملوکہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی سرہندی) ورق ۔ ۶

[2] ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں: حضرت مجدد الف ثانی ــــ ایک تحقیقی جائزہ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء، ص ۔ ۴۰

۵) آپ فرماتے ہیں کہ میں اس مقام پر پہنچا ہوں کہ وہاں کوئی شخص واسطہ نہیں ہے اور نہ کسی کو دخل ـــــ نہ رسول کو اور نہ کسی اور کو۔

۶) اگرچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوں لیکن شریک دولت بھی ہوں۔

۷) اس خوان نعمت و دولت پر اگرچہ طفیلی ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں، ہرچند تابع ہوں لیکن رسالت سے بے بہرہ بھی نہیں۔

۸) میرا ہاتھ نائب ید اللہ ہے۔

۹) اجتباء محض انبیاء سے مخصوص نہیں۔

۱۰) سالک کو اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض ملتا رہتا ہے جب تک اس کی حقیقت، حقیقت محمدیہ سے متحد نہیں ہو جاتی، جب متحد ہو جاتی ہے تو توسط اُٹھ جاتا ہے۔

۱۱) ارباب صحو، ارباب سکر پر فضیلت رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ بدر الدین سہرندی علیہ الرحمہ نے مندرجہ بالا اعتراضات میں سے بعض اعتراضات کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً نمبر ۱، ۴، ۶، اور ۸ ـــــ اس کے علاوہ ان اعتراضات کا بھی ذکر کیا ہے:۔

۱) آپ فرماتے ہیں کہ میں روحانی ترقی کرتے کرتے خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک پہنچا۔

۲) آپ نظریہ وحدۃ الوجود سے انکار فرماتے ہیں۔

۳) آپ فرماتے ہیں کہ جس طرح صورت کعبہ مسجود صورت محمدی ہے اس طرح حقیقت کعبہ مسجود حقیقت محمدی ہے [۱]

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے حضرت مجدد کو جو مکتوب ارسال فرمایا تھا اس میں ابحاث میں مندرج اعتراضات موجود ہیں، مثلاً:۔

۱) حضرت غوث اعظم کے متعلق یہ کہنا کہ ان سے کرامات کا کثرت سے ظہور پذیر ہونا اس وجہ سے

---

[۱] بدر الدین سہرندی: حضرات القدس، مطبوعہ لاہور، ص - ۱۰۱

تھا کہ ان کا نزول ناقص تھا۔

(۲) تمام کمالات محمدی بغیر کسی کمی کے میری ذات میں موجود ہیں۔

(۳) میں اللہ کا مرید بھی ہوں اور اللہ کی مراد بھی اور میرا سلسلۂ ارادت بغیر کسی وسیلے کے اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔

(۴) میں رسول اللہ کا مرید بھی ہوں اور ساتھی بھی۔

(۵) اگرچہ سلسلۂ نقشبندیہ میں میرے پیر عبد الباقی ہیں لیکن میری تربیت کی کفالت اللہ باقی نے کی ہے۔

(۶) معصومیت انبیاء علیہم السلام سے مخصوص نہیں۔

(۷) آپ کو ایک مرتبہ علم کے نصف حصے میں مقطعات قرآنی کا علم حاصل ہوا ہے[۱]

وغیرہ وغیرہ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ عبد الحق علیہ الرحمہ نے اپنی تصانیف میں جو اسی دور کی یادگار ہیں جب کہ باہمی اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی تھی، حضرت مجدد کی جانب اشارے کنایے کیے ہیں۔ مثلاً اپنی ایک تالیف تذکرۂ مصنفین دہلی میں خود کلامی کے انداز میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(اے عبد الحق!) تو نے اپنے کلام کو ایہام وابہام اور شطح وطامات سے محفوظ رکھا ہے اور کشف وحقائق وجود اور حقیقت ذات حق اور اس کی صفات کے بارے میں جرأت وگستاخی نہیں دکھائی، بندگی کے دائرے سے باہر نہیں نکلا، دوسروں کی طرح حضرت جناب نبوت کی کمال متابعت، تحلی باحوال شریفہ، اتصاف بصفات وے کا از راہ ادب دعویٰ نہیں کیا۔[۲]

حضرت شیخ عبد الحق اور دوسرے مخالفین کے جوابات خود حضرت مجدد نے عنایت فرمائے۔

---

[۱] مکتوب شیخ عبد الحق (ترجمہ سید مظہر علی) مطبوعہ اقبال ایریویو کراچی، شمارہ جنوری ۱۹۶۸ء ص ۴۲، ۴۴، ۴۵ اور ۴۶

[۲] عبد الحق محدث دہلوی: تذکرۂ مصنفین دہلی، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۹۴۰ء، ص ۲۲۔

اس کے علاوہ معاصرین علماء کرام و صوفیہ عظام اور متاخرین علماء و صوفیہ نے بھی مرحمت فرمائے معاصرین میں فاضل جلیل، علامۂ دوراں مولنا عبدالحکیم سیالکوٹی (م [1] ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء) قابل ذکر ہیں۔ آپ نے معترضین کے رد میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا، اس کا نام معلوم نہ ہو سکا لیکن محمد الدین فوق نے اپنی تالیف ملک العلماء علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی میں علامہ موصوف کی ایک تصنیف دلائل التجدید کا ذکر کیا ہے [2] ممکن ہے کہ یہی رسالہ ہو۔ اس کے علاوہ مولوی وکیل احمد سکندرپوری نے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ (ابن حضرت مجدد) کے صاحب زادے خواجہ محمد نقشبند ثانی علیہ الرحمہ کے پاس علامہ عبدالحکیم علیہ الرحمہ کی اس تحریر کا ذکر کیا ہے جس پر علامہ موصوف کے دستخط بھی موجود تھے۔ علامۂ ممدوح کی اس دستخط شدہ عبارت کا ترجمہ یہ ہے:۔

بزرگوں کے کلام کا ان کی مراد کے خلاف مطلب نکال کر مراد لینا سراسر جہالت ہے، اس کا کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ پس مشیخت پناہ عرفان دستگاہ شیخ احمد کے کلام کا رد کرنا جہالت اور ناسمجھی کی بات ہے [3]

صاحب نزہتہ الخواطر حکیم عبدالحئی نے بھی اس عبارت کا ذکر کیا ہے بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ تحریر انہوں نے خود دیکھی ہے۔ راقم سے مولانا محمد ہاشم خان مجددی سرہندی مدظلہ العالی نے بھی فرمایا تھا کہ قیام لکھنو کے زمانے میں انہوں نے کسی علمی خاندان میں مضافاتِ لکھنو میں ایسی تحریر ملاحظہ فرمائی تھی ـــــ صاحب نزہتہ الخواطر نے تحریر فرمایا ہے:۔

وقد رأیت بخط السند العلماء افضل الفضلاء مولانا عبدالحکیم السیالکوتی فی رد بعض شبهات المخالفین علی کلامه قدس سره هذه العبارة:۔

القدح فی کلام الشیوخ علی غیر مرادهم جهل۔۔۔ فرد کلام الشیخ الاجل العارف الکبیر الشیخ احمد انما هو

---

[1] [2] محمد الدین فوق، ملک العلماء علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، مطبوعہ لاہور ۱۹۲۴ء / ۱۳۴۲ھ، ص ۵۲۔

[3] وکیل احمد سکندرپوری، الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۲ھ، ص ۵۔

السفاهة وقلة الفهم[۵۱]

صاحب نزہۃ الخواطر نے یہ بھی لکھا ہے کہ شام کے مشہور فاضل شیخ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمہ (م ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء) نے اپنی تالیف نتیجۃ العلوم ونصیحۃ علی الروم (تالیف ۱۱۱۲ھ) میں حضرت مجدد کے کلمات طیبات کی تشریح کی ہے[۵۲] مولوی وکیل احمد سکندر پوری نے اس رسالے کا یہ اقتباس دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ عبدالغنی علیہ الرحمہ[۵۳] اولیاء اللہ کے کلام کو لغت عام کے مطابق ناقابل تشریح وتاویل سمجھتے تھے۔ چناں چہ آپ فرماتے ہیں:-

اے بھائیو! پہلی بات تو تم کو یہ معلوم ہونی چاہیئے کہ مشائخ طریقت کے نزدیک ان کے مفرد یا مرکب کسی بھی لفظ کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی کہ وہ خاص لغت میں گفتگو فرماتے ہیں ان کے کلام کو اسی لغت خاص پر محمول کیا جانا چاہیئے خواہ کلام عربی زبان میں ہو یا کسی دوسری زبان میں ہے[۵۴]

حضرت شیخ عبدالحق نے حضرت مجدد کے کلمات کو لغت عام پر محمول فرمایا اس لیے اختلاف کی صورت پیدا ہوگئی۔ حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمہ (م ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) نے بھی یہی فرمایا ہے کہ جو شخص صوفیہ کے طریق کے مطابق حضرت مجدد کی عبادات کی تاویل کر سکتا ہے (یعنی لغت خاص میں اس کو سمجھ سکتا ہے) اس کے نزدیک تو اعتراض کی گنجائش ہی نہیں۔[۵۵] اس لیے شاہ صاحب ممدوح نے شیخ عبدالحق

---

۵۱ حکیم عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدر آباد دکن، جلد پنجم، ص۔ ۴۱-۵۲۔

۵۳ شیخ عبدالغنی نابلسی ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء میں دمشق میں پیدا ہوئے اور ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء میں یہیں وفات پائی۔ بڑے پایہ کے عالم تھے، مختلف علوم وفنون پر ان کی بکثرت تصانیف سے ان کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے، اسماعیل پاشا البغدادی نے اپنی تالیف ہدیۃ العارفین میں ان کی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ہے حسین حلمی ایشیق بن سعید نے اپنی تالیف النخبۃ الوہبیۃ (مطبوعہ استانبول ۱۹۷۳ء) میں ہدیۃ العارفین کے متعلقہ اوراق کا عکس شامل کر دیا ہے۔ تصانیف کی تعداد سوا دو سو کے لگ بھگ ہے ان کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف ہیں۔

۵۴ وکیل احمد سکندر پوری: الکلام المنجی، ص۔ ۲۴

۵۵ شاہ غلام علی، رسالہ در دفع اعتراضات (قلمی)، ص۔ ۱

مسعود

کے اعتراضات کے متعلق بڑی دل لگتی بات فرمادی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلوی) نے بطور علماء ظاہر اعتراض فرمایا ہے لیکن حضرت مجدد نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بطور علماء باطن ہے ـــــ اِس کی دنیا اور ہے، اُس کی منزل اور۔۔ اعتراض کیسا؟[۵۱]

اللہ اللہ کس حسن و خوبصورتی کے ساتھ مسئلے کو حل فرمایا ہے ؎

مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آخر میں رجوع فرمایا تھا۔ لیکن یہاں رجوعیت کا مسئلہ نہ تھا بلکہ 'تسلیم و توقف' کا مسئلہ تھا۔ رجوع ایسے اختلافی مسئلے میں کیا جاتا ہے جس کی بنیاد عقل و نقل پر ہو لیکن ان مسائل مختلف فیہم کی بنیاد ہی کچھ اور تھی، شاہ غلام علی علیہ الرحمہ نے اس طرف اشارہ فرمایا جو اوپر نقل کر دیا گیا۔ مگر زمانۂ مابعد کے علماء کا رد لکھنا تسلیم و توقف کی روایت کو کچھ مشکوک بنا دیتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رد لکھنا کسی طرح مناسب نہ تھا جیسا کہ بقول صاحب نزہۃ الخواطر، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) نے شیخ عبدالحق کے بعض اعتراضات کا رد فرمایا ہے۔ لیکن اغلب یہی ہے کہ تسلیم و توقف اور صلح و صفائی کے باوجود مخالفین شیخ محدث کی مخالفانہ اور مغرضانہ تحریر کو ہوا دی۔ ظاہر ایسی صورت میں رد لکھنا ضروری تھا اور درحقیقت یہ شیخ محدث کا رد نہیں بلکہ ان معاندین کا رد ہے جنہوں نے ایک نجی خط کو عالم آشکار کر کے ایک طرف تو شیخ محدث کے دامن اخلاص کو داغدار کیا اور دوسری طرف ایک مرد کامل کو بدنام کیا اور لوگوں کو اس سے بدگمان کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے تسلیم و توقف اور معذرت طلبی کی ایک اہم روایت صاحب مناقب العارفین شیخ فتح محمد چشتی علیہ الرحمہ نے نقل کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:۔

حضرت شیخ عبدالحق کے صاحب زادے مولانا نور الحق سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے آپ کے مکتوبات کے رد میں ایک رسالہ (مکتوب) لکھا تھا جب ان کو حسن نیت کی تحریف کا واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے معذرت کا مکتوب لکھا۔[۵۲]

---

۵۱ شاہ غلام علی: رسالہ در دفع اعتراضات (قلمی) ص۔ ا۔ ۲

۵۲ ابوالبیان محمد داؤد پسروری: سیرت امام ربانی، مطبوعہ امرتسر ۱۹۲۵ء / ۱۳۴۳ھ۔ ص۔ ۱۸

شیخ فتح محمد چشتی خود شیخ محدث کے صاحب زادے شیخ نور الحق سے براہ راست روایت کر رہے ہیں اس لیے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہنی چاہیے البتہ یہ ضروری ہے کہ مناقب العارفین کے کسی مستند قلمی نسخے سے اس بیان کا تقابل کر لیا جائے تاکہ محققین کی نظر میں بھی شبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے۔

زمانہ مابعد کے تذکرہ نگاروں اور محققین نے شیخ فتح محمد چشتی کے مندرجہ بالا بیان کو تسلیم کیا ہے اور اسی بنیاد پر وہ تسلیم و توقف کے قائل ہیں[1] اس کے علاوہ اکثر حضرات نے استدلالاً شیخ محدث کا وہ مکتوب بھی پیش کیا ہے جو آپ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور اپنے پیر بھائی خواجہ حسام الدین علیہ الرحمہ (م ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء) کے نام تحریر فرمایا تھا۔ یہ مکتوب اخبار الاخیار کے بعد کے نسخوں میں کسی نے شامل کر دیا ہے۔

ان دنوں میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ سے فقیر کی صفائی حد سے زیادہ ہو چکی ہے۔ اور پردۂ بشریت و جبلت درمیان میں نہیں رہا۔ انصاف و عقل اور رعایت طریقہ سے قطع نظر اگر جو اس قسم کے عزیزوں کے ساتھ نامناسب نہیں سمجھنا چاہیئے، باطن میں ذوق و وجدان اور غلبۂ حال سے وہ چیز آئی ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے کیا ہی پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دیتی ہے اور احوال بدل دیتی ہے، شاید ظاہر بیں اس کو دور از کار کہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ حال کیسا ہے اور کس طرح ہے![2]

غالباً اسی مکتوب گرامی کی بنیاد پر فاضل جلیل نواب صدیق حسن خاں مرحوم (م ۱۳۰۷ھ) نے تحریر فرمایا ہے۔

ابتداء میں شیخ عبدالحق دہلوی کو حضرت مجدد کے احوال و اقوال سے انکار تھا لیکن آخر کار انہوں نے رجوع فرمایا اور خدا کا شکر ہے کہ ظاہر باطن دونوں طرح اعتراف

---

[1] (ا) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں: حضرت مجدد الف ثانی (ایک تحقیقی جائزہ) مطبوعہ کراچی ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء، ص ۴۹ - ۵۱

(ب) محمد اقبال مجددی: احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۲ء، ص ۴۶ - ۱۴

(ج) سید زوار حسین شاہ: حضرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء، ص ۲۶۴

[2] اخبار الاخیار، مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۲ھ، ضمیمہ ص ۳۲۶

بیعت فرمایا[1]

صاحب نزہتہ الخواطر نے مخالفت اور پھر رجوعیت کا ذکر کیا ہے چناں چہ وہ لکھتے ہیں :۔

شیخ عبدالحق بن سیف الدین البخاری الدہلوی نے مخالفت کی اور آپ کے مکتوبات پر بعض اعتراضات کیے اور ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا شیخ عبدالعزیز بن ولی اللہ العمری الدہلوی اور شیخ غلام علی العلوی الدہلوی اور بہت سے علماء و مشائخ نے رد لکھا ہے کہا جاتا ہے کہ شیخ نورالحق بن عبدالحق الدہلوی نے بھی اس سلسلے میں اپنے والد کی مخالفت کی بلکہ آپ نے تو شیخ معصوم اور شیخ محمد سعید (فرزندان شیخ احمد) سے استفادۂ روحانی فرمایا اور یہ مشہور ہے کہ شیخ عبدالحق نے آخر عمر میں حضرت مجدد کی مخالفت سے رجوع کر لیا تھا اور شیخ حسام الدین ابن نظام الدین البدخشی الدہلوی کو آپ کے متعلق یہ مکتوب میں تحریر فرمایا :۔

دریں ایام صفائی باطن فقیر بخدمت میاں شیخ احمد سلمہٗ از حد متجاوز است اصلاً پردۂ بشریت و غشاوۂ جبلت درمیاں نماند، نمی داند کہ از کجا ست، قطع نظر از رعایت طریقہ انصاف و حکم عقل کہ باچنیں بزرگاں بد نباید بود و در باطن بطریق ذوق و وجدان و غلبہ چیزے افتادہ است کہ زبان از تقریر آں لال است، اللہ مقلب القلوب و مبدل الاحوال، شاید ظاہر بینان را استبعاد است، من دانم کہ حال چیست و بچہ مثال است[2]

---

[1] نواب صدیق حسن خاں : تقصار الجیود الاحرار من تذکار جنود الابرار، مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۸ھ ص ۔ ۱۱۱

نوٹ :۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی عارضی غلط فہمی اور پھر رجوعیت کا ذکر کیا ہے اور استدلالاً خواجہ حسام الدین کے نام شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مکتوب کو پیش کیا ہے ۔ مسعود

Ishtiaq Husain Qureshi : *Ulema In Politics*, Karachi, 1972, p. 90.

[2] حکیم عبدالحئی لکھنوی : نزہتہ الخواطر، جلد پنجم، ص ۔ ۵۱ ۔ ۵۳

نوٹ : صاحب نزہتہ الخواطر نے عربی متن میں اس مکتوب کا ترجمہ دیا ہے اور حاشیے میں اصل فارسی متن تحریر کیا ہے ہم نے اس مکتوب کا اردو ترجمہ اوپر دے دیا ہے ۔ مسعود

Marfat.com

حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمہ نے شیخ محدث کے کلمۂ مذکور:-

"اصلاً پردۂ بشریت وغشاوۂ جبلت درمیاں نماند"

پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:-

یہ جملہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اعتراضات بشریت ونفسانیت کے تحت تحریر فرمائے تھے نہ ازراہ حقیقت۔ سبحان اللہ علماء اور اولیاء کا یہ حال ہے! حاسد جاہلوں اور ناسمجھ دشمنوں کے حال پر حیف! معاذ اللہ[1]

لیکن یہ بشریت ونفسانیت ہرگز وہ نہیں جو فی زمانہ پائی جاتی ہے اور جس میں عنادی بو آتی ہے۔ شیخ محدث کے اعتراضات گو بتقاضائے بشری تھے مگر مخلصانہ تھے، نہ ان کو سلسلۂ نقشبندیہ سے پرخاش تھی جیسا کہ آج کل بعض سلاسل کے کچھ لوگوں کو ہے اور نہ حضرت مجدد سے ان کی کوئی ذاتی رنجش تھی بلکہ دونوں پیر بھائی تھے، محبت واخلاص کے بندھنوں میں بندھے ہوئے۔ شیخ محدث نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی صحبت میں حضور نقشبندیہ حاصل کیا تھا جس کا ذکر بیان سلاسل مشائخ میں کیا ہے اور ایک دوسری تصنیف موصل المرید الی المراد میں تحریر فرماتے ہیں:-

نزد انصاف طریقہ نقشبندیہ اقرب است وبلکہ حصول فنا وبقا بہتر ازیں طریقہ نیست[2]

ان کو حضرت مجدد سے کمال محبت تھی چنانچہ اسی مکتوب میں جو آج تک دونوں حضرات کی باہمی رنجش ومخالفت کو ثابت کرنے کے لیے استدلالاً پیش کیا جاتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

محبتے کہ مرا باشما است کسے را نخواہد بود وشما عزیزید اند وطریقۂ شما عزیز حضرت خواجہ اثبات شما بسیار کردند[3]

افسوس محبت کے ان بولوں کی طرف کسی نے توجہ نہ دی، انسانی فطرت ہے کہ اس کو لٹنے

---

[1] شاہ غلام علی: رسالہ در دفع اعتراضات در کلام حضرت مجدد (قلمی)، ص-۲

[2] ایضاً، ص-۲

[3] ایضاً، ص-۲

اور لڑائی کی بائید کرنے میں بہت مزا آتا ہے۔ تفویض خلافت کے وقت فرشتوں نے اس طرف اشارہ کر دیا تھا۔

شیخ محدث دہلوی نے اپنے مکتوب کے آخر میں دعائیہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں جس سے آپ کے کمال اخلاص کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے جو اعتراضات فرمائے تھے ان کی صحت و عدم صحت میں خود آپ کو شبہ تھا گویا یہ مکتوب بمنزلہ اعتراض نہ تھا بلکہ آپ نے بعض ناقابل فہم عبارات کے متعلق وضاحت چاہی تھی جس کو مخالفین نے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا۔ حضرت شیخ محدث تحریر فرماتے ہیں:۔

اے خدا! یہ شخص اپنے کمالات کی ایسی عجیب و غریب خبر دے رہا ہے، اگر یہ سچا ہے تو میرے لیے اس کے کمالات کی سچائی اور حقیقت پر الہام فرما اور ایسا تصرف فرما کہ جس سے شبہ والتباس اٹھ جائے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو انصاف پر لا اور اس روش سے محفوظ رکھ[1]

ان مخلصانہ اور مومنانہ دعائیہ کلمات کو پڑھیے اور پھر اس مکتوب کو ملاحظہ کیجیے جو آپ نے خواجہ حسام الدین علیہ الرحمۃ کو تحریر فرمایا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ مکتوب اجابت دعا کا ثمر شیریں ہے۔ جو دعا کی تھی قبول ہو گئی اور کیوں نہ قبول ہوتی کہ خود فرمایا ہے:۔

امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء[2]

شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے تسلیم و توقف اور رجوعیت و صفائی کی تائید اس حقیقت کی روشنی میں بھی کی جانی چاہیئے کہ آپ کے استاد شیخ عبدالوہاب متقی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۰۰۱ھ / ۹۳-۱۵۹۲ء) نے آپ کو اسی کی ہدایت فرمائی تھی، چنانچہ جب آپ استاد کامل سے رخصت ہوئے تو انہوں نے نصیحت فرمائی:۔

اگر تم مشائخ کی کتابوں کا مطالعہ کرو اور ان سے استفادہ کرو تو بہتر اور قابل مبارکباد

---

[1] خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء / ۱۳۷۳ھ ص۔ ۳۴۳

[2] النمل، ۶۲

ہے لیکن ایک شرط کے ساتھ اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مبہم اور شک میں ڈالنے والی باتوں میں نہ پڑنا اور یہ بھی فرمایا کہ پھر اگر تم دیکھو کہ اہل طریقت کے کچھ کلمات ظاہر شریعت کے خلاف ہیں تو ان کی تردید کی صورت یہ ہے کہ کبھی تو ان بزرگوں کی طرف ان کلمات کی نسبت سے ہی انکار کر دو اور کبھی ان کی تاویل کر دو اور ظاہر شریعت امور دین حق سے ان کی مطابقت بیان کر دو اور پھر اگر تطبیق و تاویل بآسانی نہ کر سکو تو بہتر یہ ہے کہ اس میں سکوت و خاموشی اختیار کر و[۵۱]

اس تحریر سے یہ مستفاد کیا جا سکتا ہے حضرت مجدد کے بارے میں شیخ عبدالحق نے بالآخر تسلیم و توقف کی راہ اختیار کی ہوگی بلکہ خواجہ حسام الدین علیہ الرحمہ کے نام ان کے مکتوب سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رب تبارک و تعالیٰ کے کرم خاص سے ایسا انشراح صدر ہوا کہ بس دیکھا کیجئے۔

دور جدید کے ایک نوجوان فاضل محمد اقبال مجددی نے رجوعیت کے سلسلے میں یہ دلکش بات کہی ہے کہ اگر ان دونوں حضرات میں کسی قسم کی رنجش باقی رہتی تو آگے چل کر حقی خاندان کے لوگ خاندان مجددیہ سے وابستہ نہ ہوتے، اس قیاس کی تصدیق کے لیے فاضل موصوف نے بعض قرائن و شواہد بھی پیش کیے ہیں[۵۲]

مکتوبات امام ربانی جلد سوم (۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء) کے بعض مکاتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے اخلاص و محبت کا کیا عالم تھا۔ اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کسی قسم کی رنجش تھی تو وہ ختم ہو چکی ہوگی۔ حضرت مجدد نے ایام اسارت (۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۸ء تا ۱۰۲۹ھ / ۱۶۱۹ء) میں حضرت شیخ عبدالحق کے مکتوب گرامی کے جواب میں ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے جس کے آخر میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ کا وجود شریف اسلام کی اس غربت میں مسلمانوں کے لیے مغتنم ہے سلمکم اللہ سبحانہٗ و ابقاکم۔ والسلام[۵۳]

---

۵۱ شاہ عبدالعزیز: عجالۂ نافعہ (مع فوائد جامعہ از شارح مولوی عبدالحلیم چشتی) مطبوعہ کراچی، ص-۴۴ ۳

۵۲ محمد اقبال مجددی: احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۷۰، ۱۴۹ تا ۱۴۹

۵۳ مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۲۹

جس قسم کے اختلافات دونوں حضرات کے درمیان بیان کیے جاتے ہیں اگر وہ موجود ہوتے تو اس قسم کی مخلصانہ مراسلت یقیناً مستبعد تھی۔ یہ مراسلت، مخالفت اور رنجش کی خود نفی کر رہی ہے لیکن پھر بھی بعض محققین کو مسئلہ رجوعیت کے بارے میں شک و شبہ ہے چناں چہ فاضل محترم جناب شیخ محمد اکرام صاحب نے پروفیسر خلیق احمد نظامی کے اس مصلحانہ ریمارک کو ناکافی سمجھا اور اپنی شکوک کا اظہار فرمایا ہے۔

"یہ اختلاف عارضی تھا اور بہت جلد دور ہو گیا"

جناب شیخ صاحب کے شکوک و شبہات کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) شیخ محدث نے جس طرح کا رسالہ لکھا تھا اور مشتہر کیا تھا اگر اس کو وہ غلطی سمجھتے تو اعتراف سہو بھی اعلانیہ ہونا چاہیئے تھا۔[۱]

(۲) اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ رقعہ رسالے کی تالیف کے بعد لکھا گیا۔[۲]

(۳) بہت ممکن ہے کہ شیخ محدث کا یہ رقعہ کسی ابتدائی غلط فہمی یا عدم واقفیت کے دور ہونے کے بعد یا فقط ان کی عظمت کے زیادہ احساس پر لکھا گیا ہو۔[۳]

(۴) لیکن اس رسالے سے رجوع اخذ نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ صفائی کا خیال ہو سکتا ہے۔[۴]

تسلیم و توقف اور رجوعیت و صفائی کے سلسلے میں ہم نے جو دلائل قرائن اور پیش کیے ہیں وہ شیخ محمد اکرام صاحب کے مندرجہ بالا شکوک شبہات کے ازالے کے لیے کافی ہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان شکوک کے جوابات بالترتیب مختصراً عرض کر دیئے جائیں:۔

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ نہیں ایک نجی مکتوب تحریر فرمایا، خود مشتہر نہیں کیا۔ یہ

---

[۱] تا [۴] شیخ محمد اکرام: رود کوثر مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء، ص ۳۶۶ و ۳۶۷

نوٹ:۔ ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ۱۰ ستمبر ۱۹۰۸ء کو ضلع لائل پور چک جھمرہ میں پیدا ہوئے، ۱۷ جنوری ۱۹۷۳ء کو انتقال کیا، وہ پرانے آئی۔ سی۔ ایس اور سی۔ ایس۔ پی تھے۔ محکمۂ نو آبادیات (مغربی پاکستان) کے کمشنر رہے اور محکمہ اوقاف (مغربی پاکستان) چیف اڈمنسٹریٹر رہے، راقم کے کرم فرما تھے اور صاحب تصنیف تھے، غالب نامہ، شبلی نامہ، آب کوثر، موج کوثر، رود کوثر، وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔ مسعود

الزام ہے۔ البتہ مخالفین نے ایسا ضرور کیا اس لیے شیخ محدث پر اعتراف سہو کے لیے کوئی پابندی عائد کرنا مناسب نہیں۔

(۲) اگر اس امر کا ثبوت نہیں تو پھر اس امر کا بھی ثبوت نہیں کہ رسالہ، رقعہ سے پہلے لکھا گیا تھا بلکہ قرائن تو یہ ثابت کرتے ہیں کہ رقعہ بعد میں لکھا گیا، اس لیے اغلبیت کی بنیاد پر اس امکان کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔

(۳) ابتدائی غلط فہمی کا تعین یا عدم واقفیت کے متعلق نہ کوئی قرینہ ہے اور نہ دلیل۔ اس لیے یہ گمان مناسب نہیں خصوصاً جب کہ ایک ایسا واضح قرینہ موجود ہے جس سے اس گمان کی نفی ہوتی ہے۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عظمت کا احساس اس رقعہ کا محرک تھا تو پھر اثبات رجوعیت کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی، اعتراف عظمت خود حجت قاطع ہے۔

(۴) صفائی نتیجہ ہے رجوعیت کا ورنہ ایک بے معنی لفظ ہے۔ اس لیے اگر صفائی کا خیال ہو سکتا ہے تو رجوعیت کا خیال پہلے ہونا چاہیئے؟

فاضل محترم نے تمام امکانات کا رخ 'عدم مصالحت' کی طرف موڑ دیا حالاں کہ یہ رخ مصالحت کی طرف بھی موڑا جا سکتا تھا اور اس کے لیے بہت سے قرائن و شواہد موجود تھے۔ اس غیر مؤرخانہ میلان نے فاضل محترم کی مورخانہ شخصیت کو مشکوک بنا دیا ہے، مؤرخانہ احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ امکانات پر بحث کرتے ہوئے دوسری جانب کو قطعاً نظر انداز نہ کیا جاتا اور یہ روش نہ اختیار نہ کی جاتی جو قرینہ مصالحت پر دال ہو اس کو بیک جنبش قلم رد کر دیا جائے۔

استاد محترم جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہ العالی نے فاضل موصوف کے شکوک و شبہات اور دیگر ارشادات پر سیر حاصل تنقید و تبصرہ فرمایا ہے جو 'حضرت مجدد الف ثانی: ایک تحقیقی جائزہ' کے عنوان سے ۱۹۶۵ء میں کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ محققین کے لیے ضروری ہے کہ وہ رود کوثر کے متعلقہ حصوں کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ استاد محترم کی تالیف کا بھی مطالعہ فرمائیں تاکہ حقائق زیادہ واشگاف ہو جائیں۔

نور الدین جہاں گیر بادشاہ:

شیخ تاج الدین سنبھلی خصوصاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی حضرت مجدد سے مخالفت اور پھر مفاہمت و رجوعیت کے بارے میں تفصیلاً عرض کیا جا چکا ہے۔ مخالفت کا طوفان رفتہ رفتہ بڑھتا گیا اور ۱۰۲۸ھ میں حضرت مجدد کی شہرت اور مخالفت دونوں شباب پر پہنچ گئیں۔ یہاں کہ اسی سال جہاں گیر بادشاہ نے آپ کو قلعہ گوالیار میں نظر بند کیا۔ اس نظر بندی کی تفصیلات مناسب مقام پر پیش کردی گئی ہیں۔

جہاں گیر نے تزک جہاں گیری میں گرفتاری کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالی ہے اور اس طرح حضرت مجدد کی نظر بندی کا جواز پیدا کیا ہے۔ دراصل جہاں گیر نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض اپنی صفائی کے لیے۔ اس سے حضرت مجدد کی ہمہ گیر شہرت اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے ورنہ ہزاروں موت کی نیند سلا دیئے گئے اور مؤرخ کا قلم آنسو بھی نہ بہا سکا ــــ بہرکیف حضرت مجدد کے متعلق جہاں گیر نے جو اظہار خیال کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:[1]

(۱) شیخ احمد ایک جعل ساز کا نام ہے جس نے سرہند میں مکر و فریب کا جال پھیلایا ہے۔

(۲) بہت سے ناسمجھ ظاہر پرستوں کو اپنا شکار بنایا ہے۔

(۳) ہر شہر و دیار میں اپنا ایک خلیفہ بھیج رکھا ہے[2]

(۴) اپنے مریدوں اور معتقدوں کو جو لغو باتیں لکھ لکھ کر بھیجی ہیں ان کی ایک جلد بنا کر اس کا نام مکتوبات رکھا ہے[3]

(۵) ان مہملات میں بہت سی ایسی باتیں تحریر کی ہیں جو کفر و زندقہ پر منتج ہوتی ہیں، انہیں باتوں

---

[1] جہاں گیر: تزک جہانگیری، مطبوعہ لکھنؤ، ص۔ ۲۷۴ و ۲۷۵

[2] صاحب سیرت امام ربانی نے لکھا ہے کہ شیخ بدیع الدین کو جہاں گیر کے لشکر میں بھیجا گیا تھا جس سے آصف خاں پریشان ہو گیا تھا۔ (ص۔ ۱۲۲)

[3] مکتوبات امام ربانی کی جلد اول ۱۰۲۵ھ میں اور جلد ثانی ۱۰۲۸ھ میں مدون ہو چکی تھیں۔

میں ایک یہ بات ہے جو اس نے ایک مکتوب میں لکھی ہے[1]

مندرجہ بالا سخت ناشائستہ کلمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخالفین نے جہاں گیر کو خوب بھرا تھا، ظاہر ہے کہ اس میں ان اعیان مملکت کا ضرور ہاتھ ہوگا جن کو حضرت مجدد کی تبلیغ و تعلیم سے تکلیف پہنچی خصوصاً شیعہ حضرات کو اور ہاں ہندو امراء نے بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ہوگا کیوں کہ حضرت مجدد کی مجاہدانہ تبلیغ و اصلاح کا ہدف شیعہ حضرات اور ہندوستان کے کفار و مشرکین تھے۔

یہ بھی بتایا گیا ہوگا کہ بہت سے لوگ حضرت مجدد کے مرید ہو چکے ہیں اور ہر شہر و دیار میں ان کے خلیفہ موجود ہیں اسی لیے جہاں گیر نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ اطلاع اس کے جاسوسوں نے دی یا مخالفین نے بہرکیف یہ اطلاع اس کو ملی اور صحیح تھی۔ تذکرہ نگاروں نے جو لکھا ہے حضرت مجدد کی ہمہ گیر شہرت و مقبولیت سے خود جہاں گیر کو اپنی فکر لاحق ہوگئی تھی تو ان حالات میں یہ بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے چوں کہ دنیا دار بادشاہ اور عیش پرست سربراہان مملکت ہمیشہ دینداروں اور شریعت کے متوالوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ سر اٹھانے نہ پائیں اس لیے کہ اگر ایسا ہونے دیا تو پھر ان کی بادشاہت معرض خطر میں پڑ جائے گی جیسا کہ تاجدار احرار حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت اور اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دنیا کی بادشاہتوں کو معرض خطر میں ڈال دیا اور پھر نابود کر دیا ـــــــ

بہرکیف یا تو سیاسی مصالح کی بنا پر یا حضرت مجدد کے مخالفین کے کہنے پر جہاں گیر نے حضرت مجدد کے خلاف یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ آپ کے خلفاء بڑی عیاری و مکاری کے ساتھ آپ کے مشن کی تکمیل کے لیے ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے گویا حضرت مجدد کا مقصود فتنہ انگیزی اور مکر و فریب کے سوا کچھ نہ تھا (معاذ اللہ)۔

---

[1] یہاں جہاں گیر نے مکتوبات امام ربانی جلد اول کے مکتوب نمبر ۱۱ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو آپ نے شیخ طریقت خواجہ باقی باللہ کے نام تحریر فرمایا تھا اور اس میں اپنے روحانی عروجات کا ذکر کیا تھا جس سے مخالفین نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ خود کو خلفاء اربعہ کے مساوی یا ان سے ارفع سمجھتے ہیں، جہاں گیر نے بھی یہی نتیجہ نکالا ہے۔ مسعود

دوسری بات جو اس کو ذہن نشین کرائی یہ تھی کہ مکتوبات مجموعہ لغویات و مہملات ہیں۔ اتفاق سے مکتوبات کے مضامین اسرار و معارف روحانی پر مشتمل ہیں، ایک دنیا دار بادشاہ کے لیے یقیناً یہ باتیں ناقابل فہم ہیں اور ناقابل فہم باتوں کو جو جی چاہے کہہ لیجئے۔ اس کے علاوہ حضرت مجدد نے جو مکتوب اپنی روحانی ترقیات و عروجات کے بارے میں خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کو تحریر فرمایا تھا جہانگیر نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ کسی مرید کے نام تحریر فرمایا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خود مکتوبات کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ دشمنوں کے لگائے پر سب کچھ لکھ دیا اور انہیں کی لگائی پر بلاغ پا ہو کر حضرت مجدد کو دربار میں طلب کیا حضرت مجدد غالباً قلعہ آگرہ میں حاضر ہوئے۔ اور اس شان سے حاضر ہوئے کہ بس دیکھا کیجئے، دربار میں حاضری کے آداب کچھ اور، اور اس عہد کال کے آداب کچھ اور ــــ جہاں لوگ لرزتے کانپتے جاتے ہیں وہاں آپ بیباکانہ چلتے چلے گئے، جہاں لوگ سر جھکائے حاضر ہوتے ہیں وہاں وہ گردن فراز حاضر ہوئے، جہانگیر اس جرأت و ہمت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ اسی لیے اس نے لکھا ہے :۔

"با عدم خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد"

(ترجمہ) کم عقلی کی وجہ سے بہت ہی مغرور اور خود پسند معلوم ہوا۔

افسوس جس چیز کو اس نے کم عقلی سے تعبیر کیا وہی ترجمان عقل و حکمت ہے۔ اس کو کیا پتہ تھا۔

وہ عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

جہانگیر نے جو آپ کی مومنانہ جرأت کو بچشم خود ملاحظہ کیا تو اس کو دشمنوں کی لگائی پر اور یقین آگیا، ہیرے کو پرکھنے کی کوشش نہ کی، کم نگاہی نے ہیرے کو خزف ریزہ بنا دیا حکم دیا گیا، کس کو حکم دیا گیا؟

ایک راجپوت ہندو بانی رائے سنگھ کو کہ قلعہ گوالیار میں لے جا کر بند کر دے۔ اس میں شک نہیں کہ جہانگیر نے آپ کی کسر شان اور ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ قید اور پھر ایک ہندو کے ہاتھوں قید۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! بظاہر اس کی یہ وجوہات نظر آتی ہیں :۔

① سنی اعیان مملکت چونکہ حضرت مجدد سے متاثر اور آپ کے عقیدت مند و مرید تھے اس لیے مصلحتاً آپ کو ان کے سپرد نہ کیا گیا۔

② شیعہ حضرات حکومت میں دخیل تھے اور حضرت مجدد کے سخت مخالف لیکن اس مخالفت کے باوجود وہ اپنا دامن بچانا چاہتے ہوں گے اس لیے ان کے سپرد بھی نہ کیا گیا۔

③ ١٠٢٨ھ میں کفار و مشرکین کے خلاف حضرت مجدد کی تحریک شباب پر پہنچ گئی تھی ظاہر ہے کہ اس تحریک نے ہندوؤں کو بے چین اور مضطرب کر دیا ہوگا۔ اکبر بادشاہ اور جہانگیر بادشاہ بھی (اپنی ابتدائی دور میں) ہندوؤں کے حامی و ناصر تھے ظاہر ہے ان کے تاثرات حضرت مجدد کے متعلق عام مسلم رعایا سے مختلف ہوں گے اور عین ممکن ہے کہ اہل حرم کو خوش کرنے اور سیاسی مصالح کی بنا پر ایک ہندو کے ہاتھوں حضرت مجدد کو گرفتار اور نظر بند کرایا ہو۔ حرم میں ہندو عورتیں موجود تھیں ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

بہر کیف جہانگیر نے حضرت مجدد کی تبلیغی مساعی اور اصلاحی کوششوں کو محدود کرنے کی پوری پوری کوشش کی لیکن کس کی طاقت ہے کہ بوئے گل کو غنچۂ شگفتہ سے پھوٹنے کے بعد روک سکے؟ وہ تو پھیل کر ہی رہتی ہے۔ عہد شاہجہانی میں (١٠٣٧ھ تا ١٠٦٨ھ) مخالفین کو عروج حاصل ہوا[1] عہد عالمگیری میں یہ زور کچھ ٹوٹا اور حضرت مجدد کی تبلیغی مساعی کے نتائج اپنی آنکھوں سے لوگوں نے دیکھے۔

دیگر حضرات :

حضرت مجدد کی زندگی میں آپ کے پیر بھائی شیخ تاج الدین سنبھلی اور شیخ عبدالحق دہلوی

---

[1] لیکن صاحب جواہر معصومیہ، خواجہ احمد حسین نے حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ (ابن حضرت مجدد الف ثانی) سے شاہجہاں کی عقیدت و محبت کا ذکر کیا ہے چناں چہ انہوں نے ١٠٣٦ھ اور ١٠٤٣ھ میں خواجہ معصوم کے حضور میں شاہجہان کی حاضری کا ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم (جواہر معصومیہ، مطبوعہ حیدرآباد دکن ١٣٤١ھ، ص۔ ٣٦و٣٨) مسعود

نیز جہاں گیر بادشاہ نے مخالفت کی اور مخالفت کے ساتھ ساتھ معذرت و تسلیم و توقف اور رجوعیت کا سلسلہ بھی جاری رہا لیکن جس مخالفت کا آغاز خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے وفات کے بعد ہوا تھا (مابعد ۱۰۱۲ھ) وہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی وفات (۱۰۳۴ھ) کے بعد بھی جاری رہی چناں چہ حضرت مجدد کے پوتے شیخ محمد فرخ علیہ الرحمہ (م ـــــہ) ابن خواجہ محمد سعید ابن حضرت مجدد الف ثانی علیہما الرحمہ نے معترضین کے رد میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا عنوان ہے :-

کشف الغطاء عن اذھان الانبیاء (۱۲۴۹ھ)

اس رسالے میں شیخ موصوف نے اسی موضوع پر ایک اور رسالہ کا ذکر فرمایا ہے جس کا عنوان ہے :-

النجاۃ عن طریق الغواۃ[1]

شیخ محمد فرخ علیہ الرحمہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے :-

تفضیل کعبہ کے سلسلے میں مخالفین نے ایک شورش برپا کردی اور علماء حرمین نے حقیقت واقعہ سے ناواقفیت کی بنا پر اس مسئلے کا رد فرمایا[2] چناں چہ جب اخفر بات

---

[1] شیخ محمد فرخ : کشف الغطاء عن اذھان الاغبیاء (قلمی)، ۱۲۴۹ھ، ورق ۶۲

نوٹ :- مولوی عبدالحلیم چشتی (شعبۂ عربی کراچی یونیورسٹی لائبریری) فرماتے تھے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے استاد شیخ ابوطاہر کردی کے والد ماجد شیخ ابراہیم کردی کو بھی حضرت مجدد سے اختلاف تھا اس روایت کے ماخذ کا علم نہ ہو سکا۔

مسعود

[2] حضرت خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ کے مکتوبات شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "حقیقت کعبہ" کے مسئلے پر علمائے حرمین کو حضرت مجدد سے اختلاف تھا چناں چہ علمائے حرمین شریفین کے نام آپ نے ایک مکتوب میں اعتراضات کی مدافعت کی ہے اور حضرت مجدد کے کلمات کی مختلف توجیہات پیش کی ہیں ـــــ آپ نے بعض لوگوں کی غلط فہمی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

فقد توھم بعض الناس من کلام شیخنا و امامنا امام المحققین (باقی بر ص ۳۵۹)

حرمین شریفین کے لیے پہنچا تو وہاں یہ فتوے دکھائے گئے، انھیں سے کہا گیا کہ جواب لکھیے چناں چہ جواب لکھا گیا جو وہاں کے فضلاء نے پسند فرمایا اور ان کی نفرت محبت میں تبدیل ہو گئی۔

حضرت والد محترم (خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ) بھی ہم سفر تھے، آپ نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ اہل فضل جمع ہوں اور جانبین کے رسائل مطالعہ فرمائیں تاکہ حق واضح ہو جائے، خدا کا شکر ہے کہ مخالفین کو مقابلے کی ہمت نہ ہوئی[1]

حرمین شریفین میں جو حالات و واقعات رونما ہوئے ان کو آپ نے ایک علیحدہ رسالے میں بیان فرمایا ہے جس کا عنوان آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے:-

جلاء الصلاء عن مرات الکعبۃ الحسناء[2]

حضرت مجدد کے مخالفین نے ہندوستان کے طول و عرض میں آپ کے منتسبین و متوسلین اور اولاد امجاد کو بہت پریشان کیا، تہذیب و شائستگی کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا چناں چہ حضرت مجدد کے خلفاء یا صاحب زادگان جہاں جاتے یہ ان کا تعاقب کرتے، عین ممکن ہے کہ حضرت مجدد کے خلیفۂ اجل شیخ آدم بنوری علیہ الرحمہ (م ۱۰۵۳ھ) کی ہندوستان سے جلاوطنی مخالفین کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ ہوں کیوں کہ تذکرہ نگار جس شاہجہان کو حضرت مجدد کا عقیدت مند بتاتے ہیں[3]

(بقیہ صفحہ ۳۱۴) الشیخ احمد رضی اللہ عنہ الواقع فی بعض مصنفاتہ ان حقیقۃ الکعبۃ المعظمۃ الربانیۃ فوق حقیقۃ المحمدیۃ لان الکعبۃ المعظمۃ افضل من نبینا سید المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

(مکتوبات سعیدی (مرتبہ حکیم عبدالمجید سیفی) مطبوعہ لاہور ۱۳۸۵ھ، مکتوب نمبر ۶۸)

[1] ایضاً، ورق ۔ ۴۳

[2] ایضاً، ورق ۔ ۴۳

[3] اس میں شک نہیں کہ شاہجہاں ایام شہزادگی میں حضرت مجدد کا معتقد تھا چناں چہ زبدۃ المقامات (باقی بر صفحہ ۳۱۶)

یہ اسی کے علم سے ملک بدر کیے گئے اور حرمین میں بھی ان کو مخالفین نے چین لینے نہ دیا چناں چہ علامہ قشاشی نے آپ کے خلاف ایک رسالہ اسرار المناسک تحریر فرمایا۔ علامہ شیخ محمد مراد دمشقی نے اپنی تالیف اسلاک الدرر فی وفیات اہل القرن الثانی عشر میں اس چپقلش کا ذکر کیا ہے[1]

حضرت مجدد کے ایک خلیفہ شیخ طاہر لاہوری (م ۱۰۴۰ھ) جب لاہور تشریف لائے تو مخالفین پیچھے پڑ گئے، حضرت مجدد کے نام خلیفہ موصوف کے مکتوب گرامی سے اس کا علم ہوتا ہے۔ مخالفین نے حضرت مجدد کے مکتوبات میں اپنی طرف سے الحاق کر کے اعتراضات کیے لیکن جب اصل مکتوب مولانا عبد السلام لاہوری کو دکھایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "شبہ کی گنجائش نہیں"[2] ــــــ اسی طرح جب خود حضرت مجدد کے پوتے خواجہ سیف الدین علیہ الرحمہ (م ۱۰۹۶ھ) ابن حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ لاہور تشریف لائے تو مجادلہ اور مناقشہ کی صورت پیش آئی جس کے عینی شاہد شیخ سعدی لاہوری ہیں لیکن خواجہ سیف الدین نے مخالفین و معترضین کے جواب میں خاموشی اختیار فرمائی اور ارشاد فرمایا:۔

بیہچ (فہم) علماء حضرت مجدد کا کلام کیا سمجھ سکتے ہیں![3]

شدید مخالفتوں کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی، آپ کے صاحب زادگان اور نبیرگان علیہم الرحمہ نے نہایت تحمل و بردباری کا ثبوت دیا، انسانی سیرت کے جوہر مخالفت کے وقت کھلتے ہیں مخالفین

(بقیہ ص ۳۱۶) (تالیف ۱۰۶۳ھ) کے ایک بیان سے اس کی شہادت ملتی ہے لیکن تخت نشینی کے بعد کسی مستند تذکرے یا تاریخ سے اس کی عقیدت و محبت پر روشنی نہیں پڑتی صاحب دبستان مذاہب نے سب ہی کا ذکر کیا ہے مگر حضرت مجدد کا ذکر نہیں۔ یہ عہد شاہجہانی کا ایک مستند ماخذ سمجھا جاتا ہے البتہ محمد صادق نے طبقات شاہجہانی میں مختصر ذکر کیا ہے (مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ ورق ۳۵۱)

[1] خواجہ احمد حسین، جواہر مجددیہ، مطبوعہ لاہور، ص ۔ ۸۶

[2] شیخ بدر الدین سرہندی: حضرات القدس، جلد دوم، ص ۔ ۲۹۲

[3] محمد عمر بن ابراہیم نیشاپوری: ظواہر (قلمی)، ۱۱۱۲ھ ورق ۱۷۱ و ۱۷۲ بحوالہ احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری، ص ۔ ۱۸۴

سے درگزر کرنا اور مخالفین بھی وہ جو تکفیر و تفسیق کے لیے کوشاں تھے) کوئی معمولی بات نہیں۔ اس سے حضرت مجدد اور آپ کی اولاد امجاد کی عظمت کردار میں چار چاند لگ گئے۔ فی زمانہ یہ حلم و تدبر عنقا ہوتا چلا جا رہا ہے، علماء و صوفیہ معمولی معمولی باتوں پر چراغ پا ہو جاتے ہیں، ان کے مشائخ پر اعتراض کیا جائے تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، ایسے حضرات کے لیے حضرت مجدد کے پوتے حضرت شیخ محمد فرخ علیہ الرحمہ کے یہ الفاظ درس عبرت ہیں جو انہوں نے اپنے جد امجد علیہ الرحمہ کے مخالفین اور معاندین کے متعلق فرمائے ہیں، آپ فرماتے ہیں :-

"خدا کا شکر ہے کہ یہ جماعت ہم کو اسی دنیا میں سبک سار کیے دے رہی ہے۔"[1]

۱۰۹۳ھ میں عبداللہ خویشگی قصوری نے بھی حضرت مجدد کے اقوال پر اپنی توجیہات اور اعتراضات قلم بند کیے چناں چہ وہ معارج الولایت (م ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۲ء) میں لکھتے ہیں :-

اسی سبب سے (یعنی قائلین وحدۃ الوجود پر اعتراض اور متقدمین علماء و مشائخ پر حرف گیری) کی وجہ سے جہاں گیر بادشاہ نے شیخ کو گوالیار میں ایک عرصہ محبوس رکھا چناں چہ شیخ نے قرآن کریم وہیں حفظ کیا لیکن جب بادشاہ کو ان کی معصومیت کا علم ہوا تو آپ سے معذرت کی لیکن آپ نے فرمایا کہ معذرت کی ضرورت نہیں کیوں کہ اسی قید میں دولت حفظ قرآن سے مستعد ہوا ہوں ـــــ چوں کہ اس حقیر (عبداللہ خویشگی) کو مشائخ پر صحیح اعتقاد اور عقیدہ ہے (اس لیے) اس کے باوجود کہ علماء عصر اور فضلاء دھر نے آپ کے بطلان کلام اور فساد کلمات کے خلاف فتویٰ دے دیا ہے لیکن میں اپنی سمجھ اور طاقت و قدرت کے مطابق ان کی شطحیات کی توجیہات مع ایرادات لکھتا ہوں۔[2]

اس تحریر سے بعض باتوں کا علم ہوتا ہے، یہ باتیں اس لیے اور زیادہ اہم ہیں کہ مصنف کا تعلق عہد شاہجہانی سے ہے اور پھر یہ ایک ایسی کتاب میں ہیں جس میں مخالفانہ مواد فراہم کیا گیا ہے،

---

[1] شیخ محمد فرخ؛ کشف الغطاء، ص ۔ ۲۳

[2] عبداللہ خویشگی قصوری؛ معارج الولایت، ورق ۷۰۸، بحوالہ احوال و آثار عبداللہ خویشگی، ص ۔ ۱۵۰

وہ باتیں یہ ہیں :۔

(۱) حضرت مجدد کے متعلق یہ غلط خیال قائم کر لیا گیا کہ آپ نظریہ وحدۃ الوجود کے مخالف اور متقدمین علماء و صوفیہ پر معترض ہیں، اسی لیے جہاں گیر نے قید کیا۔

(۲) قلعہ گوالیار میں حفظ قرآن کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔

(۳) کچھ عرصے بعد جہاں گیر بادشاہ پر واضح ہو گیا کہ آپ ان عام الزامات سے بری الذمہ ہیں جو آپ پر لگائے گئے ہیں۔

(۴) اسی احساس کی بنا پر اس نے آپ کو رہا کیا اور معذرت کی۔

(۵) حضرت مجدد کے بعض معاصرین علماء و فضلاء نے آپ کی تحاریر کا رد لکھا۔

اسی زمانے یعنی ۱۰۹۳ھ میں (حضرت مجدد کے صاحب زادگان کے وصال کے بعد) محمد صالح گجراتی نے حضرت مجدد کی ہمہ گیر شہرت سے جل کر مکتوبات شریف کے بعض اقتباسات میں تحریف کر کے ایک رسالہ مرتب کیا جس کا نام اشتباہ رکھا اور پھر اس کو سید محمد برزنجی کے پاس مدینہ منورہ بھیج دیا چناں چہ موصوف نے اس کا رد لکھا اور اس کا نام ابراد البرزنجی رکھا[۲]

---

[۱] سید محمد برزنجی نے اپنے رسالے الناشرۃ الناجرۃ میں لکھا ہے کہ محمد صالح اورنگ آبادی نے حضرت مجدد کے رد میں ایک نہیں "چند رسائل در رد آں نوشتہ" یہ رسائل ۱۰۹۳ھ سے قبل لکھے گئے (احوال و آثار عبداللہ خویشگی، ص۔ ۱۶۱)

[۲] ابوالبیان محمد داؤد پسروری: سیرت امام ربانی مطبوعہ امرتسر، ۱۹۲۵ء/۱۳۴۳ھ، ص ۱۹۸

نوٹ:۔ مولوی وکیل احمد سکندر پوری نے ابراد البرزنجی کے جواب میں ھدیہ مجددیہ (فارسی) اور الکلام المنجی جد ایرادات البرزنجی (عربی) —— اور اشتباہ کے جواب میں انوار احمدیہ تحریر فرمایا —— اسی نام سے محمد سلیمان عاجز کی ایک کتاب حضرت مجدد کے حالات پر ۱۹۶۳ء میں حیدر آباد سندھ سے شائع ہوئی تھی اور اسی نام سے مولانا نظر محمد سومرو مرحوم نے تین جلدوں میں سندھی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے جس کی دوسری جلد حضرت مجدد کے حالات پر ہے اس کا نام ہے الانوار الاحمدیہ (بقیہ برصفحہ ۳۶۰)

صاحب نزہتہ الخواطر حکیم عبدالحی لکھنوی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ محمد صالح اورنگ آبادی اور ان کے دوست محمد عارف اور عبداللہ سورتی نے ایک سوال بنایا جس میں حضرت مجدد کے اقوال اپنی سمجھ اور مدعا و مقصود کے مطابق پیش کیے اور اس کو مدینہ منورہ کے ایک مجاور سید محمد برزنجی کو بھیج دیا۔ سید محمد برزنجی نے اس سوال پر فتویٰ تکفیر دیا۔ اور قاضی مدینہ منورہ اور دوسرے فقیہوں سے اس کی تصدیق کرانا چاہی مگر انہوں نے انکار فرمایا چنانچہ وہ مکہ معظمہ آیا اور یہاں بعض علماء نے ناواقفیت کی بنا پر تصدیق فرمادی لیکن بعد میں اصل مکتوبات منگوا کر تقابل کرنا چاہا چنانچہ شیخ نورالدین محمد بیگ نے ان تمام فارسی مکتوبات کو جمع کیا جن کے اقتباسات سوال میں موجود تھے اور ان کا عربی ترجمے سے مقابلہ کیا تو پتہ چلا کر سائل نے بعض الفاظ کو چھوڑ دیا ہے اور بعض الفاظ زیادہ کر دیئے گئے ہیں چنانچہ انہوں نے ایک رسالہ لکھا جس میں حضرات نقشبندیہ کی مصطلحات کی تشریح اور شیخ احمد کے مقاصد کی وضاحت کی پھر مکتوبات کا عربی ترجمہ کیا اور بدگمانیوں سے پردے اٹھا دیئے (نزھتہ الخواطر، ج ۵، ص ۵)

راقم کے پاس حضرت مجدد کے خلاف فتویٰ تکفیر اور پھر اس کے رد پر مشتمل ایک نادر مخطوطہ ہے جو ۱۱۹۴ھ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ابن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) کے ایماء پر حضور اللہ نامی کاتب نے لکھا تھا۔ اس کے مطالعے سے بعض اہم باتوں کا علم ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۰۹۳ھ میں ہندوستان سے علمائے حرمین شریفین کے پاس ایک استفتاء آیا جس میں حضرت مجدد کے مکتوبات شریف کی تینوں مجلدات کے مختلف اقتباسات کے بارے میں ۳۲ سوالات کیے گئے تھے (غالباً یہ وہی استفتاء ہے جو محمد صالح اورنگ آبادی نے سید محمد برزنجی کو بھیجا تھا)۔ سید محمد برزنجی نے ان سوالات کے جوابات لکھے اور ان اقوال کی بنیاد پر حضرت مجدد

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۳۱۸) فی حالات مشائخ نقشبندیہ مطبوعہ کراچی، ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء، ۱۰۹۵ھ / ۱۶۸۴ء میں حسن بن مراد التونسی المکی نے حضرت مجدد کی حمایت میں رسالہ لکھا۔ "نصرت النادی فی نصرت الشیخ احمد السرہندی (مسودہ)

کے خلاف ، اکفر کے فتوے لگائے ۔ یہ سوالات وجوابات اس مخطوطہ میں موجود ہیں ۔ سید محمد برزنجی نے اس فتویٰ میں اپنے ایک رسالے قدح الزند وقدح الزند[1] کا بھی ذکر کیا ہے ۔ سید محمد برزنجی کے فتوے پر ان تین علماء کے دستخط ثبت ہیں :۔

(۱) محمد بن عبد اللہ القدامی المغربی المالکی نزیل مکہ
(۲) شیخ قاسم آفندی الرومی ثم المکی
(۳) شیخ محمد ابی السروری البہوی الحنبلی

شیخ محمد بیگ نے سید محمد برزنجی کے فتویٰ تکفیر کا رد لکھا اور اس نام سے معنون کیا :۔

عطیۃ الوھاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب

یہ رسالہ ۱۰" × ۶" سائز کے ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے ، ۱۸ ربیع الاول ۱۰۹۴ھ کو شیخ محمد بیگ نے تحریر کیا اور مندرجہ ذیل علماء کرام نے اس پر اپنی تصدیقی و توثیقی دستخط ثبت فرمائے :۔

(۱) شیخ احمد شبشی مصری ازہری شامی
(۲) مفتی مکہ عبد اللہ آفندی عتاقی
(۳) مفتی سلطانی سید اسعد حنفی مدنی
(۴) مفتی شافعی امام علی طبری
(۵) امام مالکی عبد الرحمن بن محمد صالح
(۶) قاضی زادہ شیخ عید امام حنفی
(۷) شیخ حسن تونسی مغربی
(۸) شیخ قاسم سخندار حنفی

---

[1] مولوی وکیل احمد سکندر پوری نے انوار احمدیہ میں لکھا ہے کہ برزنجی نے اپنا فتویٰ قدح الزند وقدح الزند فی رد جہالات اہل سرہند جب محمد صالح گجراتی کے پاس بھیجا تو اس نے بعض اضافوں کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا (غالباً فارسی میں) اور اس کا نام مکاشفۃ الاسرار ... رکھا (انوار احمدیہ مطبوعہ دہلی ۱۳۱۲ھ ، ص ۔ ۳۴)

⑨ قاضی مرشد حنفی

⑩ سید علی آفندی

ان علماء و فضلاء نے تصدیق کے ساتھ ساتھ حضرت مجدد کو بڑے القاب و آداب سے نوازا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حرمین شریفین میں جہاں چند مخالف تھے وہاں بکثرت علماء حضرت مجدد کی تعریف میں اطب اللسان تھے اور آپ کی علو مرتبت کے دل سے قائل ان شاء اللہ اس مخطوطے پر اپنی مبسوط تصنیف میں تفصیلی بحث کریں گے۔

دیگر حضرات :

فاضل نوجوان محمد اقبال مجددی نے حضرت مجدد کے اقوال کے رد میں متعدد رسائل کا ذکر کیا ہے مثلاً

① ابو علی حسن بن علی مکی عجمی :- العصب الھندی لاستیصال کفریات احمد السرہندی تالیف ۱۰۹۲ھ

② محمد بن رسول برزنجی : سالنا شرۃ الناجوۃ للفرقۃ الفاجرۃ (تالیف ۱۰۹۳ھ)

③ التمتۃ المسئلۃ المھمہ (تالیف ۱۰۹۴ھ) مصنف نامعلوم

④ کاسر المخالفین (دسویں یا گیارہویں صدی ہجری) مصنف نامعلوم

عبد اللہ خویشگی قصوری نے حضرت مجدد کے خلاف چار فتووں کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے :-

> چوں کہ علمائے عرب و عجم نے ان کے (حضرت مجدد) رد میں چار فتوے لکھے ہیں اور یہاں سب کا نقل کرنا موجب طوالت ہوگا۔ اس لیے اختصار کی وجہ سے صرف ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے [1]

اس فتوے کا مستفتی کوئی عبد الوہاب (مرید شاہ جیلاں) ہے ۔ اس فتوے پر پاک و ہند کے ۳۴ علماء کے دستخط ثبت ہیں ۔ یہ کس پایہ کے علماء تھے ؟ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

---

[1] عبد اللہ خویشگی قصوری : معارج الولایت فی مدارج الہدایت (۱۰۶۴ھ / ۱۰۹۴ھ)، ورق ۵۹۹ بحوالہ احوال و آثار عبد اللہ خویشگی، ص ۔ ۱۸۵

کیوں کہ معاصر تذکروں میں ان حضرات کا ذکر نہیں البتہ اس سے مخالفت کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

خواجہ محمد نقشبند ثانی علیہ الرحمہ (م ۱۱۱۵ھ) ابن خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے بھی ایک استفتاء کا ذکر فرمایا ہے[1] ممکن ہے محولہ بالا چار استفتاء میں سے کوئی ہو یا یہ کوئی دوسرا استفتاء ہو۔

المختصر حضرت مجدد کے مخالفین نے مخالفت اور مزاحمت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن حضرت مجدد کا پیغام شدید مزاحمت کے باوجود پھیلتا ہی چلا گیا ؎

ایک ہی جست میں لی منزل مقصود اس نے

راہبر در شک کی جاہے سفر پروانہ

حضرت مجدد، ان کے صاحبزادگان، نبیرگان، مریدین و متوسلین اور خلفاء نے اعتراضات والزامات کے مسکت جوابات دیئے ہیں۔ چناں چہ ملا بدرالدین سرہندی نے حضرات القدس میں اور محمد امین بدخشی نے مناقب احمدیہ و معصومیہ میں حضرت مجدد کے رد پر رد لکھا ہے۔ حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمہ اس سلسلے کی بعض اہم تحاریر کی طرف اشارہ فرمایا ہے چناں چہ آپ تحریر فرماتے ہیں :-

ناسمجھوں نے حضرت مجدد کے کلام پر جو اعتراضات کیے تھے ان کے جوابات تو خود آپ نے مکتوبات شریف میں تحریر فرما دیئے ہیں، دوسروں کو ضرورت ہی نہیں کہ جواب لکھیں پھر بھی ان کے صاحبزادگان اور مخلصین نے ان اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں مثلاً حضرت خواجہ محمد یحییٰ (ابن حضرت مجدد) شیخ محمد فرخ (ابن خواجہ محمد سعید ابن حضرت مجدد) خواجہ عبدالاحد (ابن خواجہ محمد سعید ابن حضرت مجدد) مرزا محمد بیگ بدخشی (مکہ شریف)، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور دوسرے بہت سے احباب و مخلصین نے رد لکھا ہے[2]

---

[1] عمادالدین محمد: وسیلۃ القبول (حصۂ اول، مکتوب نمبر ۱۱۸، ص ۱۸۴

[2] شاہ غلام علی: رسالہ در دفع اعتراضات در کلام حضرت مجدد علیہ الرحمہ (قلمی) مالعد ۱۲۴۰ھ

نوٹ:- حضرت مجدد پر رد و قدح کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ (باقی صفحہ نمبر ۳۶۳)

حرفِ آخر:

اب ہم اس صبر آزما بحث کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ (م ۱۱۷۶ھ) کے کلام بلاغت نظام پر ختم کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ حضرت مجدد کے رسالہ ردِ روافض کے عربی ترجمے کی تمہید میں فرماتے ہیں:۔

ولقد جرت علی الامام قدس سرہ سنۃ اللہ تعالیٰ وعادتہ فی انبیائہ واولیائہ من قبل من الابتلاء بایذاء الظلمۃ والمبتدعین وانکار الفقہاء المتقشفین وذلک یزید اللہ سبحانہ فی درجاتہ ویلحق بہ الحسنات من بعد وفاتہ ومنشاء الانکار فی کلماتہ عدم الوقوف علی مقاصدہ العالیہ ومصطلحاتہ السامیہ فحمل السکر دن کلامہ علی غیر محملہ وبالغوا فی الانکار والتشنیع علیہ قدس سرہ والحق ان اصول کلماتہ واساس مقاماتہ مما تواردہ علیہ محققوا اھل الذوق والکشف عن اٰخرھم غیر ان للاشارات

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۳۲۲) محترم مولانا عبد الحکیم شرف قادری (اشاعت العلوم، چکوال) کی عنایت سے حکیم فیض عالم صدیقی راجوری کی کتاب "اختلاف امت کا المیہ" (ص ۴۷۹-۴۸۶، حصہ دوم، مطبوعہ گجرات ۱۹۷۲ء) نظر سے گزری۔ فاضل مؤلف نے حضرت مجدد کے افکار وخیالات اور آپ کی مبارک سیرت پر نہایت غیر مؤرخانہ، غیر معقول اور غیر شائستہ بحث کی ہے، موصوف نے رود کوثر، روضۃ القیومیہ اور تزک جہاں گیری سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ یہ کتابیں افراط وتفریط کا شکار ہیں اور اس لائق نہیں کہ ان سے استدلال کیا جائے، فاضل مؤلف نے جس انداز سے بحث کی ہے وہ شاید متعصب اور تنگ نظر حضرات کو مطمئن کر سکے لیکن انصاف پسند طبائع مطمئن نہیں ہو سکتیں۔ ان شاء اللہ ہم حضرت مجدد کی بسیط سوانح میں اس کتاب پر سیر حاصل تنقید کریں گے ـــــ مسعود

یستعظمہما من یفہمہا وہو اہلہا ویبالغ فی التنکیر علیہا من لا یعرف وہو محروم من برکاتہا فلا حاجۃ لنا الی الذب والدفع عن الامام الہمام رضی اللہ عنہ ولا الی اقامۃ الدلائل.. العقلیۃ والنقلیۃ علی جواز ما ادعاہ ـــــــ وبالجملہ قد بلغ امرہ الی ان لا یحبہ الا مؤمن تقی ولا یبغضہ الا فاجر شقی [1]

فاصبحتم بنعمته اخوانا

---

[1] شیخ محمد مراد بن عبداللہ القزانی: نفائس السانحات فی تذییل الباقیات الصالحات (برحاشیہ رشحات عین الحیات للحسین واعظ الکاشفی الہروی) مطبوعہ مطبعۃ المیریۃ المکیۃ، ۱۳۰۷ھ، ص۔ ۲۹ و ۳۰

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (القرآن الحكيم) بخط ثلث جلی

صُعُود و عُرُوج

احادیث کی نظر میں

- علماء و صوفیہ کی نظر میں
- مفکرین مشرق کی نظر میں
- محققین مغرب کی نظر میں
- محققین مشرق کی نظر میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے ! !
وہ فقر جس میں ہو بے پردہ روح قرآنی

جس کو خدا بڑھانا چاہے اُسے کون گھٹا سکتا ہے ؟ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون [1]

عناد و مخالفت کی ہزار آندھیوں کے باوجود، ان کے چہرے پر کوئی خاک نہ ڈال سکا، وہ چمکتا رہا، وہ دمکتا رہا، اور اس کی چمک دمک سے، اس کے چہرے چمکتے رہے وہ اپنے وقت کے بدرِ کامل تھے، دیکھو دیکھو اقبال کس لجاجت و عاجزی سے التجا کر رہا ہے ؎

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!

جب خدا کو کسی کا نام روشن کرنا ہوتا ہے تو روشنی کے سامان بھی مہیا ہو جاتے ہیں ——— خواجہ محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ مرے دل میں یہ بات آئی کہ اے کاش اکابر علماء وقت میں سے کوئی حضرت مجدد کی مجددیت کی تائید فرما دے اور "مجددِ الف" تسلیم کر لے ——— دل میں یہی بات لیے ہوئے ایک روز حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس فقیر کو مخاطب کر کے فرمایا :-

"مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی [2] نے دکہ علوم عقلیہ و نقلیہ اور بلند پایہ تصانیف کے لحاظ سے ہندوستان

---

[1] التوبہ۔ ۳۲

[2] پاکستان کے مشہور محقق سید ہاشمی فرید آبادی، مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کے حالات میں لکھتے ہیں :-

جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں ملا عبد الحکیم سیالکوٹی نے بڑی ناموری پائی، عام انعام و معاش کے علاوہ دو مرتبہ شاہجہان نے ہم وزن روپیہ علمی خدمات کا صلہ پیش کیا، سو برس بعد علامہ آزاد بلگرامی نے سفر حجاز سے واپس آکر گواہی دی کہ ملا صاحب کی متعدد تصانیف بلاد عرب و عجم (باقی بر صفحہ ۳۶۷)

میں کوئی ان کا ثانی نہیں) مجھے ایک خط لکھا تھا،

پھر مسکرا کر فرمایا:۔

جو آداب و القاب لکھے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا "مجدد الالف ثانی"[1]

صاحب مناقب الحضرات محمد امین بدخشی نے براہِ راست مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے یہ بات نقل کی ہے:۔

حضرت مجدد سے میری ارادت کا سبب یہ ہے کہ ایک رات میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے یہ آیت شریفہ میرے سامنے پڑھی:۔

قل اللّٰہ ثم ذرھم

پڑھتے وقت ایسا تصرف فرمایا کہ میرا دل ذاکر ہو گیا۔ ایک مدت حضوری کی کیفیت قائم رہی حتیٰ کہ خدمت میں حاضر ہو کر تلقین و تعلیم باطنی حاصل کی اور روحانی ترقیاں حاصل کیں۔[2]

محمد امین بدخشی لکھتا ہے:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر)

میں دائر و سائر ہیں، ہمارے زمانے میں حافظ عبدالرحمٰن امرتسری نے ممالکِ اسلامیہ کی سیر کی تو ڈھائی سو برس گزرنے پر بھی ان کی افادیت اور مقبولیت میں فرق نہ آیا تھا۔

(تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت، مطبوعہ کراچی، ، ص۔ ۵۸۷)

۱۰۶۷ھ میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا انتقال ہوا۔ عہد شاہجہانی کے مورخین شلاً عبدالحمید لاہوری نے بادشاہ نامے (مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۶۷ء، ص۔ ۳۴۱) اور محمد صالح کنبوہ نے شاہجہاں نامے (جلد سوم مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء، ص۔ ۳۷۷) میں آپ کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔

(حواشی صفحہ ہذا)

[1] وکیل احمد سکندرپوری، ہدیہ مجددیہ، مطبوعہ دہلی، ۱۳۰۹ھ، ص۔ ۹۸

[2] محمد امین بدخشی، مناقب الحضرات (۱۰۷۰ھ) مخطوطہ ۱۱۲۷ھ لندن، ورق۔ ۱۷۴

اوّل کسے کہ حضرت ایشاں را بخطاب مجدد الف ثانی یاد کرد، ایشاں بودندؒ"۔
شیخ عبداللہ قطب بن محی الدین خرقانی اویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے لیے پیش گوئی فرماتے ہیں:۔
صاحب آنۃ عاشر ظہور او در سنہ الف خواہد بود شان او، شان غریب عجیب
سلام اللہ علی ذکرہ العالمین والحمد للہ رب العالمین[2]

احادیث کی نظر میں

ہماری عقل نارسا کا عجیب حال ہے، ہم ہمیشہ اوّل کو آخر پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ساری عظمتیں، ساری شوکتیں، ساری کرامتیں صرف اگلوں کا حصہ تھیں، پچھلوں کو اس سے کوئی علاقہ نہیں، حالاں کہ حدیث شریف اس امکان کو صاف صاف ظاہر کر رہی ہے کہ امت محمدیہ میں آخر بھی اوّل سے بہتر ہو سکتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

مثل امتی کمثل المطر لا یدری اولھا خیر ام آخرھا[3]

ترجمہ:۔ میری امت کی مثال بارش کی سی ہے، نہیں معلوم اس کا اوّل حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

---

[1] محمد امین بدخشی، مناقب الحضرات (۱۰۰۷ھ) مخطوطہ ۱۱۴۰ھ، لندن، ورق ۴-۱۷
[2] مکتوبات شیخ عبداللہ قطب (قلمی مکتوبہ ۱۰۸۶ھ / ۱۲۸۳ھ) مکتوبات کا قلمی نسخہ خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ ہری پور ہزارہ (پاکستان)، کے سجادہ نشین قاضی صدر الدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے کتب خانے میں ہے۔ راقم کو یہ حوالہ استاد محترم حضرت مولنا محبوب الٰہی صاحب مدظلہ العالی کی عنایت سے ملا۔
(مسعود)
[3] ترمذی شریف بحوالہ جواہر مجددیہ مؤلفہ خواجہ احمد حسین، مطبوعہ لاہور، ص ۴۴

اس حدیث پاک کی روشنی میں تمام روحانی عظمتوں اور بلندیوں کو صرف سابقین کا حصہ سمجھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے ۔ اعتقاد و محبت سے قطع نظر اگر تاریخی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آخرین میں ایسے ایسے علماء نظر آئیں گے جو بعض حیثیات سے سابقین پر فوقیت رکھتے ہیں ، اسی طرح اولیاء اللہ میں بھی ایسے ایسے اولیاء نظر آئیں گے جو اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے سابقین پر فوقیت رکھتے ہیں ، اور یہ بات حدیث پاک کے منشاء کے عین مطابق ہے ۔ اللہ غالباً ایک دوسری حدیث میں انہیں اولوالعزم آخرین علماء و صوفیاء کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے :-

حدیث مجدد مائۃ :

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد مولیٰ تعالیٰ برابر اپنی مخلوق کے قلب و نظر کا نگراں ہے ، سلسلۂ نبوت و وحی کے ختم کیے جانے کا یہ ہرگز مقصد نہیں کہ ابد الآباد تک فیض کے دروازے بند ہو گئے ، نہیں نہیں وہ تو کھلے ہیں اور ایسے کھلے ہیں کہ کبھی بند نہ ہوں گے ، دیکھیے ارشاد ہوتا ہے :-

ان اللہ (عزوجل) یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا[1]

---

[1] ا ۔ سنن ابی داؤد ، جلد دوم ، مطبوعہ دہلی ، ص ۔ ۲۴۱
ب ۔ حاکم : مستدرک ، جلد چہارم ، ص ۔ ۵۲۲
ج ۔ ملا علی قاری : مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ، جلد اول ، ص ۔ ۲۰۲
د ۔ طبرانی : معجم اوسط
ہ ۔ کنز العمال ، جلد ششم ، ص ۔ ۲۳۸
و ۔ عبدالحی لکھنوی : مجموعۃ الفتاویٰ ، جلد دوم ، ص ۔ ۱۵۱
ز ۔ ونسنک وتبیخ : المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی ، مطبوعہ لیڈن ، ستمبر ۱۹۴۳ء ص ۹۲

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آغاز میں ایک شخص مبعوث فرمائے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔

اس حدیث پاک کے بارے میں جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ (م۔ ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) فرماتے ہیں :۔

"حفاظ حدیث اس کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں"[1]

مجدد وقت کا سب سے اہم فریضہ یہی ہے کہ وہ تجدید دین کی مہم سر کرے لیکن ملا علی قاری علیہ الرحمہ (م۔ ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) نے فرائض مجدد کو اس طرح پیش فرمایا ہے :۔

جو سنت و بدعت میں امتیاز کر دکھائے، علوم کے دریا بہائے، علماء کی عزت کرے، بدعات کا قلع قمع کرے، اور اہل بدعت کو ذلیل و رسوا کر دے[2]

ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی اس وضاحت کی روشنی میں حضرت مجدد کی سیرت مبارکہ کو پرکھا جاسکتا ہے۔ عہد مجدد کی انقلاب انگیزیاں اور فتنہ سامانیاں اس امر کی متقاضی تھیں کہ اصلاح حال کے لیے کوئی مجدد وقت ظاہر ہوا، خود حضرت مجدد نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا۔ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنی تالیف مرج البحرین (اوائل گیارہویں صدی ہجری) میں ایک جگہ اسی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

اب گیارہویں صدی کے سرے پر پہنچ چکے ہیں، دیکھیے یہ سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے، اور یہ معرکہ آرائی کس کو تفویض کی جاتی ہے، اس عظیم الشان کام کیلیے ایسا مرد کامل ہونا چاہیے جو مجاز حقیقت سے واقف ہو اور نصرت و کامیابی

---

[1] جلال الدین سیوطی : مرقاۃ الصعود بحوالہ سیرت امام ربانی، ص ۔ ۴۰

[2] ا :۔ ملا علی قاری : مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد دوم، ص ۔ ۳۰۲

ب :۔ عبد الحق محدث دہلوی : لمعات التنقیح (عربی)، ص ۔ ۲۹۳

ج :۔ " " " : اشعۃ اللمعات (فارسی)، جلد اول، ص ۔ ۱۸۲

د :۔ عبد الحی لکھنوی : مجموعۃ الفتاوی، جلد دوم، ص ۔ ۱۵۱

اس نے قدم چومے، اور عوام الناس کو اپنی قوت کار اور قوت تصرف سے اس طرح راہ راست پر لائے کہ کسی کو سرتابی کی جرأت نہ ہو، خاص کر ان لوگوں کی سرزنش بہت ضروری ہے جنہوں نے حقیقت (دین محمدی) کو لہو ولعب سمجھ کر مذاق بنا رکھا ہے اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے ہے[1]

حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ کے اس معیار کی روشنی میں سیرت مجددی کا جائزہ لیا جائے تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد کامل آپ ہی ہیں جن کے فرق مبارک پر تاج مجددیت رکھا گیا، چنانچہ فاضل جلیل علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) اور بڑے بڑے علماء میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) وغیرہ نے آپ کی اس عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

حدیث کے الفاظ "علی رأس کل مائۃ سنۃ" کی مختلف علماء فقہا نے مختلف تعبیریں کی ہیں۔ مثلاً:

1. مجدد وقت صدی کے آخر میں یا شروع میں ہوگا (ملا علی قاری)
2. صدی کے آخر میں یا قریب آخر ظاہر ہوگا (شیخ عبدالحق محدث دہلوی)
3. مجدد کے لیے ضروری ہے کہ ایک صدی کا آخر یا دوسری صدی کا اول پائے اور شریعت کو زندہ کرے۔ (مولانا عبدالحی لکھنوی)
4. سنہ ہجری سے صدی کا تعین مناسب نہیں کیونکہ یہ سنہ تو حضرت عمر کی ایجاد ہے اس لیے یہ مفہوم لینا مناسب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر دور اور ہر قرن میں مجدد بھیجے گا۔ (بعض محققین)

دوسری احادیث میں بھی "رأس مائۃ سنۃ" آیا ہے اور وہاں سے مطلق صدی مراد لی گئی ہے، نہ کہ صدی باعتبار سنہ ہجری۔ مثلاً بخاری شریف میں یہ حدیث آتی ہے:

صلی النبی صلی اللہ علیہ ... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، مرج البحرین (ترجمہ اردو) مطبوعہ لاہور، ص ۸۰۔

وسلم العشاء فی آخر حیاته،	عمر میں (ایک مرتبہ) نماز عشاء پڑھائی، جب
فلما سلم، قام، قال ارایتکم	سلام پھیر چکے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا
لیلتکم ھذہ فان راس مائۃ	"دیکھو! آج کی رات سے سو برس کے آخر تک
سنۃ" فیھا لا یبقی ممن ھو علی	کوئی شخص جو زمین میں ہے زندہ نہ رہے گا۔
ظھر الارض احد[1]	

بہرکیف حدیث تجدید سے یہ مراد لینا مناسب ہوگا کہ مجدد دین مطلق صدی میں ظاہر ہوں گے یعنی دو مجددین کے درمیان فاصلہ زمانی قریب قریب ایک صدی ہوگا، عین ممکن ہے کہ اس درمیانی عرصہ کا اختتام ہجری صدی کے آخر یا شروع میں ہو۔

بعض حضرات نے حدیث کے لفظ 'من' کی بھی مختلف تعبیریں کی ہیں، لفظ 'من' واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے اس لیے یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ ایک ہی صدی میں ایک سے زیادہ مجدد پیدا ہوں[2] دین اپنے معنی کے لحاظ سے بڑا وسیع ہے کسی ایک شخص کا تمام علوم دینیہ پر حاوی ہونا اور نہ صرف حاوی ہونا بلکہ اس میں مرتبہ تجدید حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اسی لیے بعض علماء نے نہ صرف ایک سے زیادہ مجدد بلکہ جماعت مجددین کے احتمال کا اظہار فرمایا ہے[3]

---

[1] بخاری شریف، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص۔ ۱۳۵

[2] بعض حضرات نے ہر صدی کے مجدد کا تعین فرما دیا ہے مثلاً:۔

ا۔ مجمع بحار الانوار، جلد اول، ص۔ ۱۷۷

ب۔ قصیدہ علامہ جلال الدین سیوطی (مقدمہ جامع المجددین، ص۔ ۲۲ و ۲۳)

[3] تفصیلات کے لیے ان ماخذ کی طرف رجوع کیا جائے:۔

ا:۔ مجمع بحار الانوار، جلد اول، صفحہ: ۱۷۷

ب:۔ مجموعۃ الفتاوی، جلد اول، ص۔ ۱۵۳

ج:۔ اشعۃ اللمعات، جلد اول، ص۔ ۱۸۲

د:۔ لمعات التنقیح، جلد اول، ص۔ ۲۹۳

حدیث مجدد الف:

حدیث پاک سے "مجدد مائۃ" کی تصدیق تو ہوگئی لیکن یہ نہیں معلوم ہوا کہ "مجدد الف" کی بھی کوئی حقیقت ہے۔ خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ،[1] مولانا عبدالحکیم[2] اور قاضی ثناء اللہ[3] پانی پتی وغیرہم نے مجدد مائۃ اور مجدد الف کے فرق کو محسوس کیا ہے اور بیان کیا ہے، اس لیے اس کی کوئی حقیقت ہونی چاہیے۔ ممکن ہے کہ اس کی بنیاد یہ حدیث ہو جو صاحب روضۃ القیومیہ نے نقل کی ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبعث اللہ رجلا علی راس احد عشر مائۃ سنۃ، ھو نور عظیم، اسمہ اسمی، بین السلطانین الجابرین ویدخل الجنۃ بشفاعتہ رجال الوفا[4]

گیارہویں صدی کے شروع میں اللہ تعالیٰ دو جابر بادشاہوں کے درمیان ایک ایسا شخص بھیجے گا جو میرا ہم نام ہوگا، نور عظیم الشان ہوگا، ہزاروں انسان اس کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے۔

---

[1] حضرت مجدد اپنے خلیفہ میر محمد نعمان (م ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) کو تحریر فرماتے ہیں:۔
اما بعد مجدد مائۃ دیگر است و مجدد الف دیگر چنانچہ درمیان مائۃ والف فرق است درمیان مجددین اینہا ہماں قدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں۔
(مکتوبات امام ربانی، جلد دوم۔ مکتوب نمبر ۴)

[2] مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے سب سے پہلے "مجدد الف ثانی" تحریر فرمایا۔
(زبدۃ المقامات، ص۔ ۹۸)
نظامی بدایونی کا یہ بیان صحیح نہیں کہ حضرت مجدد "یقین کرتے تھے کہ دوسرے ہزار سال کا مجدد میں ہوں۔" (قاموس المشاہیر، جلد اول، مطبوعہ ۱۹۲۴ء بدایوں، ص۔ ۶۷)

[3] قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شاہ غلام علی نے بھی مجدد الف ثانی تحریر فرمایا ہے (باقی برصفحہ

حدیث پاک میں "رجل موعود" کی پانچ خوبیاں بیان کی ہیں :-

(۱) گیارہویں صدی کے شروع میں ہوگا۔
(۲) نورِ عظیم ہوگا
(۳) اس کا نام میرے نام پر ہوگا
(۴) دو جابر بادشاہوں کے درمیان ہوگا۔
(۵) اس کی شفاعت سے ہزاروں انسان جنت میں داخل ہوں گے۔

اب ذرا ان خصوصیات کو حضرت مجدد کی سیرت مبارکہ میں تلاش کیا جائے :-

(۱) حضرت مجدد اگرچہ ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے لیکن آپ کی اصلاحی کوششوں کا آغاز گیارہویں صدی کے شروع میں ۱۰۱۲ھ کے بعد ہوتا ہے۔
(۲) حضرت مجدد دو جابر بادشاہوں یعنی جلال الدین محمد اکبر بادشاہ اور نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کے درمیانی عہد میں میدان میں آئے۔
(۳) حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ جب کابل سے ہندوستان روانہ ہوئے تو دہلی جاتے ہوئے آپ نے سرہند شریف میں چراغ عظیم، ملاحظہ فرمایا جس کا ذکر آپ نے خود حضرت مجدد سے کیا[۱] اس کے علاوہ خود حضرت مجدد نے وہ چراغ عظیم، محسوس کیا اور جہاں محسوس کیا اس مقام کے بیے فرمایا :-

"روضة من ریاض الجنة"

(بقیہ حواشی)

(الف) ثناء اللہ پانی پتی : ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۱ھ، ص-۹۳،

(ب) شاہ غلام علی : مکاتیب شریفہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۱ھ، مکتوب اول)

[۴] خواجہ کمال الدین محمد احسان : روضۃ القیومیہ، رکن اول، مطبوعہ لاہور، ص ۳۷، ۳۸)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] محمد ہاشم کشمی : زبدۃ المقامات، ص - ۱۴۱

مزید برآں صاحب روضۃ القیومیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک 'نورِ عظیم' نظر آیا، الہام ہوا کہ یہ نور آپ کے پانسو سال بعد ظاہر ہوگا اور دین اسلام کی تجدید کرے گا چنانچہ آپ نے اپنا خرقہ مبارک نسبتِ خاصہ کے ساتھ اپنے خلیفہ کو عنایت فرمایا کہ جب وہ نور ظاہر ہو تو یہ خرقہ اس کو دے دینا، یہ خرقہ نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا چلا آیا حتیٰ کہ حضرت شاہ سکندر نے حضرت مجدد کو پہنایا[1] جس کے پہنتے ہی آپ نے عجیب روحانی کمالات اور انشراحِ صدر محسوس فرمایا۔

(۴) حضرت مجدد کا اسم گرامی 'احمد' تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف 'احمد' تھا۔

(۵) حضرت مجدد نے خود ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ کو مقام شفاعت پر فائز کیا گیا اس کے علاوہ یہ حقیقت تو اظہر من الشمس ہے کہ آپ نے ہزاروں کفار و مشرکین کو مشرف باسلام فرمایا اور ہزاروں گمراہوں کو صراطِ مستقیم دکھائی، اور اس طرح ایک مخلوق جنت کی طرف رواں دواں ہوگئی۔

حدیث صلہ:

اس مرد کامل کو جس کے طفیل ہزاروں انسان جنت میں داخل ہوں گے ایک اور حدیث میں "صلہ" سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ حدیث جلال الدین سیوطی نے جوامع الجوامع میں نقل فرمائی ہے

یکون رجل فی امتی یقال لہ	میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کو صلہ
صلۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ	کہا جائے گا، اس کی شفاعت سے اتنے
کذا و کذا[2]	اتنے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت مجدد نے ایک مکتوب شریف میں تحدیث نعمت کے طور پر ارشاد فرمایا ہے:۔

الحمد للہ الذی جعلنی صلۃ بین البحرین و مصلحا بین

---

[1] کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ، ص۔ ۴۴

[2] جلال الدین سیوطی: جوامع الجوامع بحوالہ جواہر مجددیہ، ص۔ ۱۵

الفئتین اکمل الحمد علی کل حال والصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام[1]

تحقیق حدیث مجدد الف:

"مجدد الف" سے متعلق جو حدیث اوپر پیش کی گئی وہ صاحب روضۃ القیومیہ نے، جامع الدرر کے حوالے سے پیش کی ہے اور اس حدیث کو متقدمین صوفیائے کرام کی بشارت سے مزین کیا ہے مثلاً احمد جام ژندہ پیل (مقامات)، شیخ ظہور الدین ابن احمد جام (رموز العاشقین) مولانا عبدالرحمٰن جامی (نفحات الانس)، حضرت داؤد قیصری شارح فصوص الحکم (مقدمہ قیصری)، شیخ خلیل اللہ بدخشی (مقامات) وغیرہ وغیرہ۔

چوں کہ روضۃ القیومیہ کوئی مستند کتاب نہیں اس لیے راقم نے اپنے طور سے جامع الدرر، اس کے مصنف اور اس حدیث کی تحقیق کی جس کی تفصیل یہ ہے:۔

تحقیق کے بعد پتا چلا کہ جامع الدرر نام کی کئی کتابیں ہیں، ابتدا میں ان دو کتابوں کا علم ہوا

(۱) خضر بن محمد حبل رودی، جامع الدرر فی شرح الباب الحادی عشر

(۲) عبدالحسن قیصری: جامع الدرر (منظومۃ فی الفرائض)[2]

ادارۂ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) میں ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کو لکھا انہوں نے مندرجہ بالا دو کتابوں کے علاوہ مزید دو کتابوں کی نشاندہی فرمائی؛[3]

(۳) حسن بن محمود دامغانی حنفی: جامع الدرر (فروع حنفیہ)

(۴) بدر الدین دمامینی؛ جامع الدرر (لغت)

مولانا عبدالحلیم چشتی (شعبۂ عربی، کراچی یونیورسٹی) کو بھی لکھا مگر انہوں نے تحریر

---

[1] حضرت مجدد: مکتوبات شریف، جلد دوم، مکتوب نمبر ۶ (بنام خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ)

[2] اسمٰعیل پاشا بغدادی، ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، مطبوعہ استانبول ۱۹۴۵ء ۱۳۶۴ھ ص ۲۵۳

[3] مکتوب محررہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۲ء از اسلام آباد

فرمایا "جامع الدرر" کو تلاش کیا لیکن اس کا سراغ نہ لگ سکا[1]۔ مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی (انجمن دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ) کو بھی لکھا۔ انہوں نے عبد الحسن تیسیری کی جامع الدرر کی نشاندہی فرمائی[2] جو پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی۔ اس تحقیق کے بعد نہ صرف حدیث کا بلکہ خود ایک معین جامع الدرر کا پتا لگانا مشکل ہوگیا۔ اس سلسلے میں مفتی محمد شفیع صاحب سے بھی رجوع کیا گیا وہاں سے محمد عاشق الٰہی بلند شہری نے جواب دیا:۔

جامع الدرر کوئی معروف کتاب نہیں، نہ حدیث و فقہ میں اس کا نام ملتا ہے، نہ کسی دوسری کتاب میں یہ حدیث نظر سے گزری، اور عبارت کی رکاکت بتلاتی ہے کہ حدیث نبوی نہیں ہو سکتی 'احد عشرہا مئتہ سنتا' کے بجائے 'المأۃ الحادیۃ عشرۃ' ہونا چاہیے، دل کو یہ بات لگتی ہے کہ حدیث وضع کی گئی ہے[3]۔

اس حدیث کے سلسلے میں مولانا یوسف بنوری سے بھی استفسار کیا گیا، چناں چہ وہاں سے مولانا عبد المجید دین پوری نے جو جواب مرحمت فرمایا اس کے بعض نکات یہ ہیں:۔

(۱) جامع الدرر حافظ ابی منصور کی تالیف[4] ہے، اس کا سنہ تالیف معلوم نہیں ہو سکا،

(۲) تلاش بسیار کے باوجود یہ حدیث کسی کتاب میں نہ مل سکی۔

(۳) بظاہر یہ حدیث موضوع معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس کتاب کے علاوہ اور کسی مستند کتاب میں موجود نہیں[5]

ان دونوں جوابات کا لب لباب یہ ہے کہ حدیث موضوع معلوم ہوتی ہے، دلائل یہ ہیں:

---

[1] مکتوب محررہ یکم اکتوبر ۱۹۷۲ء، از کراچی

[2] مکتوب محررہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۲ء، از سیالکوٹ

[3] مکتوب محررہ ۲۵ رجب ۱۳۹۲ھ از دار الافتاء دار العلوم، کراچی

[4] یہ جامع الدرر نام کی پانچویں کتاب ہے

[5] مکتوب محررہ ۱۹۷۲ء از دار الافتاء، مدرسہ عربیہ جامع مسجد نیو ٹاؤن، کراچی

(۱) عبارت کی رکاکت
(۲) مستند کتب احادیث میں نہ ہونا۔

جہاں تک عبارت کی رکاکت کا تعلق ہے محققین جانتے ہیں کہ جب بے احتیاطی کے ساتھ کوئی قول نقل کیا جاتا ہے تو تھوڑے عرصے میں وہ کچھ کا کچھ بن جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات اصلیت قطعیت معدوم ہو جاتی ہے، فاصلۂ زمانی کو نظر انداز کر کے محض عبارت کی رکاکت کی بنا پر رد کر دینا مناسب نہیں ممکن ہے کہ کوئی معقول اصل ہو جو نقل در نقل سے رکیک بن گئی ہو اور جہاں تک مستند کتب حدیث میں نہ ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات سرسری نظر کے بعد نہیں کہی جا سکتی تا آں کہ تحقیق و تلاش کا حق ادا نہ ہو جائے،

بالفرض اس حدیث کو موضوع سمجھ لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ حدیث حضرت مجدد کے بعد بنائی گئی ہو گی کیوں کہ اس میں آپ کی ساری خوبیاں جمع کی گئی ہیں، اور یہ کام سوائے ایک معتقد کے اور کوئی نہیں کر سکتا، جہاں تک معتقدین کا تعلق ہے وہ نہ صرف متبع شریعت بلکہ قامع بدعت تھے ایسے افراد سے ہرگز یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ کسی جعلی قول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنے کے گناہِ عظیم کا ارتکاب کریں گے۔ اس لیے ہمارے خیال میں اس حدیث پر ابھی تحقیق کی گنجائش ہے جامع الدرر نام کی پانچ کتابوں میں اس خاص جامع الدرر کا تعین ضروری ہے جس سے صاحب روضۃ القیومیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے، پھر مؤلف اور راویان حدیث کے احوال پر نظر کی جانی چاہیے تب کہیں جا کر اس حدیث کی صحت و عدم صحت کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہا جا سکتا ہے۔

نوٹ:۔ غالباً شواہد و دلائل کے فقدان کی وجہ سے یہودی فاضل ڈاکٹر فریڈمین نے اپنی انگریزی تالیف شیخ احمد سرہندی، (مطبوعہ مانٹریال، ص۔ ۲۰) میں لکھا ہے:۔

The derived concept of Tajdid-i-alf is apparantly Sirhind's innovation

ترجمہ:۔ بظاہر نظریۂ تجدید الف، خود حضرت مجدد سرہندی کی اختراع معلوم ہوتا ہے۔
مسعود

دوسرے سلاسل کے بعض حضرات نے محض احادیث مبارکہ سے عدم ثبوت کی بنا پر نظریہ 'مجدد الف' کو رد کر دیا ہے اور اس کو بے حقیقت سمجھا ہے حالاں کہ یہ حضرات امور طریقت میں خود ایسے امور کے قائل ہیں جن کا ثبوت احادیث میں موجود نہیں مثلاً نظریۂ اغواث و اقطاب و ابدال اور پھر ایک دوسرے پر ان کی فضیلت ——— حقیقت یہ ہے کہ کشفی حقائق صرف اہل کشف کی تائید پر مانے جاتے ہیں، اگر ان پر ایمان لانا ضروری نہیں لیکن ان کے تسلیم کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، خصوصاً جب کہ یہ قرآن و حدیث سے متصادم نہ ہوں اور ایسی حالت میں ان کو رد کرنا جب کہ علماء و صوفیہ کی ایک جماعت نے ان کو تسلیم کیا ہو، ہر گز مناسب نہیں۔

حضرت مجدد کے 'مجدد الف ثانی' ہونے پر علماء و فقہاء و صوفیہ کی ایک کثیر جماعت متفق ہے پھر ہم اس کو کیسے رد کر سکتے ہیں، ہاں یہ عقیدہ یقیناً خلافِ حدیث ہے کہ الف ثانی میں حضرت مجدد کے سوا کوئی دوسرا مجدد نہیں آئے گا، سو ہمارے خیال میں یہ کسی کا عقیدہ نہیں ——— واقعات و حقائق سے حضرت مجدد کے 'مجدد الف ثانی' ہونے کی تصدیق ہوتی ہے اور تاریخ اس کشفی حقیقت کی تائید کرتی ہے اور اس سے بہتر کس کی تائید ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے حضرت مجدد کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے صحیح لکھا ہے:-

His influence spread from Indonesia to Turkey and from there to many Silsilas of Africa. For his great work he was hailed as the Mujaddid-i-Alf-i-Thani, the man who Revised in the second Millennium.

(*Ulema In Politics*, Karachi, 1972, p. 98).

(ترجمہ):- آپ کے اثرات انڈونیشیا سے لے کر ترکی تک اور پھر وہاں سے افریقہ کے مختلف سلسلوں میں پھیل گئے، آپ کی عظیم کارنامہ کی وجہ سے آپ کو مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے یعنی وہ کامل انسان جس نے الف ثانی (ہزارہ دوم) کی تجدید فرمائی۔

علماء و صوفیہ کی نظر میں

محمد غوثی مانڈوی:

معاصرین علماء و صوفیہ اور متاخرین علماء و صوفیہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں، دوسرے سلاسل کے حضرات بھی مدح و ثنا میں کسی سے پیچھے نہیں چنانچہ سلسلہ شطاریہ کے ایک بزرگ مولانا محمد غوثی ابن حسن ابن موسیٰ شطاری علیہ الرحمہ (ولادت ۹۶۰ھ) شاگرد فاضل جلیل علامۂ وقت وجیہ الدین علوی گجراتی علیہ الرحمہ (م ۹۹۷ھ) نے اپنی تالیف گلزار ابرار (۱۰۱۴ھ تا ۱۰۲۲ھ) میں حضرت مجدد کو ان القاب و خطابات سے یاد فرمایا ہے:-

"بالانشین مسند محبوبیت، و صدر آرائے محفل وحدانیت، خدیو مقام فردیت و صاحب مرتبہ قطبیت" [1]

مولانا محمد صدیق المتخلص بہ ہدایت (مرید حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ) ۱۰۱۳ھ میں مانڈو میں مولانا محمد غوثی سے ملے اور حضرت مجدد کے بعض قلمی رسائل عنایت فرمائے، چنانچہ مولانا محمد غوثی نے گلزار ابرار میں معارف لدنیہ وغیرہ سے طویل اقتباسات پیش کئے ہیں[2]

جس زمانے میں حضرت مجدد لشکر شاہی کے ساتھ اجمیر شریف میں مقیم تھے (۱۰۳۳ھ) بلخ (روس) سے ایک طالب زیارت خدمت شریف میں حاضر ہوا اور ان حضرات کے نیاز مندانہ دعوت نامے پیش کیے:-

(۱) سید میر
(۲) شیخ قدیم کبروی

[1،2] محمد غوثی: اذکار ابرار (۱۳۲۶ھ) (ترجمہ گلزار ابرار ۱۰۲۲ھ)، مطبوعہ ۱۳۲۶ھ، ص ۵۳۳ تا ۵۴۴

(۳) - میر مومن
(۴) مولانائے ربانی حسن تبا دیانی
(۵) - افضی القضات مولانائے تولک وغیرہم -

میر مومن بلخی :

طالب مذکور نے میر مومن بلخی کا یہ پیغام بھی پہنچایا :-

اگر کبرسنی اور بعد مسافت مانع نہ ہوتی تو مزور خدمت شریف میں حاضر ہوتے اور ساری عمر خدمت میں گذار دیتے، ان بلند احوال و انوار سے مستنیر ہوتے جن کو نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آنکھ نے دیکھا، چوں کہ یہ موانع درمیان میں ہیں تو التماس یہ ہے کہ اپنے مخلصین میں تصور فرما کر افاضات غائبانہ کے ساتھ ان محبین کے احوال کی طرف متوجہ ہوں جو اگرچہ بظاہر دور ہیں مگر دل سے حضور میں ہر وقت حاضر رہتے ہیں [1]

شیخ عبدالحق دہلوی :

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) اپنے برادر طریقت خواجہ حسام الدین علیہ الرحمہ (م ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء) خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے نام ایک مکتوب میں حضرت مجدد سے اس طرح اظہار محبت فرماتے ہیں :-

ان دنوں میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ سے فقیر کی صلح وصفائی حد سے زیادہ ہو چکی ہے اور پردۂ بشریت و جبلیت درمیان میں نہیں رہا، انصاف و عقل اور مجابت طریقہ سے قطع نظر جو اس قسم کے عزیزاں اور بزرگوں کو بہانہ سمجھنا چاہیے، باطن میں ذوق و وجدان اور غلبے سے وہ بات آتی ہے کہ زبان اس کے بیان سے

---

[1] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، ص - ۲۱۹

ناصر ہے ——— میں جانتا ہوں کہ میرا حال کیا ہے اور کس طرح ہے[1]۔

آزاد بلگرامی:

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) اس طرح رطب اللسان نظر آتے ہیں:۔
برستا بادل جس کے چھینٹے عرب و عجم پر چھا گئے، چمکتا آفتاب جس کی روشنی مشرق و مغرب میں پھیل گئی، ظاہری اور باطنی علوم کا جامع، پوشیدہ اور چھپے ہوئے خزانوں کا خازن[2] (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

شاہ غلام علی:

حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمہ (م ۱۲۴۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔
چاروں عالی شان سلسلہائے طریقت سے اخذ و کسب فیوض کے علاوہ اللہ کی درگاہ سے مواہب جلیلہ اور عطایائے نبیلہ سے سرفراز ہوئے ہیں، ان کے کمالات اور حالات سمجھنے میں عقل متحیر و عاجز ہے، (حضرت خواجہ باقی باللہ)۔

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۲ھ، ص۔ ۳۲۶

نوٹ:۔
عہد شاہجہانی کے مشہور مؤرخ محمد صادق نے طبقات شاہجہانی میں حضرت مجدد کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا ہے:۔
"از خلفائے مجدد طریقہ نقشبندیہ خواجہ باقی نقشبندی اویسی است قدس سرہ، عالم و عامل و بحر اسرار الہی بود، و صاحب تصنیف عالیہ است، تصنیفات و مکتوبات وے عجائب و غرائب بسیار دارد کہ عقل عاقلاں از درک آں عاجز است"
(مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، ورق، ۳۵۱)

[2] غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، مطبوعہ ۱۳۱۳ھ، ص۔ ۴۷

مزار شریف حضرت قاضی ثناء اللہ نقشبندی پانی پتی علیہ الرحمہ
پانی پت ۔ بھارت

فرمایا کرتے تھے کہ "آسمان دنیا کے نیچے ان جیسا کوئی نہیں" اور امت مسلمہ میں ان جیسے چند ہی لوگ گزرے ہیں، آپ کی معلومات اور مکشوفات صحیح ہیں اور اس قابل ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی نظر میں لائی جائیں، حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز کے مکاتیب شریفہ سے آپ کے کمال کا علم ہوتا ہے[1]۔

ثناء اللہ پانی پتی :

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ (م ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) حضرت مجدد کی نہ صرف مجددیت بلکہ الف ثانی کی مجددیت پر اسی طرح اظہار خیال فرماتے ہیں :-

جب پہلا ہزارہ گزر گیا اور ایک اولعزم مرد کامل کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت قدیمہ کے تحت دوسرے ہزارے کے لیے ایک مجدد پیدا فرمایا کہ تمام اولیاء میں ان جیسا اولوالعزم مجدد کوئی نہ ہوگا ـــــ اس کو نبیوں، رسولوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طینت سے پیدا فرمایا، وہ مقامات اور کمالات عطا فرمائے گئے جو کسی نے نہ دیکھے تھے اور آخر زمانے میں اس کے طفیل کمالات عام اور ظاہر کیے گئے[2]۔

صدیق حسن خاں :

فاضل جلیل نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء) حضرت مجدد کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی عالم عارف اور کامل و مکمل تھے، طریقہ نقشبندیہ میں اپنے عہد کے امام اور خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے خلیفہ تھے،

---

[1] شاہ غلام علی آزاد بلگرامی : ایضاح الطریقہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۱۳ھ، ص - ۷
[2] قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی : ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور، [illegible]ھ، ص - ۶۳

آپ کا سلسلہ ہندوستان سے ماوراء النہر، شام، روم اور مغرب بعید تک پھیلا ہوا ہے[1]، آپ کے مکتوبات شریف جو تین جلدوں پر مشتمل ہیں، وہ اس حقیقت پر دلیل واضح ہیں کہ آپ علوم شریعت میں کمال تبحر کے مالک اور سلوک و معرفت کے انتہائی مقام پر فائز تھے۔ ــــــ آپ کے حالات زندگی پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، یہاں آپ کے تمام کمالات کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ــــــ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں فرق و امتیاز آپ ہی کی افادات عالیہ میں سے ہے ــــــ آپ کی قدر و منزلت معلوم کرنے کے لیے یہی جاننا کافی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور میرزا مظہر جان جاناں (جیسی بلند ہستیاں) آپ ہی کے طریقے سے منسلک تھے۔ آپ کا طریقہ کتاب و سنت کی اتباع پر مبنی ہے، ظاہر و باطن ہر طرح سے، کتاب و سنت کے مخالف کسی چیز کو قبول نہیں کرتے، آپ کے مکتوبات منازل معرفت و قبول کو طے کرنے کیلیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، طالب صادق اور سالک کسی بھی وقت ان کے مطالعہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا[1]

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت مجدد الف ثانی کے مکشوفات کے علو مرتبت کا اس سے اندازہ لگانا چاہیے کہ وہ سب کے سب چشمۂ صحو سے نکلے ہیں، اور کبھی شریعت کے خلاف نہیں ہوئے بلکہ بیشتر مکشوفات کی شریعت تائید کرتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ شریعت ان کے بارے میں خاموش ہے، اولیاء اللہ میں آپ کا مرتبہ ایسا ہے جیسے انبیاء میں اولوالعزم حضرات کا[2]

---

[1] مولانا رحمان علی نے کچھ انہیں الفاظ میں حضرت مجدد کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔
(تذکرۂ علمائے ہند، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۱۴ء، ص۔۱۱)

[2] نواب صدیق حسن خاں: تقصار الجیود الاحرار من تذکار جنود الابرار، مطبوعہ بھوپال (باقی برصفحہ ۳۴۶)

رشید احمد گنگوہی :

مولوی رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) حضرت مجدد کے محامد و محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وہ جس کی مثال دنیائے اسلام میں کم یاب ہے، جس نے عین اس وقت اسلام کی کشتی کو غرقاب ہونے سے بچایا جب چاروں طرف سے طوفانی ہوائیں اس کے خلاف چل رہی تھیں، جس کی آواز سرہند سے اٹھی اور پورے ملک ہند پر پھیلی اور پھیلتی ہوئی تمام ممالک اسلامیہ تک پہنچ گئی جس کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ میں اور آپ آج مسلمان تو کہلاتے ہیں [1]

عبدالحکیم آرواسی :

ترکی کے ایک فاضل حسین حلمی ایشیق بن سعید استانبولی نے اپنی ایک تالیف میں سید عبدالحکیم ابن المصطفیٰ الآرواسی کی کتاب "اصحاب الکرام" کے حوالے سے حضرت مجدد کے بارے میں موصوف کے تاثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :-

قال العالم العامل والولی الکامل والمجدد قرن الرابع عشرة وهو متوفی سنة ۱۳۶۳ھ ثلاث وستین وثلاثمائة والف بشهر آنقرہ فی ترکیة السید عبد الحکیم ابن المصطفیٰ الآرواسی

دیکھئے صفحہ نمبر ۵۹۴(۲) ۱۲۹۵ھ ص ۱۱۰ و ۱۱۱

[3] نواب صدیق حسن خاں : ریاض المرتاض، ص ۲۱ و ۲۲

(حواشی صفحہ ہٰذا)

[1] منقولہ از بیاض قلمی مولانا محمد ہاشم جان صاحب مجددی سرہندی ۲۵ مئی ۱۹۶۳ء، حیدرآباد سندھ۔

قدس روحہ السامی فی کتابہ المسمی "اصحاب الکرام":۔

افضل الکتب الاسلامیۃ بعد کتاب اللہ تعالی وبعد احادیث النبویۃ مکتوبات للامام الربانی لامثل لہ فی الاقطار الجہانی"[1]

ابوالکلام آزاد:

مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء) نسبت مجددی پر اپنے دلی جذبات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:۔

یہی نسبت اور ارادت کی ایک دولت ہے جو شاید ہم بے مایگان کار اور تہی دستان راہ کے لیے توشۂ آخرت اور وسیلۂ نجات ثابت ہو، اگر اس کے دامن تک ہاتھ نہ پہنچ سکا تو اس کے دوستوں کا دامن تو پکڑ سکتے ہیں، اللہ اس راہ میں ثبات واستقامت ورزی عطا فرمائے اور اس کے دوستوں کی محبت و ارادت سے ہمارے قلوب ہمیشہ معمور اور آباد رہیں[2]

اشتیاق حسین قریشی:

دور جدید کے فاضل اور عالمی شہرت یافتہ پاکستان کے مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی حضرت مجدد اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہما الرحمہ کی اصلاحی اور تبلیغی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اخلاقی اور مذہبی جذبے کی ایک زبردست موج تھی جو ان کے قلب وروح میں

---

[2] ابوالکلام آزاد: تذکرہ، مطبوعہ لاہور، ص ۲۵۵ و ۲۵۶

[1] حسین حلمی ایشیق، علماء المسلمین والوھابیون، مطبوعہ استانبول، ۱۹۷۲ء، دیباچہ

لہریں مار رہی تھی، ایسا روحانی تلاطم دنیا روز روز نہیں دیکھا کرتی، اتنی شدت سے جو بات (ان کے) دلوں سے پھوٹی ملّت اسلامیہ کے دل تک جا پہنچی[1]

ڈاکٹر صاحب اپنی ایک دوسری تالیف میں حضرت مجدد کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:۔

شیخ احمد کی تحریک افواج میں اس حد تک پھیل چکی تھی کہ اس کا دبانا مشکل ہو گیا تھا۔[2] بلاشبہ ۱۶۲۴ء میں انتقال سے قبل آپ نے شاندار کامیابی حاصل کرلی تھی، ابڑھتی ہوئی اور اُٹھتی ہوئی سنیت کو شریکِ حکومت بنانے میں جو آپ نے کوششیں کیں اگرچہ اس سے سنیت کو وہ غیر متنازع فیہ غلبہ حاصل نہ ہو سکا جو سنیت کے خلاف اکبر کی مخالفت سے پہلے رہا تھا لیکن پھر بھی صدی کے باقی حصہ میں سیاسی صورتِ حال کی تبدیلیوں میں یہ مساعی بہت ہی اثر انداز ہوئیں اور اس سے بھی زیادہ متصوفانہ خیالات پر آپ کا اثر ہوا۔ اب تک صوفیہ ایسے رجحانات کی تربیت کر رہے تھے جو سنیت کے خلاف لے جا رہے تھے لیکن آپ کی نگارشات نے زیادہ سے زیادہ سنیت کی طرف مائل کر دیا[3]

---

[1] اشتیاق حسین قریشی: دی مسلم کمیونٹی آف دی انڈو پاکستان سب کانٹی نینٹس، ہیگ ۱۹۶۲ء ص ۱۵۸

[2] ڈاکٹر قیام الدین احمد نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ حضرت مجدد کی مساعی انفرادی نوعیت کی تھیں (ہندوستان میں وہابی تحریک، ص ۱۷،۰)، ڈاکٹر اشتیاق حسین کے تاثرات سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔

[3] Ishtiaq Husain Qureshi : *Ulema in Politics*, Karachi, 1972, p. 98.

سیدنا شیخ احمد فاروقی قدس سرہٗ

از

شیخ محمد امین بن فتح اللہ کردی نقشبندی

☆

۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء میں بیروت (لبنان) سے شیخ محمد امین بن فتح اللہ زادہ الکردی اربلی شافعی نقشبندی (م ۱۳۳۴ھ) کی تالیف

"تهذيب المواهب السرمدية فی اجلاء السادة النقشبنديه"

شائع ہوئی ہے جس کے صفحہ ۱۰۷ تا ۱۱۳ پر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا ذکر ایک الگ باب کے طور پر شامل ہے، جس کا عکس ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

تهذيب المواهب السرمدية
في
أجلاء السادة النقشبندية

تأليف
الشيخ محمد أمين بن فتح الله زاده
الكردي الإربلي الشافعي النقشبندي
المتوفى ١٣٣٢هـ

اعتنى به
الشيخ الدكتور عاصم إبراهيم الكيالي
الحسيني الشاذلي الدرقاوي

منشورات
محمد علي بيضون
دار الكتب العلمية
بيروت - لبنان

سيدنا الشيخ أحمد الفاروقي قُدّس سرّه

وهو درّةُ إكليل الأولياء العارفين، وغرّة جبين الأصفياء الغرّ المحجّلين، ومرشد الأكمَلين، داعي الخلق بالحقّ إلى الحقّ، القطبُ الأوحد، والعَلَمُ المفرد، الإمام الرباني مجدّد الألف الثاني.

ولقّب بالفاروق لأن نسبه ينتهي إلى سيدنا ومولانا أمير المؤمنين عمر الفاروق رضي الله عنه.

وُلد قدّس الله سرّه يوم عاشوراء سنة إحدى وسبعين وتسعمائةٍ، في بلدة سهرند.

تلقّى العلوم كلّها معقولَها ومنقولَها عن والده وعن غيره من مُحقّقي زمانه، واشتغل بالطُرق الثلاث: القادرية والسهروردية والجشتية على والده قدّس الله سرّهما حتى أذِن له بالإرشاد والاستخلاف في الطرق المُنوّه بها وهو ابنُ سبع عشرة سنةً.

ما زال مشتغلاً بنشر العلوم والمعارف، وتربية السالكين، وهداية المريدين، وإرشاد الطالبين، وفي نفسه شغفٌ عظيم وميلٌ قويٌ لتحصيل نسبة الطريقة العليّة النقشبندية لعِلْمِه بفضلها على سائر الطّرُق وعُلوِّ نِسبتها عن كل النّسب، حتى اجتمع بغوث الزمان العارف بالله تعالى سيدنا الشيخ محمد الباقي قدّس الله سرّه، وقد كان أرسله شيخه القطب الكبير والإمام الشهير سيدنا محمد الخواجكي الأمكنكي قدّس الله سرّه من بخارى إلى الهند، فأخذ عنه الطريقة النقشبندية، ولازمه ففاز بأعلى المَرام بمدة شهرين وبضعة أيام، حتى شهِد له شيخه قدّس الله سرّه بالمُرادية والمحبوبيّة والكمال والتكميل، وفوّض إليه تربيةَ مريديه.

ولقد خصه الله تعالى بفضيلة نشر العلوم الدينيّة، والكشف عن أسرار العلوم اللدُنيّة، وبيان مراتب الولاية والنبوّة والرسالة، وكمالات أولي العزم ودرجات الخِلّة والمحبة، وإظهارِ أسرار الذات والشؤون الإلٰهية، ولو لم يكن منها إلا رتبةُ تجديد الألف الثاني لكفى.

وقال قدّس الله سرّه: «روى أبو داود عنه ﷺ أنه قال: «إنّ الله يبعث على كلّ

مائة سنة من يُجدِّد لهذه الأمة أمر دينها»[١]، لكن بين من يُجدد المائة ومن يجدد الألف من الفرقِ كما بين المائة والألف، بل أعظمُ من ذلك».

وقال قدّس الله سرّه: «كُشِفتْ لي خفايا المتشابهاتِ القرآنية، وأسرارُ المقاطعات الفُرقانية، فوجدتُ تحت كلِّ حرفٍ منها بحراً من العلوم الدّالّة على الذات العليّة، لو أظهرتُ شيئاً منها لقُطِع مني الحُلقوم».

وقال قدّس الله سرّه: «أطلعني الله على أسماء من يدخلون في سلسلتنا من الرجال والنساء إلى يوم القيامة، وإن نِسبتي هذه تبقى بواسطة أولادي إلى يوم القيامة، حتى إن الإمام المهدي سيكون على هذه النسبة الشريفة». وقال قدّس الله سرّه: «أُرِيتُ الكعبة المطهَّرة تطوفُ بي تشريفاً منه تعالى وتكريماً لي».

وقال: «إن الله تعالى أعطاني قوة عظيمةً في أمر الهداية بحيث لو توجَّهتُ إلى خشبَةٍ يابسةٍ لاخْضرَّتْ».

وكتب إليه بعض المشايخ: أن المقاماتِ التي تدَّعيها هل نالَنْها الصحابة أولاً، وعلى الأول هل نالوها دفعةً واحدة أم تدريجاً! فأرسل إليه: «الجواب موقوفٌ على حضورك»، فحضر فتوجَّه إليه بجمعيّة المقامات، فترامى في الحال على قدميه، وقال: آمنت أن جميع المقامات كانت تحصل للصحابة رضوان الله عليهم بمجرد نظره ﷺ.

وقصد زيارته رجلٌ من بلاد شاسعةٍ فأتى سهرندَ ليلاً، وبات عند أحد المُنْكِرين على الشيخ قدّس الله سرّه وهو لا يَشعرُ، فسأله عن سبب شُخوصه إلى سهرند، فقال له: جئتِ لزيارة الشيخ، فجعل يطعُن فيه، فلما رأى الرجل ذلك خاف وصار يستغيث به قدّس الله سرّه ويقول في سره: يا سيدي إني جئتُ لطلب الحق، وهذا يصدُّني عنه، ثم نام، فلما كان وقتُ الفجر إذا بصاحب البيت قد مات ليلاً، فأسرع الرجل إلى الشيخ وأراد أن يعرِضَ عليه الخبر فنظر إليه وتبسَّم وقال: «ما مضى في الليل لا يُذْكَرُ في النهار».

وقال نجله الأكبر خازنُ الرحمة، سيدنا الشيخ محمد سعيد قدّس الله سرّه: «كثيراً ما كانْ يخبرني الشيخ نفعَنا الله به بالأمر خيراً كان أو شرّاً قبل وقوعه، فيقع كما يقول بلا تفاوتِ أصلاً»، وقال: «وربَّتْني روحانيّة حضَراتِ السادات النقشبندية والقادريّة والجُشتية والسُّهروردية، فتحلّيْتُ بنسبتهم الخاصة، حتى صرتُ لو أردت أن أربّيَ

(١) أورده الذهبي في سير أعلام النبلاء [ج ١٤ ص ٢٠٢] و[١٧ ص ١٩٥].

السالكين بنسبة كل واحد منهم لفعلت».

وقال قدّس الله سرّه: «اعلم يا أخي أن الذي لا بد منه وكلّفنا الله به امتثالُ الأوامر واجتنابُ النواهي لقوله تعالى: ﴿مَّآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنْ أَهْلِ ٱلْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ كَىْ لَا يَكُونَ دُولَةًۢ بَيْنَ ٱلْأَغْنِيَآءِ مِنكُمْ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۝٧﴾ [الحشر: الآية ٧]، وإذا كنا مأمورين بالإخلاص في ذلك وهو لا يُتصوَّر بدون الفناء وبغير المحبة الذاتية، وجب علينا أيضاً سلوكُ طريقِ الصوفية الموصِلةِ للفناء والمحبة الذاتيّة حتى تتحقّق حقيقةُ الإخلاص، ولما كانت طُرق الصوفية متفاوتةً بالكمال والتكميل، كان كل طريقٍ تُلتزم فيه متابعةَ السُّنّة السَّنِيّة، وأداءُ الأحكام أولى وأنسبُ بالاختيار، وذلك الطريق هو طريق السادة النقشبندية قدّس الله أسرارهم العليّة، فإن هؤلاء الأكابر التزموا بهذه الطريقة متابعة السُّنة واجتناب البِدعة، لا يُجوِّزون العمل بالرُّخصة، ولو وجدوا ظاهراً أنّ له نفعاً في الباطن، ولا يتركون الأخذ بالعزيمة، ولو علِموا صُورةً أنه مُضِرٌّ بالسيرة، ويجعَلُون الأحوال والمواجيدَ تابعةً للأحكام الشرعية، والأذواق والمعارف خادمةً للعلوم الدينيّة، ولا يستبدلون الجواهر النفيسة الشرعية مثل الأطفال بجوز الوجد وزبيب الحال، هذا حالهم على الدوام مُحيَتْ نقوشُ السِّوى من بطونهم، بحيث لو تكلّفوا ألفَ سنةٍ أن يتذكّروها لا يتيسّر لهم، التجلّي الذّاتي الذي هو لغيرهم كالبرقِ، دائمٌ لهم، والحضورُ الذي يعْقبهُ غيبةٌ لا اعتبار له عند هؤلاء الأعِزّة ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَٰرَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ﴾ [النور: الآية ٣٧] حالُهم، ومع ذلك فطريقهم أقرب الطرق قطعا وموصلة البتّة، نهاية غيرهم مندرجة في بداية هؤلاء الأكابر، ونِسبتُهم منسوبةٌ إلى الصِّديق الأكبر رضي الله عنه فوق نِسَب جميع المشايخ، لا يصل إلى ذوق هذه السادة فهمُ كلّ أحدٍ.

أولـئـك آبـائـي فـجـئـنـي بـمـثـلِـهـم إذا جـمَـعَـتـنـا يـا جـريـرُ الـمـجـامـعُ[1]

ولو مُلئت الدفاتر في بيان خصائص أولئك الصّفوة وكمالاتِها، لكان كقطرةٍ من بحرٍ لا نهاية له.

وقال قدّس الله سرّه: «اعلم أنّ أصل كل بلاءٍ إنما يكون من الابتلاء بالنفس،

---

(١) هذا البيت هو من قصيدة للفرزدق، همام بن غالب بن صعصعة التميمي الداري، أبو فراس، من شعراء العصر الأموي (٣٨ـ ١١٠هـ) والقصيدة من البحر الطويل وتفعيله هي:

طـويـل لـه دون الـبـحـور فـضـائـل فعولن مفاعيلن فعولن مفاعلن

ومتى تخلَّص الإنسان منها تخلَّص من الابتلاء بما سِواه تعالى، فإن كان يعبدُ الأصنام فإنما يعبدُ نفسَه بالحقيقة، ﴿أَرَءَيْتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ﴾ [الفرقان: الآية ٤٣]، خلِّ نفسك وتعالَ، وكما أن الخروج عن النفس والمرور عنها فرضٌ، كذلك الدخول إليها والغوصُ فيها لازمٌ، فإنّ الوِجدان إنما يكون فيها، فإن كان هناك شهودٌ ففي النفس، أو معرفة فكذلك، أو حيرةٌ فكذلك، وليس في خارج النفس موضعَ قدم».

وقال قدّس الله سرّه: «اعلم أن فيضَ الحقّ تعالى على الدوام للخواص والعوام، سواءً كان من قسم الأموال والأولاد أو من جنس الهداية والإرشاد من غير تفاوتٍ، وإنما نشأ التفاوتُ من القَبول وعدمه، ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ ٱللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ [النحل: الآية ٣٣]، فالشمسُ تُشرق على الثوب وعلى القَصّار إشراقاً واحداً، فيسوّدُ وجه القصّار ويبيَضُّ الثوب، وعدم القَبول هذا بسبب الإعراضِ عن جَناب الحقّ تعالى، فإن المُقبل يُقبل عليه كما قال ﷺ في الحديث القدسي: «من تقرّب إليّ شبراً تقرّبْتُ منه ذراعاً»، والمُعرض يعرض عنه كما قال رسول الله ﷺ: «فأعرَضَ فأعرضَ الله عنه جزاءً وِفاقاً»[(١)]، قال تعالى: ﴿فَٱذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ﴾ [البقرة: الآية ١٥٢]، ﴿نَسُوا۟ ٱللَّهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ [التوبة: الآية ٦٧]، وفي الحديث: «إنما هي أعمالكم أحصيها لكم من غير زيادة ولا نقصان، كما تدين تُدان، فمن وجد خيراً فليحمدِ الله ومن وجد غير ذلك فلا يلومنّ إلاّ نفسه»[(٢)].

---

(١) يشير إلى الحديث الذي رواه البخاري في صحيحه عن أبي واقد الليثي أن رسول الله ﷺ بينما هو جالس في المسجد والناس معه إذ أقبل ثلاثة نفر، فأقبل اثنان إلى رسول الله ﷺ وذهب واحد، قال: فوقفا على رسول الله ﷺ فأما أحدهما فرأى فرجة في الحلقة فجلس فيها، وأما الآخر فجلس خلفهم، وأما الثالث فأدبر ذاهباً فلما فرغ رسول الله ﷺ قال: «ألا أخبركم عن النفر الثلاثة، أما أحدهم فأوى إلى الله فآواه الله، وأما الآخر فاستحيا فاستحيا الله منه، وأما الآخر فأعرض فأعرض الله عنه» (حديث رقم ٦٦) [ج ١ ص ٣٦]، ورواه مسلم في صحيحه برقم (٢١٧٦) [ج ٤ ص ١٧١٣] ورواه غيرهما.

(٢) رواه مسلم في صحيحه برقم (٢٥٧٧) [ج ٤ ص ١٩٩٤] والحاكم في المستدرك برقم (٧٦٠٦) ورواه غيرهما. ونصه: عن أبي ذر عن النبي ﷺ فيما روى عن الله تبارك وتعالى أنه قال: «يا عبادي إني حرّمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرّماً فلا تظالموا، يا عبادي كلكم ضالٌ إلاّ من هديته فاستهدوني أهدكم، يا عبادي كلكم جائع إلاّ من أطعمته فاستطعموني أطعمكم، يا عبادي كلكم عار إلاّ من كسوته فاستكسوني أكسكم، يا عبادي إنكم تخطئون بالليل والنهار وأنا أغفر الذنوب جميعاً فاستغفروني أغفر لكم، يا عبادي إنكم لن تبلغوا ضري فتضروني ولن تبلغوا نفعي فتنفعوني، يا عبادي لو أن أولكم وآخركم وإنسكم وجنكم كانوا على أتقى قلب رجل واحد منكم ما زاد ذلك في ملكي شيئاً، يا عبادي لو أن أولكم وآخركم وإنسكم وجنكم كانوا على أفجر قلب رجل واحد =

وقال قدّس الله سرّه: «إن إزالة المرض القلبي في هذه الفرصة اليسيرة بالذّكر الكثيرِ من أهم المُهِمّات، وعلاجُ العلة المعنوية في هذه المُهلَة القليلة من أعظم المقاصد، والقلبُ المبتلى بالغير لا يُرجى منه خيرٌ، لا يقبلون هناك إلا سلامة القلب وخُلاصة الروح، ونحن هنا دائماً في تحصيل أسباب ابتلائها، هيهات هيهات ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ ٱللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ يَظۡلِمُونَ﴾ [النحل: الآية ٣٣] .

وقال قدّس الله سرّه: «ورد في الحديث الشريف: «العلماء ورثة الأنبياء»[1]، فالعلم الذي بقي عن الأنبياء نوعان: علمُ الأحكام وعلمُ الأسرار.

والوارث الذي يكون له من كلا النوعين نصيبٌ، والذي يكون له نصيبٌ من نوعٍ واحدٍ فليس بوارثٍ، إذ الوارثُ له نصيبٌ من جميعِ الأنواع تَرِكَة المورِّث لا من بعضٍ دون بعضٍ، والذي له نصيب من نوعٍ واحدٍ داخلٌ في الغرماء الذين تعلّق نصيبُهم بجنس حقّهم.

إنّ الوارث بواسطة القرب والجنسية يقال إنه مثلُ المورِّث، بخلاف الغَريم فإنه خالٍ عن هذه العلاقة، فالذي لا يكون وارثاً لا يكون عالماً إلا أن نَخُصَّ علمَه بنوعٍ واحدٍ فنقول: عالمٌ بعلمِ الأحكام.

والعالم المطلق هو الذي يكون وارثاً، ويكون له من كلا نوعي العلم نصيبٌ وافرٌ، وأكثر الناس يظنّون أن عِلم الأسرار عبارة عن علم توحيد الوجود، وشهود الوَحدة في الكَثرة، ومشاهدة الكَثرة في الوَحدة، وكنايةٌ عن معارف الإحاطة، وسريان الوجود والقربِ، ومَعيتُه تعالى على النهج المكشوف والمشهود لأربابِ الأحوال، حاشا وكلا أن تكون هذه العلومُ والمعارفُ من علم الأسرار وتليقَ بمرتبة النبوّة، فإن مبْنى هذه المعارف سُكْرُ الوقتِ وغَلَبَةُ الحال المنافي لحضور علم الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، سواء كان علمَ الأحكام أم علمَ الأسرار، فكلُّه صَحوٌ في صحوٍ، ما مازجه شمّةٌ من السُّكر، بل إنما هذه المعارف من أسرار ولاية الذين لهم قدمٌ راسخةٌ في

= ما نقص ذلك من ملكي شيئاً، يا عبادي لو أن أولكم وآخركم وإنسكم وجنكم قاموا في صعيد واحد فسألوني فأعطيت كل إنسان مسألته ما نقص ذلك مما عندي إلا كما ينقص المخيط إذا أدخل البحر، يا عبادي إنما هي أعمالكم أحصيها لكم ثم أوفيكم إياها فمن وجد خيراً فليحمد الله ومن وجد غير ذلك فلا يلومن إلا نفسه». قال سعيد: كان أبو إدريس الخولاني إذا حدّث بهذا الحديث جثا على ركبتيه.

(١) رواه ابن حبان في صحيحه برقم (٨٨) [ج ١ ص ٢٨٩]، وأبو داود في سننه برقم (٣٦٤١) [ج ٣ ص ٣١٧] ورواه غيرهما.

السكر، لا من أسرار النُّبوة والأنبياء عليهم الصلاة والسلام، وإن كان لهم أيضاً ولاية ولكن أحكامها مغلوبةٌ ومضمحلّةٌ في جنْب أحكام النبوة».

وقال قدّس الله سرّه: «اعلم أنّ كل مسألة يكون فيها خلافٌ بين العلماء والصوفية إذا تأمّلْتَ ودقّقتَ النظر تجدُ الحقَّ مع العلماء، وسرُّ ذلك أن نظر العلماء بواسطة متابعة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام نافذٌ إلى كمالات النبوّة وعلومها، ونظرُ الصوفيّة مقصورٌ على كمالات الوِلاية ومعارفها، فتكون العلوم المأخوذةُ عن مشكاة النبوة أصوبَ قَطعاً من العلوم المأخوذة عن رُتبة الوِلاية».

وقال قدّس الله سرّه: «أيها الأخ رأسُ هذه الطريقة العليّة، ورئيس هذه السلسة السَّنِيَّة الصِّدِّيقُ الأكبر الذي هو بعد النبيين أفضلُ البشر رضي الله عنه، وبهذا الاعتبار قال أكابر هذه الطريق: إن نِسبتَنا فوق جميع النِّسب، إذ نسبتهم عبارة عن الحضور الخاص، ونسبتهم وحضورهم نسبة الصِّديق وحضوره الذي هو فوق جميع النِّسب والحُضورات».

وقال قدّس الله سرّه في بيان الفَرق بين قُربِ الصحابة والأولياء ومنشأ كلٍّ منهما: «اعلموا أن القُرْبَ المنوطَ بالفناء والبقاء والسلوك والجذْبة هو قُرب الولاية الذي تشرّف به أولياء هذه الأمّة، والقربُ الذي تيسّر للصحابة الكرام في صحبته عليه الصلاة والسلام قرْبُ النبوّة الذي حصل لهم بالتبعيّة والوِراثة.

وليس في هذا القرب فناءٌ ولا بقاءٌ ولا جذبةٌ ولا سلوكٌ، وهذا أعلى وأفضل من قربِ الولاية بمراتبَ، فإن هذا القربَ قربُ أصلٍ، وذلك قرب ظلٍّ، وشتّان بينهما، ولكن لا يَصِلُ فَهمُ كل أحدٍ إلى ذوق هذه المعرفة، ربما شارك الخواصُّ العوامَّ في فهمهما، نَعم إن وقع السير والعروج إلى ذِروة كمالات قرب النبوّة من طريق قُرب الولاية فلا بد من الفناء والبقاء والجذْبة والسلوك، فإنَّ هذه مقدماتُ ذلك القرب ومباديه، وإلا إنْ وقعَ من جادّة قُرْب النبوّة فلا يُحتاج فيها إلى المقدّمات المذكورة، والصحابة الكرام ساروا من جادّة قرب النبوة الذي لا تعلُّقَ له بتلك المقدمات.

وقال قدّس الله سرّه: «اعلمْ أن الشريعة والحقيقة متّحدان في الحقيقة، لا تغايُرَ بينهما ولا فرقَ إلا بالإجمالِ والتّفصيل، فالشريعة إجمالٌ والحقيقة تفصيل، وبالاستدلال والكشف، فالشريعة استدلال والشريعة كشف، وبالغيب والشهادة، فالشريعة غيبٌ والحقيقة شهادة، وبالتعَمُّلِ وعدمِه، فالشريعة تعمُّلٌ وتكلّفٌ، والحقيقة لا تعمُّلَ ولا تكلّفَ، فالأحكامُ والعلوم التي تثبّتت وتبيَّنت بموجبِ الشريعة الغراء هي التي تَبيَّن بعينها بعد التحقُّق بحقيقة اليقين، وتنكشفُ بالتفصيل، وتَظهرُ من الغيب إلى

الشهادة، ويرتفع تمحُّل العمل من البَين، وعلامة الوصول إلى حقيقة حقّ اليقين مطابقةُ علومه ومعارفه لعلوم الشريعة ومعارفها، وما دامت المخالفة موجودةً ولو بأدنى شعرةٍ فذلك دليلٌ على عدم الوصول، وكلُّ خلاف وقع من كافة مشايخ الطُرق للشريعة فهو مبنيٌ على سُكرِ الوقت، وهو لا يكون إلا في أثناء الطريق، والمُنتهون إلى نهاية النّهاية كلُّهم في الصَّحو، والوقت مغلوبٌ لهم، والحالُ والمقامُ تابعٌ لكمالهم، فتحقّق أنّ مخالفة الشريعة علامةٌ على عدم الوصول إلى الحقيقة، وما وقع في عباراتِ بعضِ المشايخ من أنّ الشريعة قِشرٌ والحقيقة لُبٌ، فهذا الكلام وإن كان مُشعراً بعدم استقامة قائله، ولكن يمكن أن يكون مرادُه أن المُجمل بالنّسبة إلى المفصّل حكمُه حكم القِشر بالنسبة إلى اللُب، وأن الاستدلال بالنسبة إلى الكشف كالقشر بالنسبة إلى اللب، وأما الأكابرُ أولو الأحوال المستقيمة فإنهم لا يُجَوِّزون الإتيان بمثل هذه العبارات الموهِمة، ولا يفرِّقون بينهما إلا بما ذكَرنا.

سئل الشيخ النقشبند قدّس الله سرّه ما المقصود من السَّير والسُّلوك؟ فقال: «أن تصيرَ المعرفةُ الإجماليّة تفصيليّةً، والاستدلاليُّ كشفيّاً»، رزقنا الله سبحانه الثبات والاستقامة على الشريعة عِلماً وعملاً.

وتآليفُه الحافلةُ كافلةٌ لنشرِ عوارفِ معارفه والبرهنةِ على عظَمة مواهب مشاربه، أجلُّها «مكتوباتُه القدسيّة»، وهي تحتوي على مجلّدين ضخمين باللغة الفارسية، وتقدّمت الإشارة إليها، «والرسالة التهليليّة»، و«رسالة إثبات النبوّة»، و«رسالة المبدأ والمَعاد»، و«المكاشفاتُ الغيبيّة»، و«آداب المريدين»، و«المعارفُ اللّدُنيّة»، بيَّن فيها أحواله ومقاماته الخاصة، و«رسالةٌ في الردّ على الشّيعة»، و«تعليقاتٌ على عوارف المعارف»، و«شرح الرباعيّات لعبد الباقي» وغيرها، فمن له لوعةٌ على عِزّة المطلوب فليرجعْ إليها، فإنه يجد فيها ما تسجد له القلوب.

توفي رضي الله عنه سابع عشر صفر الخير، سنة أربعٍ وثلاثين وألف وسنُّه ثلاثٌ وستون، ودفن في مدينة سهرند.

وله خلفاءُ كثيرون كاملون، وأكمل من سرى إليه سرُّ هذه النسبة المحمدية سيدنا الشيخ محمدٌ المعصوم قدّس اللهُ سرّه.

مفکرینِ مشرق کی نظر میں

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی تحریک تجدید و اصلاح اور آپ کی شخصیت نے پاک و ہند اور بیرونِ ہند بہت سے حضرات کو متاثر کیا[1]، ابھی تک ان تاثرات کا کماحقہ جائزہ نہیں لیا گیا، اس طرف توجہ دینے اور اس موضوع پر سیر حاصل لکھنے کی ضرورت ہے، سردست ہم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ڈاکٹر محمد اقبال کے متعلق[2] کچھ عرض کریں گے۔

---

[1] شیخ عبد الغنی نابلسی (م ۱۱۴۴ھ / ۱۷۳۱ء)، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء)، شیخ خالد کردی (م ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء)، مولوی اسمٰعیل دہلوی (م ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء)، مولوی سید احمد بریلوی (م ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء)، جمال الدین افغانی (م ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء)، مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء)، مولانا عبید اللہ سندھی (م ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء)، سرسید احمد خاں (م ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء)، عنایت اللہ مشرقی (م ۱۹۴۴ھ / ۱۹۶۴ء)، مولانا ابو الکلام آزاد (م ۱۳۶۸ھ) وغیرہم کسی نہ کسی حیثیت سے متاثر ہوئے ان میں سے بیشتر حضرات کے افکار و خیالات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جب ان حضرات کے فکری ارتقاء کا تجزیہ کریں گے تو شعوری یا غیر شعوری طور پر حضرت مجدد سے متاثر پائیں گے۔

[2] حضرت شاہ صاحب کے حالاتِ زندگی، افکار و خیالات اور اصلاحی کارناموں پر تذکرہ شاہ ولی اللہ (۱۳۶۰ھ) شائع ہو چکا ہے لیکن اس میں حضرت مجدد کے اثرات کا جائزہ نہیں لیا گیا۔

(مسعود)

[3] ڈاکٹر اقبال پر گزشتہ نصف صدی میں بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن حضرت مجدد کے اثرات پر سیر حاصل نہیں لکھا گیا۔ (مسعود)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی :

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ حضرت مجدد کی وفات کے ۸۰ سال بعد اور اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ کی وفات سے چار سال قبل نواح دہلی میں ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے پندرہ سال کی عمر میں (۱۱۲۹ھ / ۱۷۱۶-۱۷ء) اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبد الرحیم علیہ الرحمہ (م ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء) کے ہاتھ پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہو گئے، چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں :-

> پندرہ سال کی عمر میں والد ماجد کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی اور مشائخ صوفیہ بالخصوص حضرات نقشبندیہ کے اشغال میں لگ گیا[1]

حضرت شاہ عبد الرحیم، حضرت مجدد کے صاحب زادگان حضرت خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ کے عہد مبارک میں جوان تھے۔ آپ کا سلسلۂ طریقت صرف دو واسطوں سے حضرت مجدد سے ملتا ہے جس کا ذکر آپ نے اس طرح کیا ہے :-

> واین فقیر را بظاہر وصلت یہ تلقین و اجازت از شیخ علی التحقیق بالاقتدار حقیق، جامع مظاہر اسمان، حافظ کلام الرحمن، خواجہ سید عبد اللہ است قدس سرہ وایشاں را از شیخ المشائخ حضرت شیخ آدم بنوری است وایشاں را از مرشد زمانہ و شیخ یگانہ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کاملہ است[2]

حضرت شاہ صاحب نے بھی اپنے والد ماجد کے مشائخ طریقت کا اس طرح ذکر فرمایا ہے :-

---

[1] شاہ ولی اللہ، الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف، ص ۲۰۴ (خود نوشت حالات)، بحوالہ الفرقان (لکھنؤ) شاہ ولی اللہ نمبر ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء، ص ۳۰۴

[2] شاہ عبد الرحیم، ارشاد رحیمیہ در سلوک نقشبندیہ، مطبوعہ حیدر آباد سندھ ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء، ص ۱۰

اور شیخ عبدالرحیم بہت سے مرشدوں کی صحبت میں رہے، بزرگ تر ان
میں سے تین مرشد ہیں :۔

(ا) اول ان میں خواجہ خرد (خواجہ عبداللہ بن خواجہ باقی باللہ) ہیں جو شیخ احمد سرہندی اور شیخ اللہ داد برادر خواجہ حسام الدین کی صحبت میں رہے اور تینوں خواجہ باقی کی صحبت میں رہے۔

(ب) اور دوسرے مرشد شیخ عبدالرحیم کے سید عبداللہ ہیں جو شیخ آدم بنوری کی صحبت میں رہے اور وہ شیخ احمد سرہندی کی صحبت میں رہے اور وہ خواجہ محمد باقی کی صحبت میں رہے۔

(ج) اور تیسرے مرشد شیخ عبدالرحیم کے خلیفہ ابوالقاسم ہیں جو ملا ولی محمد کی صحبت میں رہے اور وہ امیر ابوالعلا کی صحبت میں رہے[1]

حضرت شاہ ولی اللہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے خاص طور پر متاثر تھے، چنانچہ آپ نے اپنی تصنیف قول الجمیل میں مشائخ نقشبندیہ کی مصطلحات، لطائف ستہ، اور تصرفات حضرات نقشبندیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ان مصطلحات کا ذکر فرمایا ہے :۔

(۱) ہوش در دم
(۲) نظر بر قدم
(۳) سفر در وطن
(۴) خلوت در انجمن
(۵) یاد کرد
(۶) بازگشت

---

[1] شاہ ولی اللہ: قول الجمیل، ترجمہ اردو شفاء العلیل، مطبوعہ مطبع احمدی سنہ ۱۲۶۰ھ / سنہ ۱۸۴۳ء (ص - ۱۱۸)

(۷) نگہداشت

(۸) یادداشت

(۹) وقوفِ زمانی

(۱۰) وقوفِ قلبی

(۱۱) وقوفِ عددی[1]

پھر ان لطائف ستہ کا ذکر فرمایا ہے :-

(۱) قلب

(۲) رُوح

(۳) سِر

(۴) خفی

(۵) اخفیٰ

(۶) نفس[2]

اور حضرات نقشبندیہ کے تصرفات کا اس والہانہ انداز سے ذکر فرمایا ہے :-

اور نقشبندیوں کے عجائب تصرفات ہیں، ہمت باندھنا کسی مراد پر تو اس مدعا کا ہمت کے موافق ہونا، اور طالب میں تاثیر کرنا اور بیماری کو مریض سے دفع کرنا، اور عاصی پر توبہ کا افاضہ کرنا، اور لوگوں کے دلوں میں تصرف کرنا۔ ان میں واقعاتِ عظیمہ متمثل ہوں، اور آگاہ ہو جانا اہل اللہ کی نسبت پر، زندہ ہوں یا اہلِ قبور، اور لوگوں کے خطراتِ قلبی پر اور جو ان کے سینوں میں خلجان کرتا ہے اس پر مطلع ہونا اور وقائع آئندہ کا مکشوف ہونا اور بلائے نازل کو دفع کر دینا اور سوائے ان کے اور بھی تصرفات ہیں[3]

---

[1] شاہ ولی اللہ: شفاء العلیل ترجمہ اردو قول الجمیل، ص - ۵۵

[2] ایضاً، ص - ۶۶

[3] ایضاً، ص - ۶۲

سلسلہ نقشبندیہ کے علاوہ حضرت شاہ صاحب سلسلہ قادریہ میں بھی اپنے والد ماجد سے بیعت تھے، یہ سلسلہ بھی دو واسطوں سے حضرت مجدد سے ملتا ہے، چنانچہ آپ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

بندۂ ضعیف ولی اللہ نے طریقہ اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے، انہوں نے سید عبداللہ سے اور انہوں نے شیخ آدم بنوری سے، انہوں نے شیخ احمد السہرندی سے، انہوں نے اپنے والد شیخ عبدالاحد سے، انہوں نے شاہ کمال سے لے[1]

سلاسل طریقت کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کا سلسلۂ حدیث بھی تین واسطوں سے حضرت مجدد سے ملتا ہے جس کا آپ نے اس طرح ذکر فرمایا ہے:۔

اور مجھ کو اجازت دی مشکوٰۃ المصابیح اور صحیح بخاری وغیرہ صحاح ستہ کی معتمد ثابت القول حاجی محمد افضل نے شیخ عبدالاحد سے، انہوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سے انہوں نے اپنے دادا (کذا) شیخ طریقت شیخ احمد سہرندی سے۔[2]

انہیں مختلف روحانی اور علمی نسبتوں کی وجہ سے حضرت شاہ صاحب کو حضرت مجدد سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی، چنانچہ آپ نے حضرت مجدد کے مشہور رسالہ رد روافض کی عربی میں شرح لکھی اور غالباً اس کا نام المقدمۃ السنیہ فی انتصار فرقۃ السنیہ رکھا اس شرح کے مقدمے میں رسالہ کا تعارف کراتے ہوئے حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

الرسالۃ التی انشأھا وحید زمانہ وفرید اوانہ الجھبذ الراسخ فی الشریعۃ والطریقۃ والطود الشامخ فی المعرفۃ والحقیقۃ قامع السنۃ قامع البدعۃ سراج اللہ الموضوع یستضیٔ بہ من شاء من عبادہ

---

[1] ایضاً، ص- ۱۲۲

[2] ایضاً، ص- ۱۲۶

المؤمنین وسیف اللہ المسلول علی اعدائہ من الکفرۃ والمبتدعین الامام العارف العالم الالمعی مولانا الشیخ احمد الفاروقی الماتریدی الحنفی النقشبندی السرہندی جزاہ اللہ سبحانہ عن المسلمین خیر الجزاء واحلہ بحبوحۃ الخلد وبوأہ حظیرۃ الرضا[1]

اسی مقدمے میں حضرت شاہ صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں :-

شہامت ونجابت، کثرتِ علم، توقدِ ذہن، استقامتِ عمل، اللہ اور رسول کے بارے میں اپنی غیرت، کراماتِ جلیلہ اور مقاماتِ کثیرہ وغیرہ صفاتِ محمودہ کے علاوہ جو اس شیخ کے نفسِ قدسی صفت میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہیں، اس کے بہت احسانات اہل ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکریہ ضروری ہے، من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ[2]

حضرت شاہ صاحب نے حضرت مجدد کے جن احسانات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ڈاکٹر اقبال نے انہیں احسانات کے پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہا تھا ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

حضرت شاہ صاحب نے حضرت مجدد کے ان احسانات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ایک ایک کرکے گنایا ہے :-

---

[1] محمد منظور نعمانی: تذکرۂ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء، ص ۳۰۳

نوٹ :- ہمیں افسوس ہے نا رسائی کی وجہ سے شرح رسالہ رد الروافض کا مطالعہ نہ کیا جا سکا، مختلف کتابوں سے اس کے چند اقتباسات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں جن سے شاہ صاحب کی نظر میں حضرت مجدد کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ (مسعود)

[2] ایضاً، ص ۳۰۴

(۱) اطراف ہند میں سلسلۂ نقشبندیہ کو پھیلایا،
(۲) آپ کے اور آپ کے خلفاء کے ذریعہ ایک خلق خدا مہذب ہوگئی۔
(۳) صوفیہ اور فقہا کے درمیان اختلافات کو رفع کیا۔
(۴) توحید وجودی اور توحید شہودی کے ایسے معنی بتائے جن میں کوئی اشکال نہ رہا
(۵) امراء اور اعیانِ مملکت کو عقاید باطلہ سے روکا، عبادات و صدقات کی ان کو ترغیب دی۔
(۶) آپ کے ذریعہ امراء و حکام کو نفع پہنچا اور امراء و حکام کے ذریعہ عام لوگوں کی اصلاح ہوگئی۔
(۷) آپ نے روافض سے مناظرے کیے اور ان کو ساکت و صامت کر کے فساد کو مٹا دیا۔
(۸) فلسفہ زدہ عقلیت پرستوں، فساد زدہ طبیعتوں اور ضعیف الاعتقاد لوگوں سے مختلف مجالس میں مناظرے کیے، ان کے خلاف رسائل لکھے اور فتنۂ الحاد کو مٹا دیا۔

حضرت مجدد ان خدماتِ جلیلہ کی وجہ سے معیار حق و باطل قرار پائے چنانچہ:-

بجز مومن متقی کے کوئی ان سے محبت نہیں کرتا اور بجز فاجر شقی کے اور کوئی ان سے بغض و عداوت نہیں رکھتا ۵۲

ایک طرف خود حضرت شاہ صاحب حضرت مجدد کے احسانات گناتے ہیں اور اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف عہدِ جدید کے ایک فاضل مرحوم حضرت شاہ صاحب کی تعریف کرتے ہوئے حضرت مجدد کی تنقیص فرماتے ہیں اور یہ عجیب و غریب اظہار خیال فرماتے ہیں۔

سرہند سے بیشک ایک تحریک اٹھی تھی جس نے کئی مخلص اور سمجھدار ہستیوں کو متاثر کیا

---

۵۱ ایضاً، ص۔ ۳۰۵
۵۲ ایضاً، ص۔ ۳۰۶

لیکن یہ تحریک تجدیدی تھی اصلاحی نہ تھی، اس کی بنیاد اپنی فوقیت کے احساس اور اغیار سے نفرت اور عداوت پر تھی، اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرنا اس کا مقصد نہ تھا اور پھر اس تحریک میں مفید ہونے کی جتنی صلاحیت تھی اس کا راستہ واقعات نے بند کر دیا شائخیت روحانیت پر غالب آگئی اور تجدیدی تحریک تیموریت کے سراب میں گم ہو گئی [1]

حضرت شاہ صاحب کے افکار و خیالات کی روشنی میں فاضل موصوف کی یہ تحریر بے حقیقت معلوم ہوتی ہے عجیب تر یہ کہ اس انکار کے ساتھ ساتھ شعوری یا غیر شعوری طور پر اقرار بھی کرتے جاتے ہیں چنانچہ فاضل موصوف نفی خودی سے حضرت شاہ صاحب کے تنفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اس کے علاوہ شاہ صاحب نہ صرف شائخ کے نقائص پر معترض تھے بلکہ انتہائی نفی خودی کے مخالف تھے اور اقبال کی طرح اسے ملتِ اسلامیہ کے لیے سخت مضر سمجھتے تھے

نہ معلوم فاضل محترم نے اقبال کا کیوں ذکر کیا اور حضرت مجدد کے ذکر میں کیا قباحت نظر آئی حالاں کہ نفی خودی کے خلاف اقبال کی بغاوت خود حضرت مجدد کے اثرات کا نتیجہ ہے جس پر آگے چل کر ہم بحث کریں گے ۔

حضرت شاہ صاحب حضرت مجدد کو عہد جدید کا پیش خیمہ اور مقدمۃ الجیش قرار دیتے ہیں، یعنی کوئی مجدد اور مصلح جو آپ کے بعد آیا ہے آپ سے بے نیاز نہیں رہا اور نہیں رہ سکتا چناں چہ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

شیخ مجدد علیہ الرحمہ اس دور کے پیش خیمہ ہیں، اس دور کے بہت مخصوص معارف اور علوم شیخ کی زبان مبارک سے رمز و اشارے کے طور پر صادر ہوئے ہیں شیخ اس دور کے قطب ارشاد ہیں، آپ کے ہاتھوں پر بیعت سے طبعی گمراہ اور بد بختی

---

[1] شیخ محمد اکرام : رود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء، ص - ۵۳۲

[2] ایضاً، ص - ۵۶۶

قائم ہوئے ہیں، حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمہ کی تعظیم عین مدرر ومکون کائنات (یعنی حق سبحانہ وتعالیٰ) کی تعظیم ہے، حضرت شیخ کے انعامات وبرکات کا شکریہ عین ایزد متعال کے انعامات کا شکریہ ہے۔ [۵۱]

اور یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں بلکہ اس کی دلیل بھی پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اکابر علماء وصوفیہ نے حضرت مجدد کے منصب تجدید واصلاح کا اعتراف کیا ہے چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

واعترافُ بکونہ مجدداً اکابر العلماء والاولیاء فی زمانہ مثل الشیخ فضل اللہ برہانپوری ومولانا الشیخ حسن الغوثی ومولانا عبد الحکیم سیالکوٹی ومولانا جمال الدین الطالوی ومولانا حسن القبادانی ومولانا میر کشا ومولانا المیر مومن البلخیین ومولانا یعقوب الصرفی الکشمیری [۵۲]

حضرت مجدد کے نظریہ وحدۃ الشہود اور شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ کے نظریہ وحدۃ الوجود کے سلسلے میں بعض حضرات حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کو ثالث اور حکم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، جس سے عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے افکار مجددیہ کی تنقید واصلاح کا کام کیا ہے، اگرچہ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے۔

آفندی اسمعیل بن عبد اللہ الرومی ثم المدنی نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے بارے میں حضرت شاہ صاحب سے استفسار کیا تھا، شاہ صاحب کے الفاظ میں اس استفسار کا لب لباب یہ تھا:-

قد وصل الیّ کتابکم الذی سألتمونی فیہ عن وحدۃ الوجود علی ما

---

۵۱ شاہ زوار حسین، حضرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی، ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء، ص ۳۶۸۔

۵۲ محمد مراد بن عبد اللہ، تفائس السانحات فی تذییل الباقیات الصالحات، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء، ص ۳۲۔

ما ذکرہ الشیخ الاکبر واتباعہ ومن وحدۃ الشہود علی
ما ذکرہ الشیخ المجدد وھل یمکن التطبیق بینھما رضی
اللہ تعالیٰ عن الجمیع وارضاھم ؎

حضرت شاہ صاحب نے جو اس استفسار کا عربی میں جواب دیا تھا وہ "مکتوب مدنی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے دونوں نظریات پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ان دونوں میں تطبیق دینے کی سعی فرمائی ہے:۔

حضرت شاہ صاحب جس نازک سیاسی دور سے گزر رہے تھے وہ ملت اسلامیہ میں افتراق وانتشار کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا پھر ایسے امور پر اختلاف وافتراق تو اور بھی نامناسب تھا جن کا تعلق عقل وشعور سے نہیں بلکہ کشف وشہود سے تھا، بہرکیف حضرت شاہ صاحب نے ملتِ اسلامیہ میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے کے لیے بڑے سلیقے سے اختلافات کو مٹانے کی کوشش فرمائی کیوں کہ سیاست ملیہ کا تقاضا ہی یہ تھا، یہی جذبہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مابین تطبیق میں کارفرما نظر آتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

تصوف کی تاریخ میں جو مختلف دور آئے ہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں، چناں چہ جب بھی کسی صوفی پر بحث کی جائے تو احسن یہی ہے کہ اس کے لطائف کو اس زمانے کے معیار کے مطابق تجزیہ کر کے دیکھ لیا جائے دورِ حاضر کا تقاضا یہ ہے کہ جس قدر علم بھی اب تک ہمارے پاس جمع ہو چکا ہے (معقول، منقول یا مکشوف) اس میں حتی الوسع تطبیق پیدا کی جائے اور تضاد واختلاف کو دور کیا جائے نیز ہر بات کو اپنی نوعیت کے اعتبار سے دیکھا اور پرکھا جائے ؎

؎ محمد علی مراد آبادی: کلمات طیبات، مکتوب بستم، مکتوب مدنی، مطبوعہ مراد آباد، ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء، ص ۱۹۰-
(باقی بر صفحہ نمبر ۳۵۹)

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں حضرت شاہ صاحب نے جو تطبیق پیدا کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے :-

انسان، انسان ایک اعتبار سے ایک دوسرے کے عین ہیں کیونکہ ان سب میں انسانیت مشترک ہے، پھر نوعِ انسانی اور نوعِ حیوانی بھی ایک دوسرے کی عین ہے کہ ان کا وصف مشترک حیوانیت ہے، بعینہٖ اس کائنات کا ایک نفس ہے جس کو نفسِ کلیہ کہا جاتا ہے اور اس کائنات کی تمام کثرت اس سے صادر ہوتی ہے۔ اب اگر ابن عربی کا خیال یہ ہے کہ ہر چیز خود خدا ہے تو اس سے ان کی مراد بلاشبہ نفسِ کلیہ ہی ہے، یہ 'نفس کلیہ' یا 'وجود منبسط' اپنی جگہ قائم ہے نیز تمام دیگر اشیاء کے قیام کا بھی سزاوار ہے گویا یہ تمام موجودات پر طاری ہے [1]

اسی تعبیر و تشریح کی وجہ سے شاہ صاحب نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے :-

پس یہ شیخ مجدد کا یہ سمجھنا کہ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود میں تباین ہے فقط تسامح ہے، ابن عربی کا مذہب بھی وہی ہے جو شیخ مجدد کا ہے، وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود میں محض نزاع لفظی ہے [2]

وحدتِ شہود سے مراد صرف یہ ہے کہ واجب کے کامل ہونے پر اور ممکن کے ناقص اور ہیچ ہونے پر اصرار کیا جائے لیکن ابن عربی بھی یہی کہتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۳۵۸)

۲ شاہ ولی اللہ : انفاس العارفین، ص ۔ ۴۸ بحوالہ شاہ ولی اللہ کی تعلیم از غلام حسین جلبانی، مطبوعہ حیدر آباد سندھ، ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء ۔ ص ۔ ۱۳۸

(حاشیہ صفحہ ہذا)

۱ غلام حسین جلبانی، شاہ ولی اللہ کی تعلیم، مطبوعہ حیدر آباد سندھ، ص ۔ ۱۳۶

۲ برہان احمد فاروقی، حضرت مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء، ص ۔ ۱۳۱ (بحوالہ فیصلہ وحدت الوجود والشہود، از شاہ ولی اللہ)

ممکن ناقص اور ہیچ ہے اور کمال فقط ذات واجب ہی کو حاصل ہے[1]۔

غالباً حضرت شاہ صاحب کی اس تطبیق کی سیاسی حکمت کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے خواجہ میر درد علیہ الرحمہ کے والد ماجد خواجہ میر ناصر عندلیب علیہ الرحمہ نے نالہ عندلیب (۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰ء) میں وحدت وجود کی تغلیط فرمائی پھر خود خواجہ میر درد علیہ الرحمہ نے واردات (۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء) میں اور علم الکتاب میں اس کی مزید تشریح فرمائی[2] لیکن ان دونوں حضرات نے شاہ صاحب کا ذکر نہیں فرمایا۔

مولانا غلام یحییٰ (م ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء) نے اپنے شیخ طریقت حضرت میرزا جان جاناں علیہ الرحمہ کے ایما پر ایک رسالہ کلمۃ الحق (۱۱۹۴ھ / ۱۷۷۰ء) تحریر فرمایا۔

میرزا صاحب نے اس کا دیباچہ تحریر فرمایا، وہ اس دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

(مولوی غلام یحییٰ نے میرے ایما پر مسئلہ وحدت وجود اور وحدت شہود کے بیان میں ایک مختصر رسالہ لکھ کر مجھے دکھایا، حق بات یہ ہے کہ اختصار کے باوجود انہوں نے پورے موضوع کا احاطہ کرلیا ہے، لیکن مسئلہ تطبیق سے الجھنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ مکشوفین کے درمیان تطبیق کا مسئلہ تکلف سے خالی نہیں ہے لیکن اس سے ایک اچھی مصلحت وابستہ ہے ھی الاصلاح بین الفئتین العظیمتین[3] (اس سے دونوں عظیم فرقوں کے درمیان مصالحت ہوجائے گی)۔

میرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ نے بڑی دل لگتی باتیں تحریر فرمادی ہیں:۔

(۱) مکشوفین کے درمیان تطبیق تکلیف سے خالی نہیں۔

---

[1] ایضاً، ص ۱۲۱۔

[2] ایضاً، ص ۱۲۱۔

[3] خلیق انجم، میرزا مظہر جان جاناں کے خطوط، مطبوعہ دہلی ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء، ص ۲۳۵۔

(۲) لیکن اس سے ایک اچھی مصلحت وابستہ ہے، اور وہ یہ کہ

(۳) دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح و صفائی ہو جائے گی۔

یعنی اگر تطبیق پیدا کرنے کا جذبہ دوسرے کی تغلیط کی بنا پر ہے تو نامناسب ہے اور اگر اس سے اصلاحِ حال مقصود ہے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ ؎

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی

اس مسئلے پر تفصیل سے اس لیے بحث کی گئی تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ حضرت شاہ صاحب نے حضرت مجدد کے نظریہ وحدۃ الشہود کی حقیقتاً نہ تنقید و اصلاح فرمائی اور نہ ثالث و حکم کا کردار ادا کیا بلکہ انہوں نے سیاسی اور ملی تقاضوں کے تحت ملتِ اسلامیہ کو افتراق و انتشار سے بچانے کے لیے ایک محمود کوشش فرمائی رحمہ اللہ عبد اللہ انصف ولم یتعسف

حضرت شاہ صاحب نے شرح رسالہ رد روافض میں خود اعتراف فرمایا ہے کہ حضرت مجدد نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی اس طرح تشریح فرما دی ہے کہ کوئی اشکال باقی نہیں رہا، تو پھر ان دونوں نظریات کو "نزاعِ لفظی" سے تعبیر کرنا اور دونوں میں تطبیق کی کوشش کرنا کیا معنی؟ اس تطبیق کی توجیہ یہی کی جا سکتی ہے کہ آپ نے ایک طرف سلاسلِ طریقت کے باہمی تصادم کے امکانات

نوٹ:۔ صوبہ سرحد (پاکستان) کے ایک بزرگ امیر حمزہ شنواری صاحب نے "وجود و شہود" پر ایک کتاب لکھی ہے، اس میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تصور وحدۃ الشہود پر تنقید فرمائی ہے جو کم علمی پر مبنی ہے، اخبار جنگ (کراچی) مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۲ء میں پاکستان کے مشہور ماہر نفسیات رئیس امروہوی نے اس کتاب پر تبصرہ کیا ہے اور جناب شنواری صاحب کے خیالات کی تائید کی ہے جس کو پڑھ کر حیرت ہوئی اور علامہ اقبال کی یہ بات یاد آئی کہ نفسیاتِ جدید باوجود اپنی ترقیات کے ان نفسیاتی احوال کی گرد تک بھی نہیں پہنچی جو حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کو پیش آئے اور جن کو مکتوبات شریف میں بیان فرمایا۔ مسعود

امکانات کو رد کیا تو دوسری طرف متشرعین کو معقولین سے نجات دلائی اور ملتِ اسلامیہ کی صحیح طرف رہنمائی فرمائی اور مصلح و مجدد وقت ہونے کی حیثیت سے آپ کو یہی کرنا تھا۔

ڈاکٹر محمد اقبال:

خاندانی میلان طبع اور پھر والد ماجد اور قابل اساتذہ کی صحبت نے اقبال کو خود شناسی اور خداشناسی کی طرف متوجہ کیا،

اقبال کو تصوف سے گہرا لگاؤ تھا اور اس کو عین اسلام سمجھتے تھے چنانچہ اپنے ایک مضمون میں اس کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعائر حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائر اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مترادف سمجھتا ہے[1]

وہ اولیاء اللہ کی صحبت کو دولت کائنات سے بہتر خیال کرتے تھے اور ان کی کفش برداری کو باعث افتخار۔ خواجہ حسن نظامی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

> جن لوگوں کے عقاید و عمل کا ماخذ کتاب و سنت ہے اقبال ان کے قدموں پر ٹوپی کیا سر رکھنے کو تیار ہے اور ان کی صحبت کے ایک لحظہ کو دنیا کی تمام عزت و آبرو پر ترجیح دیتا ہے[2]

---

[1] انوار اقبال، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۲۶۸، مضمون علم ظاہر و باطن مطبوعہ اخبار وکیل امرتسر، ۲۸ جون ۱۹۱۶ء
[2] انوار اقبال ص ۱۸۶، مکتوب محررہ ۱۸ جنوری ۱۹۱۸ء

ان کے نزدیک ملّتِ اسلامیہ کے انحطاط کا اصل سبب بزرگانِ دین سے بدگمانی ہے اسی لیے وہ ان حضرات پاک سیرتوں کو پیش کرنے پر زور دیتے ہوئے محمد الدین فوق کو لکھتے ہیں :۔

زمانۂ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کی حیرت ناک زندگی کو زندہ کیا جائے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصل علّت حسن ظن کا دور ہو جانا ہے ۔

(انوار اقبال ، ص ۲۰۷ ، مکتوب بنام محمد الدین فوق ، محررہ ۷ / اکتوبر ۱۹۰۰ء)

ان خیالات کی روشنی میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اقبال تصوف سے برگشتہ اور اولیاء اللہ کی صحبت سے روگرداں تھے ، وہ اولیاء اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دل سے متوجہ ہوئے چنانچہ وہ عالم جوانی سے اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیتے رہے ۔ ۱۹۰۵ء میں جب کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان جا رہے تھے حضرت نظام الدین اولیاء رعلیہ الرحمہ کے مزار مبارک پر دہلی حاضر ہوئے اور اپنی مشہور نظم "التجائے مسافر" میں مؤثر پیرائے میں اپنے دلی تاثرات بیان کیے جس سے ان کی قلبی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۸ء کے درمیان وہ انگلستان اور جرمنی میں رہے ، جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے انہوں نے ڈاکٹریٹ کیا ۔ مقالۂ ڈاکٹریٹ کے سلسلے میں انہوں نے انگلستان کی لائبریریوں سے استفادہ کیا اور صوفیائے کرام کی نادر تصانیف کا مطالعہ کیا مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردی

نوٹ :۔ حضرت مجدد اور اقبال پر راقم کے تین مقالات اقبال اکادمی (کراچی) نے اپنے سہ ماہی مجلّے اقبال ریویو میں شائع کیے تھے ، جن کی تفصیل یہ ہے :۔

۱ علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی ، شمارہ اپریل ۱۹۶۳ء

۲ اقبال کے فلسفۂ خودی میں مقامِ عبدیت ، شمارہ جولائی ۱۹۶۴ء

۳ شریعت و طریقت افکار اقبال کی روشنی میں ، شمارہ جنوری ۱۹۶۵ء

ہم نے ان اوراق میں انہیں مقالات کا خلاصہ پیش کیا ہے ، اقبال اکادمی ، اقبال ریویو کے مضامین کا انتخاب شائع کر رہی ہے ، یہ تینوں مقالات اس انتخاب میں شامل ہیں جو عنقریب شائع ہونے والا ہے ۔ مسعود

حضرت امام غزالی، حضرت سید علی ہجویری، خواجہ محمد گیسو دراز، میر جرجانی، عزیز الدین نسفی وغیرہ کی کتب و رسائل مطالعہ کیے۔

۱۹۰۸ء میں وطن عزیز واپس آنے کے بعد انہوں نے حضرت مجدد کے مکتوبات شریف کا مطالعہ کیا۔ مکتوبات شریف کا بہترین اڈیشن ۳۳-۱۳۲۹ھ / ۱۴-۱۹۱۱ء کے درمیان امرتسر سے شائع ہوا۔ اس زمانے میں اقبال نے جو خطوط لکھے ہیں ان سے حضرت مجدد کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے[1]۔ اقبال سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے لیکن ان کو سلسلۂ نقشبندیہ بالخصوص خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور حضرت مجدد علیہما الرحمہ سے خاص عقیدت و محبت تھی جس کا اظہار انہوں نے اپنے اس مکتوب میں کیا ہے:۔

خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے، مگر افسوس یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے، یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں[2]

اقبال کے خیال میں سلسلۂ نقشبندیہ "حرکی (Dynamic) ہے جب کہ دوسرے سلاسل سکونی، (Static) ہیں۔ چنانچہ مرزا عبدالقادر بیدل (م ۱۱۳۳ھ) کے کلام پر تبصرہ

---

[1] بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۱۶ء میں اقبال کے ذاتی کتب خانے میں مکتوبات امام ربانی موجود تھے، ممکن ہے کہ سنہ مذکور سے پہلے سے ہوں، شاہ سلیمان پھلواروی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

شیخ (ابن عربی) نے تجلی ذاتی کو انتہائی مقام قرار دیا ہے اور اس کے بعد عدم محض، حضرت مجدد نے یہ فقرہ ایک مکتوب میں نقل کیا ہے، میری کتابیں اس وقت لاہور میں موجود نہیں ہیں کہ صفحہ اور مقام کا پتہ دے سکتا۔

(بشیر احمد دار، انوار اقبال، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص۔ ۱۷۹، مکتوب بنام شاہ سلیمان پھلواری محررہ ۲۴، فروری ۱۹۱۶ء)

[2] شیخ عطاء اللہ: اقبال نامہ، جلد اول مطبوعہ لاہور مکتوب نمبر ۳۵ (بنام سید سلیمان ندوی مرحوم)

کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے :-

بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے ، نقشبندی سلسلے اور حضرت مجدد الف ثانی سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد بھی یہی ہے ، نقشبندی مسلک حرکت اور رجائیت پر مبنی ہے مگر چشتی سلسلے میں قنوطیت اور سکون کی جھلک نظر آتی ہے اسی وجہ سے چشتیہ سلسلے کا حلقہ ارادت زیادہ تر ہندوستان تک محدود ہے مگر ہندوستان سے باہر افغانستان ، بخارا ترکی وغیرہ میں نقشبندی مسلک کا زور ہے ؁۱

اقبال کی نظر میں حضرت مجدد سلسلہ نقشبندیہ کی اسی حرکیت ، کا نقطہ کمال تھے ، اسی لیے ان کو آپ سے گہری محبت اور عقیدت تھی ، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان کے صاحب زادے جاوید اقبال تولد ہوئے (۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء) تو انہوں نے منت مانی کہ جب وہ بڑے ہو جائیں گے تو حضرت مجدد کے مزار مبارک پر ان کو پیش کریں گے چنانچہ ایسا ہی کیا اور ۱۹۳۴ء میں جاوید اقبال کو ساتھ لے کر سرہند شریف حاضر ہوئے ۔ اقبال نے ایک مکتوب میں سرہند حاضری کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

آج شام کی گاڑی میں سرہند شریف جا رہا ہوں ، چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا :-

ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلان ؁۲ کے متعلق دیکھا

؁۱ محمود نظامی : ملفوظات ، مطبوعہ لاہور ، ص - ۱۲۲

؁۲ امیر شکیب ارسلان ایک عظیم مفکر تھے ، وہ اتحادِ عالم اسلامی کے بڑے سرگرم رکن تھے تاریخ اسلام اور اسلامی تمدن پر گہری نظر رکھتے تھے ، بہت سی مشرقی اور مغربی زبانوں سے واقف تھے دنیائے اسلام کا حال معلوم کرنے کے لیے دنیا کا دورہ کیا - ان کی بہت سی قابلِ قدر کتابیں شائع ہو چکی ہیں وہ جنیوا کے ایک فرانسیسی رسالے ' "La Nation Arabe" ' کے مدیر تھے ۔ ان کی عربی کی تصنیف " لماذا تاخر المسلمون " ، جو قاہرہ سے ' المنار ' میں (باقی بر صفحہ ۴۲۶)

ہے وہ سرہند بھیجدیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بہت بڑا
فضل کرنے والا ہے"

پیغام دینے والا معلوم نہ ہو سکا کہ کون ہے، اس خواب کی بنا پر وہاں کی حاضری ضروری ہے، اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تھا تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہو گا تو اسے حضرت کے مزار پر لے جاؤں گا، وہ بھی ساتھ جائے گا تاکہ یہ عہد بھی پورا ہو جائے۔[1]

۲۹ جون ۱۹۳۴ء کو سرہند گئے اور ۳۰ جون کو واپس آ گئے، چناں چہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

میں ہفتے کی شام کو سرہند سے واپس آ گیا تھا، نہایت عمدہ اور پُر فضا جگہ ہے ان شاء اللہ پھر بھی جاؤں گا۔[2]

پھر ۳ جولائی ۱۹۳۴ء کے ایک مکتوب میں اپنے قلبی تأثرات کا اس طرح اظہار کرتے ہیں:-

سرہند خوب جگہ ہے، مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے، بڑی پاکیزہ جگہ ہے پانی اس کا سرد و شیریں ہے، شہر کے کھنڈرات دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آ گیا جس کی بنا حضرت عمرو بن العاص نے رکھی تھی، اگر سرہند کی کھدائی ہو تو معلوم

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۱۵

قسط وار شائع ہوئی۔ ہندوستان میں محمد محی الدین نے اس کا ملیالم میں ترجمہ کیا اور ایم اے شکور نے انگریزی میں ترجمہ کیا جو "Our Decline And Its Causes" کے عنوان سے ۱۹۴۲ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

حواشی صفحہ ہذا:-

[1] سید نذیر نیازی، مکتوبات اقبال، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۷ء، ص۔ ۱۶۱

[2] ایضاً، ص۔ ۱۶۲

نہیں کہ اس زمانے کی تہذیب وتمدن کے کیا انکشافات ہوں۔ یہ شہر فرخ سیر کے زمانے میں بحال تھا اور موجودہ لاہور سے آبادی اور وسعت کے لحاظ سے دوگنا تھا۔[1]

حضرت مجدد سے اقبال کی عقیدت ومحبت کا حال ان حضرات نے بھی بیان کیا جو ان سے ملے یا ان کے قریب رہے مثلاً پروفیسر عبدالقیوم مرحوم، حضرت مولانا محمد ہاشم جان مجددی سرہندی مرحوم، مولانا عبدالمجید سالک، سید نذیر نیازی، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مولانا غلام رسول مہر، حکیم محمد روح اللہ قادری، پروفیسر سید عبدالقادر مرحوم وغیرہ۔

بقول مولانا حکیم محمد روح اللہ قادری علیہ الرحمہ (م ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء)

علامہ اقبالؒ کے والد ماجد شیخ نور محمد علیہ الرحمہ آوان شریف (ضلع گجرات، پاکستان) کے ایک مشہور ومعروف قادری بزرگ حضرت قاضی سلطان محمود صاحب علیہ الرحمہ (م ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) سے بیعت تھے اور جب علامہ اقبال سن شعور کو پہنچے تو ان کو بھی آپ ہی سے بیعت کرادیا[2] اور بقول پروفیسر سید عبدالقادر مرحوم (م ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء) علامہ اقبال نے خود ان سے فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے ارشاد کے مطابق وہ دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور وہاں:

رؤیا میں قاضی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا فیض حضرت مجدد کے پاس ہے۔

چنانچہ علامہ اقبالؒ سرہند پہنچے اور فیض یاب ہوئے[3]

---

[1] سید نذیر نیازی: مکتوبات اقبال، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۷ء، ص۔ ۱۶۱

[2] ماہنامہ آئینہ (لاہور) اپریل ۱۹۶۵ء (حضرت قاضی سلطان محمود صاحب" از علی احمد خاں ص۔ ۴۴)، ب۔ عبداللہ قریشی، "اقبال اور طریقت" شمولہ "آئینہ اقبال" شائع کردہ آئینہ ادب، لاہور ص۔ ۲۵۴

(بقیہ برصفحہ نمبر ۳۶۸)

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمہ کا وصال ۱۹۱۹ء میں ہوا تو یہ حاضری اس سے پہلے
کی بات ہے جب علامہ اقبال مثنوی اسرار خودی اور رموز بے خودی لکھ رہے تھے۔
مولانا محمد ہاشم جان سرہندی نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سرہند جاتے ہوئے جب لاہور سے
گزرا تو اقبال سے ملاقات ہوئی، جب اقبال کو معلوم ہوا کہ مولائے ممدوح کا نسبی تعلق حضرت مجدد
سے ہے تو انہوں نے بڑی قدر و منزلت کی اور حضرت مجدد سے اپنی عقیدت کے سلسلے میں یہ
واقعہ بیان کیا۔

ایک مرتبہ حافظ عبدالحلیم کے ہاں احباب کے ساتھ بسی گیا ہوا تھا، واپسی میں
سرہند پڑا تو احباب فاتحہ خوانی کے لیے حضرت مجدد کے مزار پر حاضر ہوئے مجبوراً
مجھے بھی جانا پڑا، سب لوگ مراقب ہو گئے میں بیٹھا رہا، اچانک مجھ پر رقت طاری
ہوگئی، لرزنے لگا اور تھوڑی دیر بعد بیہوش ہو گیا۔ جب سب لوگ مراقبے
سے فارغ ہوئے تو مجھ پر پانی چھڑکا اور میں ہوش میں آیا، اس روحانی تجربے کے
بعد مجھے یہ معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء فیضان الٰہی سے خالی نہیں۔[1]

مولانا فرماتے ہیں کہ اقبال یہ واقعہ بیان کرتے اور روتے جاتے، ان کا دل محبت سے معمور اور
آنکھیں اشکبار تھیں۔

اب راز، راز رہ نہ سکے گا کہ ان کی یاد
پلکوں تک آگئی ہے چراغاں کیے ہوئے

مولانا عبدالمجید سالک نے ذکر اقبال اور سرگزشت میں حضرت مجدد سے اقبال کی عقیدت
کا ذکر کیا ہے، انہوں نے سرگزشت میں لکھا ہے:۔

ڈاکٹر اقبال ہندوستان کے اولیاء کرام میں سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ

---

[1] مکتوب علی احمد خاں بنام سید نور محمد قادری محررہ ۸ دسمبر ۱۹۶۵ء بحوالہ ماہنامہ
ضیائے حرم (لاہور) اپریل ۱۹۷۵ء "سلسلۂ قادریہ میں علامہ اقبال کی بیعت" از سید نور محمد
قادری، ص ۔ ۴۴

احمد سرہندی علیہ الرحمہ سے بے انتہا عقیدت تھی، ۱۹۳۴ء کے جون میں انہیں بیٹھے بٹھائے خیال آیا کہ سرہند شریف کی زیارت کرنی چاہیے چنانچہ انتہادرجے کے آرام طلب ہونے کے باوجود وہ شدید گرمی کے موسم میں سرہند گئے اور وہاں سے واپس آکر وہ نظم لکھی:۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر

واپسی پر ڈاکٹر صاحب نے وہ کیفیات بھی بیان کیں جو حضرت کے مزار پاک کی زیارت کے وقت ان کے قلب پر وارد ہوئیں اور دیر تک ہم نشینوں کو کیفیتِ عرفاں سے سرشار کیا۔[1]

جس نظم کی طرف سالک مرحوم نے اشارہ کیا ہے وہ بالِ جبریل میں موجود ہے، اس کے چند اشعار یہ ہیں:۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار[2]

سید نذیر نیازی نے بھی سرہند شریف حاضری کے بعد اقبال کے تاثرات کا ذکر کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے:۔

حضرت علامہ سرہند سے بڑا گہرا اثر لے کر آئے تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ مسلمان اپنی تاریخ اور تہذیب و تمدن سے کس درجہ بے خبر ہیں بلکہ اس سے غفلت برت رہے ہیں، راقم الحروف کے دل پر ایک تو اس اسلوب کا بڑا اثر تھا جس میں حضرت علامہ نے سرہند کا نقشہ کھینچا تھا۔

---

[1] عبدالمجید سالک: سرگزشت، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۲۰۸،۴

[2] اقبال: بالِ جبریل، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء ص ۲۱۱،۲۱۲

یہ اسلوب کیسا برجستہ اور تصنع سے پاک تھا، صاف وسادہ ___ ثانیاً ان کا ذہن بعض سکھ گرودں کے اس قتل کی طرف منتقل ہوگیا بس کو سکھوں نے مکتوبات کے حوالے سے کسی نہ کسی طرح حضرت مجدد کے اثر کا نتیجہ ٹھیرایا ہے اور جن کی بنا پر یہ ان کا مذہبی فریضہ بن گیا تھا کہ ہر آنے جانے والا سکھ، سرہند کی ایک ایک اینٹ دریا میں ڈال دے[1]

پروفیسر سلیم چشتی کے سامنے بھی اقبال نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا، چناں چہ راقم کے استفسار پر پروفیسر موصوف نے تحریر فرمایا ہے۔

اس قدر یاد ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ سجادہ نشین خلیفہ محمد صادق (مرحوم) نے میرے لیے مزار مبارک پر تخلیہ کرا دیا تھا، میں ایک گھنٹے تک مراقب رہا اور حضرت مجدد کی روح میری طرف محبت آمیز رنگ میں متوجہ رہے، مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت مجھ سے فرما رہے ہیں۔ کہ تمہاری دینی خدمات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی ہیں، آں حضور کی تم پر خاص نگاہ کرم ہے میرے قلب میں سوز و گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی جس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہوسکتا، اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خاصانِ خدا کا فیض بعد وفات بھی جاری رہتا ہے اور یہی اندازہ ہوا کہ حضور انور کے روضۂ مبارک سے کس قدر فیضان جاری ہے رقت کا عالم برابر طاری رہا، زمان و مکاں کا احساس ختم ہوگیا تھا، روحانی فیض میرے رگ و پے میں ساری تھا، دل میں اس قدر وسعت کہ ساری کائنات اسی میں سما گئی[2]

غالباً ضرب کلیم (۱۹۳۵ء) میں اسی تجربے کی بنا پر اقبال نے کہا ہے ؎

---

[1] سید نذیر نیازی: مکتوبات اقبال، ص ۱۷۴ و ۱۷۵

[2] مکتوب محررہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۳ء، از لاہور

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

حضرت مجدد سے اقبال کی عقیدت کورانہ نہ تھی بلکہ انہوں نے تعلیماتِ مجددیہ کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا تھا اور خوب پرکھا تھا اور نہ صرف یہ کہ وہ ان تعلیمات سے خود متاثر ہوئے بلکہ دوسرے ممالک میں اس کا پرچار بھی کیا چنانچہ ۱۹۳۲ء میں انگلستان میں حضرت مجدد کے افکار و خیالات پر ایک لیکچر دیا تھا[1] جو وہاں بہت پسند کیا گیا اس کے متعلق فاضل جلیل پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی[2]

بالِ جبریل میں ایک نظم ملتی ہے جس میں اقبال مستمندانہ حضرت مجدد سے طلب و سوال کرتے ہیں :-

لا اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی!
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی!
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی![3]

میاں بشیر احمد (بیرسٹر ایٹ لا) کے استفسار پر اقبال نے بتایا کہ اس نظم میں ساقی سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی طرف اشارہ ہے ____ مثنوی مسافر بادیہ کر دلے

---

[1] راقم نے اس لیکچر کا مسودہ تلاش کیا مگر ہنوز کامیابی نہیں ہوئی، مختلف فضلاء کو بھی لکھا مثلاً ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم مولانا غلام رسول مہر مرحوم، ایم جہانی ڈاکٹر اے۔ جے آربری، ڈاکٹر جاوید اقبال، ڈاکٹر عبادت بریلوی وغیرہ وغیرہ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۳ء کے درمیان ان فضلاء سے مراسلت ہوئی، اگر یہ لیکچر دستیاب ہو جاتا تو فکر اقبال کے بعض نئے گوشے سامنے آجاتے ۔ مسعود

[2] شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ، حصہ اول، مطبوعہ لاہور (مکتوب محررہ ۸ ؍ اگست ۱۹۳۳ء) باقی بر صفحہ ۴۲۰

اقوام شرق" میں بھی ایک جگہ اقبال کہتے ہیں :۔

از سہ قرن ایں امت خوار و زبوں
زندہ بے سوز و سرور اندروں[1]

اقبال کو مسلمانانِ عالم کی پستی کا شدید احساس تھا، ان کو سخت افسوس تھا کہ مسلمانوں میں نہ وہ مجتہدانہ شان باقی رہی اور نہ سرفروشانہ آن۔ اسی متاعِ دز دیدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

شیر مردوں[2] سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی!
عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے ؟
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

اور پھر آخر میں کس حسرت سے حضرت مجدد سے التجا کرتے ہیں :۔

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی![3]

(حاشیہ بقیہ صفحہ نمبر ۴۲۱)

[3] اقبال : بالِ جبریل ، ص۔۱۰

(حواشی صفحہ ہذا)

[1] اقبال : مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق ، مطبوعہ لاہور ، ۱۹۳۶ء ، ص ۔ ۲۸

[2] یہاں "شیر مرد" کی ترکیب بڑی معنی خیز ہے ، مولانا عبد الرحمن جامی سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ کے بارے میں فرماتے ہیں ؎ ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند ؛ زدو بیار حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را ؛

اور حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلوی علیہ الرحمہ حضرت مجدد کی منقبت میں فرماتے ہیں :۔

شیرے بجواب نازِ بہلوئے دو شبل   یارب چہ راز است کہ ایں جا نہفتہ اند ؛

[3] اقبال : بال جبریل ، ص۔ ۱۷ و ۱۸

مسعود

حضرت مجدد نے بعض مشائخ وصوفیہ کے اقوال واعمال پر جو تنقید فرمائی ہے اس میں تین چیزیں سرفہرست نظر آتی ہیں :-

(۱) تصور وحدۃ الوجود

(۲) شریعت اور طریقت

(۳) رقص وموسیقی

حضرت مجدد نے اپنے ذاتی تجربات ومشاہدات کی روشنی میں نظریہ وحدۃ الوجود سے ایک قدم آگے بڑھا کر نظریہ وحدۃ الشہود پیش کیا، حضرت مجدد کے عہد میں تصور وحدۃ الوجود کی غلط تعبیر وتشریح نے فضا کو مسموم کر دیا تھا، آپ نے اس کی صحیح تاویل وتشریح فرمائی اور ایک ایسا نظریہ پیش کیا جس میں غلط تعبیر کا وہم وگمان بھی نہ رہا یعنی تصور وحدۃ الشہود۔

اس کے علاوہ آپ نے ان مشائخ کے انداز فکر کی اصلاح فرمائی جو شریعت اور طریقت کو دو علیحدہ حقیقتیں سمجھتے تھے، حضرت مجدد نے عقل ونقل سے یہ ثابت کیا کہ شریعت وطریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، ان میں ذرہ برابر فرق نہیں، اس طرح شریعت اور طریقت کی علیحدگی جو فتنے اٹھ سکتے تھے یا اٹھ رہے تھے حضرت مجدد نے ان کا سدِباب فرمایا۔

تیسری بات یہ کی کہ رقص وموسیقی کو بے حقیقت ثابت کر کے ذکر واذکار سے خارج کر دیا، بعض مشائخ نے اس کو داخل ذکر کر لیا تھا اور بعض اس کو قائمقام ذکر تصور کرتے تھے حضرت مجدد نے رقص وموسیقی کے مقابلے میں نماز کی حقیقت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ سکون وطمانیت کا سرچشمہ تو دل کے اندر ہے، ہم اس کو باہر تلاش کرتے ہیں اور سکونِ قلبی اور التذاذ روحانی کے لیے نماز سے بڑھ کر کوئی مشغلہ نہیں۔

اقبال کی تصانیف اور کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدد کی ان تینوں اصلاحات سے متاثر ہوئے اور اس حد تک متاثر ہوئے کہ خود ان میں ذہنی اور فکری انقلاب آگیا جو انہوں نے محسوس بھی کیا اور بیان بھی کیا۔ ہم حقائق وشواہد کی روشنی میں فکر اقبال کے اس پہلو کا جائزہ لیتے ہیں۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے واپسی پر اقبال نے حضرت مجدد کے مکتوبات شریف

کا مطالعہ کیا اور متاثر ہوئے اور اسی تاثر کا نتیجہ ہے کہ اقبال نے ۱۹۱۲ء میں اپنا تصور خودی پیش کیا، شمع و شاعر (۱۹۱۲ء) وہ پہلی نظم ہے جس میں یہ تصور ملتا ہے، اس سے پہلے وہ وجودی نظر آتے ہیں لیکن سنہ مذکور کے بعد سے شہودی معلوم ہوتے ہیں، وہ ایک نیا اندازِ فکر لے کر ابھرتے ہیں اور اس فکر نو کو مثنوی اسرارِ خودی (۱۹۱۰ء) میں باقاعدہ پیش کرتے ہیں، اس فکری انقلاب کے لیے ان کو بڑا جہاد کرنا پڑا جس کا اظہار انہوں نے ایک مکتوب میں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔

میری نسبت بھی آپ کو معلوم ہے، میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی تیز ہو گیا تھا کیوں کہ فلسفۂ یورپ بحیثیت مجموعی وحدۃ الوجود کی طرف رُخ کرتا ہے مگر قرآن پر تدبر کرنے اور تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا اور اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا[1]

اقبال کے والد محترم اہلِ دل تھے، ابن عربی علیہ الرحمہ کی تصانیف سے خاص شغف رکھتے تھے اور وحدۃ الوجود کے مؤید تھے۔ اسی ماحول میں اقبال نے پرورش پائی، چنانچہ وہ اس ابتدائی تربیت، تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے شاہ سلیمان پھلواروی کو لکھتے ہیں :۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کوئی بدظنی نہیں بلکہ مجھے ان سے محبت ہے، میرے والد کو فتوحات اور فصوص سے کمال توغل رہا ہے اور چار برس کی عمر سے میرے کانوں میں ان کا نام اور ان کی تعلیم پڑنی شروع ہوئی، برسوں تک ان دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں رہا، گو بچپن کے دنوں میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی تاہم محفل درس میں ہر روز شریک ہوتا بعد میں جب عربی

---

[1] مکتوب محررہ ۳۰ ردسمبر ۱۹۱۵ء، بنام خواجہ حسن نظامی دہلوی

نوٹ :۔ یہ مکتوب ہم کو ڈاکٹر شیخ محمد اکرام (چیف اڈمنسٹریٹر اوقاف) کی عنایت اور ایجوکیشن ڈائرکٹر اوقاف سید غلام شبیر بخاری کے توسط سے ستمبر ۱۹۶۳ء میں ملا۔ مسعود

سیکھی تو کچھ خود بھی پڑھنے لگا اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا میرا شوق اور دارفتگی زیادہ ہو گئی ۔[1]

بہرکیف حضرت مجدد کے مطالعے نے اقبال کو وحدۃ الوجود سے وحدۃ الشہود کی طرف متوجہ کیا۔ اقبال کی اس فکری تبدیلی نے ان کے انگریز اساتذہ کو حیرت میں ڈال دیا تین چار سال کے اندر اندر اتنا عظیم انقلاب آجانا یقیناً حیرت انگیز ہے، چنانچہ اسرارِ خودی کے شائع ہونے کے بعد اقبال کے استادِ فلسفہ میک ٹیگرٹ نے ان کو لکھا :-

طالب علمی کے زمانے میں تو تم زیادہ ترہمہ اوستی معلوم ہوتے تھے
اب معلوم ہوتا ہے کہ ادھر سے ہٹ گئے ہو[2]

جس زمانے میں اقبال نے اسرارِ خودی لکھی ہے اس سے کچھ پہلے امرتسر سے مکتوبات امام ربانی کا شاندار اڈیشن شائع ہو رہا تھا، مکتوبات کی تینوں جلدیں ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء میں چھپ کر منظرِ عام پر آگئیں، (مکتوبات اس سے قبل بھی شائع ہو چکے تھے مگر وہ نایاب تھے، سہل الحصول نہ تھے) بہرکیف اقبال نے ان تینوں مجلدات کا عمیق مطالعہ کیا چنانچہ انہوں نے اس زمانے میں اور بعد میں بھی اپنے خطبات و مکتوبات میں مکتوبات امام ربانی کے حوالے دیے ہیں۔ ۳۰ ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو وہ ایک مکتوب میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کو لکھتے ہیں :-

حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ 'گستن' اچھا ہے یا 'پیوستن'۔ ــــ میرے نزدیک 'گستن' عین اسلام ہے اور 'پیوستن' رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند

۱؎ بشیر احمد ڈار : انوارِ اقبال مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء ، ص ۔ ۸۰ ، مکتوب بنام شاہ سلیمان پھلواروی محررہ ۲۴ ر فروری ۱۹۱۶ء

۲؎ خلیفہ عبد الحکیم : فکرِ اقبال ، مطبوعہ لاہور ، ص ۔ ۳۵۴

کرتا ہوں ــــــــ آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے مجھے "سر الوصال" کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے "سر الفراق" کہا جائے، اس وقت بھی میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے، آپ کے تصوف کی اصطلاحات میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شانِ عبدیت انتہائی کمال روح انسانی کا ہے اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں [۲]

اقبال کے اس مذہب کی بنیاد حضرت مجدد کے اس کشف صحیح پر ہے،

"مقام عبدیت کہ نہایت جمیع مقامات ولایت است"

(مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مطبوعہ امرتسر، ص - ۳۹، مکتوب نمبر ۳۰)

حضرت مجدد نے خواجہ اشرف کابلی کے نام ایک مکتوب میں (جلد اول مکتوب نمبر ۱۴۷) میں گسستن اور پیوستن پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ مشائخ طریقت کی ایک جماعت گسستن کو پیوستن پر مقدم سمجھتی ہے، دوسری جماعت پیوستن کو گسستن پر اور تیسری جماعت خاموش ہے۔

حضرت ابوسعید خراز فرماتے ہیں کہ "جب تک تو آزاد نہ ہوگا نہیں پا سکتا" نہ معلوم ان دونوں میں کونسی بات مقدم ہے (یعنی پانا یا آزاد ہونا)۔ راقم السطور کہتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دونوں یعنی گسستن و پیوستن - - - - - - - - - وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ گسستن کو پیوستن سے الگ کر دیا جائے

---

[۱] خدا کی شان ہے جس ایرانی تصوف پر جرمنی سے ڈاکٹریٹ کیا تھا، چند سالوں کے اندر اندر اس کے خلاف یہ بغاوت!

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۲] مکتوب محررہ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء ــــــــ سید عبدالرشید فاضل نے بھی اس مکتوب کا ضمناً ذکر کیا ہے۔ سید عبدالرشید فاضل، علامہ اقبال اور تصوف، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۶ء، ص - ۳۰)

یا پیوستن بغیر گسستن کے ظاہر ہو جائے۔ اس میں راز ہے تو فقط تقدم ذاتی اور تعین علیت میں ہے۔

شیخ الاسلام ہروی نے دوسرا مذہب اختیار کیا ہے (یعنی پیوستن کو گسستن پر مقدم سمجھا ہے) لیکن جن حضرات نے گسستن کو مقدم رکھا ہے وہ بھی اس سبقت سے انکار نہیں کرتے۔ پیوستن سے ان کی مراد ظہور تام ہے اور ظہورِ مطلق پر منافی سبقت نہیں۔ ظہور مطلق گسستن پر مقدم ہوگا اور ظہور تام مؤخر۔

اس تحقیق کے مطابق ان کا نزاع، نزاع لفظی ہوگا۔ لیکن پہلی جماعت کی نظر عالی ہے، (یعنی جو گسستن کو پیوستن پر مقدم سمجھتی ہے) کہ تھوڑے کو خاطر میں نہیں لاتے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس توجیہ سے مقدم زمانی بھی پیدا ہو گئی ہے بہر کیف مظہر گسستن و پیوستن ہونا چاہیے کیوں کہ مرتبہ ولایت ان مراتب سے وابستہ ہے۔ مرتبہ اولیٰ سیر الی اللہ سے وابستہ ہے اور مرتبہ ثانی سیر فی اللہ سے ——— ان دو سیروں کے بعد حسب مراتب و درجات سالک مرتبہ ولایت و کمال پر پہنچتا ہے۔

اقبال کے قلب و دماغ پر حضرت مجدد کی تعلیمات کا تاثر عارضی نہ تھا، پختہ تر ہو گیا تھا، جس کا کچھ اندازہ اقبال کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:۔

رہبانیت دنیا کی ہر مستعد قوم میں اس کے عملی زوال کے وقت پیدا ہوتی ہے، اس کا مٹانا ناممکن ہے کہ بعض رہبانیت پسند طبائع ہمیشہ موجود رہتی ہیں، جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کریں اور اس کو رہبانیت کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں؛ ہم وحدۃ الوجودیوں کو مسلمان بنانا نہیں چاہتے بلکہ مسلمانوں کو ان کے تخیلات کے دام سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں[۵۱]، اگر ہم حق پر ہیں تو خدا ہماری حمایت

---

[۵۱] اقبال وحدۃ الوجودیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، یہاں محض طنزاً اس طرح لکھ دیا "تخیلات کے دام سے" مراد بھی انہیں نام نہاد مشائخ کے تخیلات مراد ہیں جنہوں نے وحدۃ الوجود کی غلط دیاتی پر صوفیہ

کرے گا اور اگر ہم ناحق پر ہیں تو ہم فنا ہو جائیں گے ۔[1]

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت مجدد نے وحدۃ الوجود سے ایک قدم آگے بڑھا کر وحدۃ الشہود کا تصور پیش کیا۔ اس تصور کے تحت ذات کی نفی نہیں کی گئی بلکہ اثبات کیا ہے اس اثبات کی طرف اقبال نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمود سیمیائی

تصور وحدۃ الوجود میں فرد، انا، یا خودی کی نفی کی گئی ہے جیسا کہ غالب نے کہا ہے ؎

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

ظاہر ہے کہ ایسے نظریہ پر اقبال اپنے تصور خودی کی بنیاد کیسے رکھ سکتے تھے جس میں فرد کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مجدد کے مجتہدانہ مکاشفات کی طرف توجہ کی اور انہیں مکاشفات کو اپنے افکار و خیالات کی اساس ٹھہرایا۔۔۔۔ ظاہراً اقبال نے قرآن و حدیث کو اپنی فکری اساس قرار دیا ہے لیکن قرآن تو انہوں نے بہت پہلے پڑھ لیا تھا، ہمارا خیال ہے کہ وحدت لائم سے بچنے کے لیے انہوں نے ایسا کیا، ماحول پر وجودی فلسفہ غالب تھا اور اس فلسفے کے خلاف کچھ کہنے کے لیے مستحکم اساس کی ضرورت تھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مکتوبات امام ربانی کے مطالعہ نے قرآن و حدیث کے متعلق ایک نیا انداز فکر عطا کیا ہو کیوں کہ حضرت مجدد کے مکشوفات و تجربات (بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ) قرآن و حدیث کے مطابق ہیں اس طرح اقبال کا کہنا صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن و حدیث کا تاثر بلا واسطہ نہ سہی بالواسطہ ہوا۔ اگر اقبال کھل کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۲۸) تعبیر و تشریح کرکے مسلمانوں کو گمراہ کیا۔ مسعود

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] عبدالواحد معینی: مقالات اقبال، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۱۰۸، بحوالہ "سر اسرار خودی" سنہ ۱۹۱۶ء

حضرت مجدد کے افکار و خیالات کی تائید کرتے تو عین ممکن تھا کہ دوسرے سلاسل کے لوگ متہم اعتراض قائم کر لیتے، اس احتیاط پر بھی خواجہ حسن نظامی نے معاف نہ کیا۔ اس کے علاوہ اقبال خود نادری تھے اس لیے بھی وہ حضرت مجدد کے بارے میں محتاط رہے، پھر طبعاً وہ آزاد رہنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے مے مجددی اپنے پیمانے سے پلائی۔

بعض دوسرے فضلاء اور محققین نے بھی حضرت مجدد سے اقبال کے استفادے اور تاثر کا ذکر کیا ہے مثلاً استادِ محترم ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں[1] صاحب، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم[2] مرحوم، ڈاکٹر برہان احمد[3] فاروقی، ڈاکٹر ابوسعید[4] نورالدین وغیرہ مگر ان حضرات نے تفصیل کے بجائے اجمال کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

حضرت مجدد نے مشائخ طریقت کو نظریاتی طور پر تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) طائفہ اولیٰ قائل اند بآنکہ عالم بایجاد حق سبحانہ در خارج موجود است۔

(۲) طائفہ دیگر عالم را ظل حق سبحانہٗ می دانند۔

(۳) طائفہ ثالث قائل اند بوحدت وجود یعنی در خارج یک موجود است و بس[5]

یعنی طائفہ اولیٰ عبدیت کا قائل ہے، طائفہ ثانی ظلیت کا اور طائفہ ثالث وجودیت کا اقبال نے ان تینوں طبقات یا نظریات کو 'شاہد' سے تعبیر کیا ہے، وہ شاہد جو وجود و علم کی شہادت دیتا ہے، حضرت مجدد نے جس ترتیب سے ان طبقات کا ذکر کیا ہے، اقبال نے ان کو منقلب کر دیا ہے، ان تینوں نظریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اقبال کے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

۱؎ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں: ادبی جائزے، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ۱۰۵

۲؎ خلیفہ عبدالحکیم: فکرِ اقبال، مطبوعہ لاہور، ص ۳۶۴

۳؎ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید، مطبوعہ لاہور، ص ۲۴۴

۴؎ ڈاکٹر ابوسعید نورالدین: "وحدۃ الوجود اور فلسفۂ خودی" اقبال ریویو، کراچی، جولائی ۱۹۶۲ء ص ۱۱۵

۵؎ مکتوبات امام ربانی، جلد اول مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۱ء / ۱۳۳۰ھ، مکتوب نمبر ۱۶۰، ص ۲۰۶

حضرت مجدد کے افکار کیسے صاف صاف جھلک رہے ہیں :۔

زندہ یا مردہ یا جاں بلب ۔۔۔ از سہ شاہد کن شہادت را طلب[1]

شاہد اوّل شعور خویشتن :: ۔۔۔ خویش را دیدن بنورِ دیگرے

شاہد ثانی شعورِ دیگرے ۔۔۔ خویش را دیدن بنورِ دیگرے

شاہد ثالث شعور ذاتِ حق ۔۔۔ خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق

حضرت مجدد اسی شاہد ثالث یا طائفہ ثالث کے متعلق فرماتے ہیں :۔

ایں طائفہ علیا را از مقام عبدیت کہ نہایت جمیع مقامات ولایت ست بہرۂ تمام است[2]

یہ وہی مقام ہے جس کو اقبال اپنا مذہب قرار دیتے ہیں اور انتہائی کمال انسانی کہتے ہیں[3] اور اسی مقام کی تشریح وتفسیر اسی شعر میں پیش کرتے ہیں :۔

بر مقام خود رسیدن زندگی ست
ذات را بے پردہ دیدن زندگی ست[4]

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس "دیدن" کی تشریح کر دی جائے ـــــ حضرت مجدد نے تصور وحدۃ الوجود اور تصور وحدۃ الشہود میں 'دیدن' اور 'دانستن' کا فرق و امتیاز قائم کیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔

توحید شہودی ایک دیکھنا ہے یعنی سالک کا شہود سوائے ایک کے کوئی اور نہ ہو اور توحید وجودی ایک موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم سمجھنا[5]

---

[1] اقبال : جاوید نامہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء، ص ۱۳۰

[2] مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۱۶، ص ۳۰

[3] مکتوب محررہ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء بنام خواجہ حسن نظامی دہلوی

[4] اقبال : جاوید نامہ، ص ۱۳۰

[5] مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، ص ۸۳ و ۸۴

اقبال نے حضرت مجدد کے اسی فرق و امتیاز کو مدِ نظر رکھا ہے، جسکو حضرت مجدد نے 'گسستن' 'و پیوستن' اور اقبال نے سرّ الوصال اور سرّ الفراق سے بھی تعبیر کیا ہے ـــــ الغرض اقبال حضرت مجدد کے تصور عبدیت یا تصور وحدۃ الشہود سے بے حد متاثر معلوم ہوتے ہیں

ان کا نظریہ خودی حضرت مجدد کے تصور عبدیت ہی کی دوسری شکل ہے۔ دونوں تصورات میں ناموں کے علاوہ کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

اقبال نے اسی تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے جرمن فلاسفر نطشے (م ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) پر سخت تنقید کی ہے اور اس کی فکری ناکامی اور نامرادی کا کس حسرت سے ذکر کیا ہے۔[1]

خواست تا از آب و گل آید بروں	خوشۂ کز کشت دل آید بروں
آں چہ او جوید مقام کبریاست	ایں مقام از عقل و حکمت ماوراست
زندگی شرحِ اشارات خودی ست	لا و الا از مقامات خودی ست
او بہ 'لا' درماند و تا 'الا' نرفت	از 'مقام عبدہ' بیگانہ رفت
چشم او جز رویت آدم نہ خواست	نعرۂ بے باکانہ زد آدم کجاست؟
کاش بودے در زمان احمدے	تا رسیدے بر سرورِ سرمدے

یہاں احمد سے مراد احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ہیں، اقبال کی نظر میں آپ اس مقام رفیع پر فائز ہیں جہاں مفکرین مغرب کو بھی سبق سکھا سکتے ہیں اسی لیے اقبال کہتا ہے کہ اے کاش نطشے حضرت مجدد کے عہدِ مبارک میں ہوتا تو وہ اس کو بتاتے کہ زندگی کیا ہے، سرور سرمدی کیا ہے؟ لیکن افسوس وہ آپ کے عہد مبارک میں نہ ہوا اور بہک گیا۔۔

ـــــہ

او بہ 'لا' درماند و تا 'الا' نرفت
از 'مقام عبدہٗ' بیگانہ رفت

---

[1] اقبال: جاوید نامہ، ص ۱۷۷، ۱۷۸

حضرت مجدد 'لا' و 'الا' کے فرق کو قائلین عیدیت کے تحت اس طرح بیان فرمایا ہے :-

ممکن را از واجب جدا ساختند و ہمہ را تحت کلمہ 'لا' در آوردہ نفی نمودند و ممکن را با واجب، ہیچ مناسبتے ندیدند و ہیچ نسبت را یا و اثبات نہ کردند و خود را غیر از عبد ـــــ نہ شناختند و او را عز شانہ خالق و مولائے خود دانستند [1]

اقبال کے مندرجہ بالا اشعار حضرت مجدد کے اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔

۱۹۳۲ء میں اقبال نے بزم ارسطو (Aristatolian society) کی دعوت پر انگلستان میں ایک خطبہ دیا تھا۔ جس کا عنوان تھا:-

"Is Religion Possible" [2]

اس خطبے میں اقبال نے حضرت مجدد کے افکار و خیالات کو اہل یورپ سے روشناس کرایا، اور حضرت مجدد کی تعلیمات کی روشنی میں منکرین مغرب کے فکری تسامحات کی نشاندہی فرمائی۔ چنانچہ اسی خطبے میں اقبال نے نٹشے کے افکار و خیالات پر تبصرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ گو اس کی لگن سچی تھی لیکن اس کو (حضرت مجدد جیسا) مرد کامل نہ ملا جو اس کے سامنے حقائق کو بے نقاب کرتا، اس محرومی کی وجہ سے وہ نامراد و ناکام ہو گیا۔

یوں ایک بڑا ذہین و فطین انسان ضائع ہو گیا اور زندگی کی وہ جھلک بھی لاحاصل ثابت ہوئی جس کے لیے وہ صرف اپنی اندرونی قوتوں کا مرہون منت تھا محض اس لیے کہ اسے کوئی مرشد کامل نہ ملا جو اس کی رہنمائی کرتا [3]

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد اول، ص ۳۹

[2] یہ خطبہ اقبال کے مجموعہ خطبات کا ساتواں خطبہ ہے، یہ مجموعہ مندرجہ ذیل عنوان سے شائع ہو چکا ہے:-

Reconstruction Of Religious Thought In Islam.

'تشکیل جدید الٰہیات' کے نام سے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ (مسعود)

[3] اقبال، تشکیل جدید الٰہیات، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء، ص ۳۰۲

اسی لیے تو کہا ہے ؎

کاش بودے در زمان احمدے
تا رسیدے بر سرور سرمدے

اس زورِ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے مکتوبات نے اقبال کو کیسی بصیرت عطا کی تھی، وہ کس یقین کے ساتھ مغربی فلاسفہ پر تنقید کر رہے ہیں، گویا کہ مفکرین مغرب ان کے سامنے طفلِ مکتب ہیں۔ —— اقبال کو یقین کی اس منزل پر کس نے پہنچایا؟ جو دوسرے مفکرین کے لیے حضرت مجدد کو ایک مرشد کامل قرار دیتا ہے تو کیا اس نے خود حضرت مجدد سے کچھ نہ سیکھا ہو گا؟ یقیناً پہلے اس نے خود سیکھا اور پھر دوسروں کو سکھایا، پہلے اس نے خود فکری بیعت کی پھر دوسروں کو اس طرف متوجہ کیا۔

اقبال نے نہ صرف نطشے پر تنقید کی ہے بلکہ سوئٹزرلینڈ کے فلسفی سی جی یونگ[1] پر کیسی سخت تنقید کرتے ہیں، وہ یہاں تک کہہ گزرے ہیں کہ "وہ کچھ نہیں سمجھا" —— یونگ پر تنقید کے بعد اقبال حضرت مجدد کے افکار و خیالات پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دیتے ہیں کہ جدید نفسیات میں ترقی کے باوجود اب تک وہ زبان وجود میں نہیں آئی جس میں حضرت مجدد کی باتیں بتائی جائیں چنانچہ وہ عجز و درماندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

> جہاں تک شیخ موصوف کی عبارت کا تعلق ہے مجھے ڈر ہے کہ میں نفسیات حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کر سکوں کیوں کہ اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں[2]

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

> میرا مقصد چونکہ سردست اتنا ہے کہ آپ کی توجہ مذہبی واردات کے اس تنوع اور گوناگونی کی طرف منعطف کراؤں جن سے ایک سالک راہ کو گزرنا

---

[1] Carl Gustav Yung (d. 1961 A.D.)

[2] اقبال، تشکیل جدید الہیات، ص ۲۹۸ و ۲۹۹

پڑتا ہے اور جن کی چھان بین اسی لیے ضروری ہے، لہذا آپ مجھے ان غیر مانوس مصطلحات کے لیے معذور سمجھیں جن کا تعلق ایک دوسری سرزمین اور ایک ایسی نفسیات مذہب سے ہے جس نے تہذیب و تمدن کی ایک سرتاسر مختلف فضا میں پرورش پائی تھی اور جو وضع ہوئیں تو اس کے زیر اثر لیکن جن میں بیچ بیچ معانی کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔[1]

اقبال نے اسی خطبے میں حضرت مجدد کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے اور سلوک و عرفان کا مجتہد اعظم قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

انہوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید و تحقیق سے کیا اس سے سلوک و عرفان کا ایک طریقہ وضع ہوا۔ ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج ہوئے وہ یا تو وسط ایشیا یا سرزمین عرب سے آئے تھے مگر یہ صرف انہیں کا طریق ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رخ کیا اور جو اب بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے۔[2]

اقبال حضرت مجدد اور یونگ کے افکار و خیالات کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد بڑے یقین و وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

شیخ موصوف نے ان ارشادات[3] میں جو امتیازات قائم کیے ہیں ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ اسلامی تصوف

---

[1] اقبال: تشکیل جدید الہیات، ص۔ ۲۹۸ و ۲۹۹

[2] ایضاً، ص۔ ۲۹۸

[3] یہاں اقبال کا اشارہ مکتوبات امام ربانی جلد اول کے مکتوب نمبر ۲۵۲ کی طرف ہے جو شیخ ادریس سامانی کے نام لکھا گیا ہے اور جس میں حضرت مجدد نے ان مقامات قلب کا ذکر فرمایا ہے، روح، سر، خفی، اخفیٰ،

کے اس "مصلح عظیم" (Great Reformer) کی نگاہ بلند میں ہمارے اندرونی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے، ان کا ارشاد ہے کہ ان بے مثال واردات و مشاہدات سے پہلے، جو وجود حقیقی کا مظہر ہیں، عالم امر یعنی اس دنیا سے گزرنا ضروری ہے جسے ہم 'رہنمائے زمانی' کی دنیا کہتے ہیں —— ہم نے اسی لیے تو کہا تھا کہ نفسیات حاضرہ کا قدم ابھی مذہبی زندگی کے قشر تک نہیں پہنچا۔[1]

یونگ کے افکار و خیالات پر تنقید کے بعد اقبال آئین اسٹائن[2] کے نظریات پیش کرتے ہیں اور ان کی معقولیت کو سراہتے ہوئے حضرت مجدد کے افکار کی روشنی میں اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں:۔

> ہم نے جس ہندی بزرگ کے ارشادات کا حوالہ دیا ہے ان کی تحریک اصلاح میں یہی نکتہ مضمر تھا اور اس کے وجوہ بھی ظاہر ہیں، خودی کا نصب العین یہ نہیں کہ کچھ دیکھے بلکہ یہ کچھ بن جائے پھر درحقیقت اس کے بن سکنے ہی کی کوشش ہے جس میں بالآخر اسے موقع ملتا ہے کہ اپنی معروضیت کا زیادہ گہرا ادراک پیدا کرتے ہوئے زیادہ عمیق اور مستحکم بنا پر 'انا الموجود' کہہ سکے یعنی وہ اپنی وجود کنہ اور اساس کو پالے —— خودی کا منتہائے جستجو یہ نہیں کہ اپنی انفرادیت کی حدود توڑ ڈالے، اس کا منتہا ہے اس انفرادیت کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھ لینا۔[3]

یہاں اقبال واضح طور پر حضرت مجدد کے نظریات کی ترجمانی کر رہے ہیں، حضرت مجدد کا یہی فکری کارنامہ ہے کہ انہوں نے "انفرادیت" کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھایا۔ اور انفرادیت

---

[1] اقبال: تشکیل جدید الہیات، ص ۔۔۔ ۳۰۰

[2] Albert Einstein (1979-1955)

[3] اقبال: تشکیل جدید الہیات، ص ۔

کی نفی کے بجائے اس کا اثبات فرمایا ۔۔۔۔ تقریباً ہر شاعر و مفکر نظریۂ وحدۃ الوجود کا مبلغ و معلن نظر آتا ہے لیکن اقبال ایک ایسا شاعر و مفکر ہے جس نے اپنے اشعار و افکار میں وحدۃ الشہود کی ترجمانی کی ہے ۔ اگر ان کو دورِ جدید کا "ترجمانِ مجدد" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔

ابتداء میں عرض کیا گیا تھا کہ حضرت مجدد نے تین قابلِ قدر اصلاحات کیں یعنی نظریہ وحدۃ الشہود پیش کیا، شریعت و طریقت میں مطابقت پیدا کی اور رقص و موسیقی کی تردید کی ۔۔۔ اقبال ان تینوں اصلاحات سے متاثر ہوئے ۔ وحدۃ الشہود کے متعلق اوپر بہت کچھ کہا جا چکا ہے ۔ اب شریعت و طریقت اور رقص و موسیقی کے متعلق مختصراً عرض کرنا ہے شریعت و طریقت کے باہمی ربط کے متعلق حضرت مجدد فرماتے ہیں :

شریعت و طریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، حقیقت میں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں ۔۔۔ اگر دونوں میں بال برابر بھی فرق ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ "حقیقت الحقائق" تک ابھی رسائی نہیں ہوئی [1]

اقبال نے شریعت و طریقت کی اس عینیت کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

بہر حال حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے [2]

اقبال نے اپنی مثنوی میں شریعت و طریقت کے اس فرق کو بیان کیا ہے، چنانچہ شریعت کی تعریف کرتے ہوئے ایک جگہ کہتے ہیں ؎

شرع برخیزد در اعماق حیات
روشن از نورش ظلام کائنات [3]

اور طریقت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر ۴۸، ص ۸۰
[2] شیخ عطاء اللہ : اقبال نامہ، جلد اول، مکتوب نمبر ۱۰۳ مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء ص ۲۰۲ و ۲۰۴
[3] اقبال : مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مطبوعہ لاہور ۱۹۳۶ء، ص ۳۰

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن با عماقِ حیات[1]

"اعماقِ حیات" سے شریعت کا پھوٹ پڑنا اور "اعماقِ حیات" میں شرع کا مشاہدہ کرنا وہی باتیں ہیں جو شرح وبسط کے ساتھ حضرت مجدد نے فرمائی ہیں، بس ذرا ہیر پھیر سے اقبال نے پیش کر دیا ہے۔

اقبال گو ابتدا میں رقص و موسیقی سے محظوظ ہوتے ہیں لیکن بعد میں جب ان کی آنکھیں کھلیں (غالباً مکتوبات امام ربانی کے مطالعے کے بعد) تو انہوں نے اس پر سخت تنقید کی اور اس کو حکمت شرعیہ کے منافی قرار دیا اور پھر بڑی دل لگتی توجیہ فرمائی۔ وہ لکھتے ہیں :۔

اسلامی تصوف نے اس خیال سے کہ ہمارے مشاہدات میں جذبات کی آزمائش نہ ہونے پائے موسیقی تک کو عبادت میں جگہ نہیں دی۔ یعنیہ اس نے صلوٰۃ باجماعت پر زور دیا[2]

یہاں اقبال نے موسیقی کے عدم جواز میں تین باتوں کا ذکر کیا ہے :۔

(۱) اسلامی تصوف نے موسیقی کو جزوِ عبادت قرار نہیں دیا۔
(۲) اسلامی تصوف جذبات کی آمیزش سے بالاتر عبادت کا خواہاں ہے۔
(۳) اسلامی تصوف نے نماز باجماعت پر زور دیا ہے۔

حضرت مجدد نے بھی مکتوبات شریف میں ان تینوں امور کا ذکر کیا ہے :۔

(۱) غنا کی حرمت میں بکثرت آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے[3]
(۲) نسبت جس قدر جہالت اور حیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دور تر ہوا سی

---

[1] مثنوی، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مطبوعہ لاہور ۱۹۳۲ء، ص ۴۰
[2] اقبال، تشکیل جدید الٰہیات، ص
[3] مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر ۲۶۶

قدر اصیل ہے اور مقصد حاصل ہونے کے نزدیک تر ہے ۱؎

(۴) نماز کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر بکثرت مشائخ سماع و نغمہ اور وجد و تواجد میں تسکین اضطراب کو تلاش کرتے ہیں ــــــ لیکن اگر نماز کے کمالات کی حقیقت سے ذرہ برابر بھی واقف ہوتے تو ہرگز ہرگز نہ سماع و نغمہ سنتے اور نہ وجد و تواجد کرتے ۲؎

کہا جاتا ہے کہ اقبال جلال الدین رومی سے متاثر تھے لیکن کم از کم جن نکات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ان میں رومی کے تاثر کا پتہ نہیں چلتا، بلاشبہ یہ تبدیلی اور انقلاب حضرت مجدد کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ ضرورت ہے کہ مکتوبات امام ربانی کی روشنی میں افکار اقبال کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے اور اس گمشدہ سرچشمے کا کھوج لگا کر حقائق و انکشاف کیے جائیں، اسی موضوع پر ڈاکٹریٹ کے لیے مقالہ لکھا جا سکتا ہے کاش کوئی بلند ہمت اس طرف توجہ کرے۔

اقبال نے جس انداز سے مغربی دنیا میں حضرت مجدد کا تعارف کرایا ہے اور جس طرح آپ کے افکار و خیالات کی تشریح و تعبیر کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی آپ الف ثانی کے مجدد ہیں، چار سو سال گزر جانے کے بعد نفسیات جدید اس بلندی تک نہ پہنچی جہاں چار سو سال قبل حضرت مجدد پہنچ چکے تھے۔ ہاں اس مقام پر پہنچنے کے لیے جدید فلسفہ و نفسیات کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے کیوں کہ بقول اقبال ابھی تو وہ افکار مجدد کی گرد تک بھی نہ پہنچ سکی۔ ؏

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لیے

۱؎ مکتوبات امام ربانی: جلد اوّل، ص۔

۲؎ ایضاً، ص۔

محققین مغرب کی نظر میں

وانتشرت صیت ارشادہ وفیوضاتہ وبرکاتہ فی جمیع اقطار
الارض وسار ثناء الجمیل الرکبان فی الطول والارض[1]

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

۱۹۳۲ء میں ڈاکٹر اقبال مرحوم نے مغربی دنیا میں حضرت مجدد کا تفصیلی تعارف کرایا، لیکن سنہ مذکور سے قبل ۱۸۹۶ء میں پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ اور ۱۹۱۱ء میں پروفیسر ڈی۔ ایس۔ مارگولیوس نے اپنی تصانیف میں سرسری طور پر حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے۔ اقبال کے تفصیلی تعارف کے بعد بہت سے مغربی فضلاء اور مستشرقین نے اس طرف توجہ کی جن کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ (T.W. Arnold)
(۲) ڈی۔ ایس۔ مارگولیوس (D.S. Margolioth)
(۳) سر ہملٹن گب (Sir Hamilton Gibb)
(۴) سی۔ اے۔ اسٹوری (C.A. Storey)
(۵) ڈاکٹر پیٹر ہارڈی (Dr. Peter Hardy)
(۶) ماریَن مولے (Marian Mole)
(۷) ڈاکٹر فری لینڈ ایبٹ (Dr. Freeland Abbott)
(۸) ڈاکٹر ہلمنس (Dr. Hilnis)
(۹) ڈاکٹر یوحنا فریڈمین (Yohana Friedmann)
(۱۰) ڈاکٹر جے۔ ایم۔ ایس۔ بلیاں (Dr. J.M.S. Baljon)

---

[1] محمد صالح الزواوی: نفائس السانحات فی تذییل الباقیات الصالحات، مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۱ھ، ص ۲۶

۱۱ حسین حلمی ایشیق

آرنلڈ :

پروفیسر آرنلڈ نے اپنی مشہور تصنیف "The Preaching Of Islam" (۱۸۹۶ء)
میں حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے :۔

جہاں گیر کے عہدِ حکومت میں (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء) شیخ احمد نامی ایک سنی عالم تھے، شیعی عقائد و افکار کی .... پر زور تردید کی وجہ سے یہ خاص طور پر نمایاں ہو گئے تھے، اس زمانے میں دربار جہاں گیری میں شیعوں کا بڑا عمل دخل تھا چنانچہ وہ آپ پر بے سروپا الزامات لگوا کر قید کرانے میں کامیاب ہو گئے، دو سال کی قید و بند کے زمانے میں آپ نے بہت سے بت پرستوں کو مشرف باسلام کیا۔ یہ لوگ آپ ہی کے ساتھ قید تھے [1]

پروفیسر موصوف نے انسائیکلو پیڈیا میں بھی حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے [2]

گب :

پروفیسر مارگولیس اور سر ہملٹن گب نے بھی حضرت مجدد کی علمیت و فضیلت اور آپ کی مجاہدانہ اور مجتہدانہ مساعی کا ذکر کیا ہے اور اس بات پر اظہارِ افسوس کیا ہے کہ تعلیمات مجددیہ کی طرف پوری توجہ نہیں دی گئی۔ انہوں نے لکھا ہے :۔

سترھویں اور اٹھارویں صدی کے درمیان ممتاز فضلاء نے یکے بعد دیگرے

---

[1] T.W. Arnold : *The preaching of Islam*, (1896), Lahore, p. 412.

[2] J. Hastings : *Encyclopeadia Of Raligions And Ethics*, Vol. II, New York, 1954, p. 69

یہ کوشش کی کہ اسلامی دینیات کو نئی بنیادوں پر قائم کیا جائے ـــ ان حضرات نے مذہب میں نفسیاتی اور اخلاقی عناصر پر زیادہ زور دیا (کیونکہ ان سے قبل اس کی طرف اتنی توجہ نہیں دی گئی تھی جس توجہ کی یہ مستحق تھی۔ ان فضلاء میں (یہ حضرات قابلِ ذکر ہیں) شام کے شیخ عبد الغنی نابلسی (۱۶۴۱ء تا ۱۷۳۱ء)، ہندوستان کے احمد سرہندی (۱۵۶۳ء تا ۱۶۲۴ء) اور شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۲ء تا ۱۷۶۲ء) [۱]

اسٹوری :

پروفیسر۔ای۔اے۔اسٹوری نے بھی اپنی تصنیف "The Persian Literature" میں ضمناً حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے، چوں کہ ان کے پیشِ نظر مؤلفین و مصنفین اور ان کی تالیفات و تصنیفات کے متعلق تفصیلات فراہم کرنا ہے اس لیے انہوں نے اجمال سے کام لیا ہے، موصوف نے حضرت مجدد کے حالات کے سلسلے میں ان ماخذ کی نشاندہی کی ہے جن میں سے بعض نادر و نایاب ہیں :۔

(۱) محمد ہاشم کشمی : برکات الاحمدیہ الباقیہ ۱۶۲۶ء / ۱۰۳۷ھ
(۲) محمد ہاشم کشمی : نسمات القدس من حدائق الانس ۱۶۲۲ء / ۱۰۳۱ھ
(۳) محمد امین بدخشی : مناقب آدمیہ و (؟) زات احمدیہ ۱۶۲۹ء / ۱۰۳۹ھ
(۴) میر علی اکبر حسینی اردستانی : محفل الاصفیاء و مجمع الاولیاء ۱۶۳۳ء / ۱۰۴۳ھ
(۵) غلام علی : کرامات و ارشادات مجدد الف ثانی

---

[۱] H.A.R. Gibb : *Muhammadanism - A Historical Survey*, New York, 1961, p. 163.

نوٹ :۔ یہ کتاب ۱۹۱۱ء میں پروفیسر مارگولیوس نے لکھی تھی، بعد میں سر ہملٹن گب نے اس میں اضافے کیے اور ۱۹۴۹ء میں ان اضافوں کے ساتھ شائع ہوئی۔ مسعود

(۶) مظہر الدین فاروقی : مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ [1]

سی۔اے۔ اسٹوری نے حضرت مجدد کے حالات کے ذیل میں آپ کی ولادت، قید و بند، رہائی اور خلعت شاہی سے نوازے جانے کا مجملاً ذکر کیا ہے۔

ہارڈی :

لندن یونیورسٹی کے فاضل ڈاکٹر پیٹر ہارڈی نے بھی ایک مقالے میں حضرت مجدد کے جانہ از متصوفانہ نظریات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے :۔

شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انہوں نے ہندوستان میں اسلام کو خود تصوف کے ذریعہ متصوفانہ انتہا پسندی سے نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریے کی انہوں نے تردید کی اس کے منشاء و مفہوم اور قدر و قیمت کا ذاتی طور پر ان کو عمیق ادراک تھا۔ [2]

مولے :

فرانس کا ایک مستشرق مارین مولے بھی حضرت مجدد کے فکری پس منظر کا مطالعہ کر رہا تھا، چنانچہ اس نے ایک مکتوب میں راقم کو لکھا تھا :۔

لیکن سب سے پہلے میں حضرت مجدد اور ابن عربی پر آپ کی تنقید کا مطالعہ کرنا چاہوں گا۔ اس مقصد کے تحت میں نے سلسلۂ کبرویہ کے علاؤ الدولہ سمنانی کا

---

[1] C.A. Storey : *Persian Literature - A Bio-Bibliographical Survey*, Vol. I, Part II, London, 1953

[2] Wm. Theodre de Bary : *Sources Of Indian Traditions*, New York, 1959, p. 449.

[3] برصفحہ نمبر ۴۹۳

مطالعہ شروع کر دیا ہے جنہوں نے تقریباً ڈھائی سو برس پہلے اسی طرح ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کی مخالفت کی تھی ۔ علاؤ الدولہ سمنانی کے نظریات حضرت مجدد سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں [1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۴۴۶) [۵۳] شیخ علاؤ الدولہ سمنانی علیہ الرحمہ سلسلۂ کبرویہ کے جلیل القدر بزرگ تھے آپ کا سلسلۂ طریقت دو واسطوں سے حضرت ابو علی لالا علیہ الرحمہ سے ملتا ہے ، شیخ موصوف نے علوم طریقت کو زندہ کیا ، بڑے محقق تھے ، آپ کے چچا حضرت شرف الدین سمنانی علیہ الرحمہ شاہی مقرب تھے اور آپ بھی ابتدائے شباب میں ارغون خاں کے دربار سے متعلق رہے ، ایک عرصہ ریاضات و مجاہدات میں بسر کی ، حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے چنانچہ جب مولانا نظام الدین ہروی نے آپ کی تکفیر کی تو آپ بہت روئے اور نفس کو مخاطب کر کے فرمایا :-

اے نفس ستر برس سے میں تجھ کو کہتا تھا کہ تو کافر ہے لیکن تو نے نہیں مانا ، اب تجھ کو یقین ہوا کہ تو کافر ہے کہ مسلمانوں کے امام نے تجھے کافر لکھا ہے ۔

فتویٰ تکفیر کے جواب میں آپ نے یہ رباعی لکھی :-

نفسا ست مرا کہ غیر شیطانی نیست	وز فعل بدش ہیچ پریشانی نیست

ایمانش ہزار بار تلقین کردم

ایں کافر ، را ہیچ مسلمانی نیست

(شاہ محمد کبیر ابو العلا دانا پوری ، تذکرۃ الکرام ، ص ۲۰۔۴ و انشائے ابو الفضل ، ص ۲۲۰-۲۲۱)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] مکتوب محررہ ۱۲ اگست ۱۹۶۲ء از پیرس فرانس ۔

نوٹ :- حضرت مجدد نے مکتوب نمبر ۸ (جلد اول) میں حضرت علاؤ الدولہ سمنانی کی تصنیفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے ان تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے (مسعود)

ایبٹ :

ٹفٹس یونیورسٹی، امریکہ کے شعبۂ تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر فری لینڈ ایبٹ نے بعض مقالات میں حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے، (یہ مقالات موصوف نے از راہِ کرم راقم کو ارسال فرمائے تھے)۔ ایک مقالہ امریکہ کے سہ ماہی مجلہ "The Muslim World" کے اپریل ۱۹۶۲ء کے شمارے میں اس عنوان سے شائع ہوا تھا:۔

"The Decline of the Mughal Empire and Shah Waliullah"

اس مقالے میں پروفیسر موصوف نے حضرت مجدد کے تجدیدی کارناموں، وحدۃ الشہود اور نظریہ اجتہاد کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:۔

جہاں تک شاہ ولی اللہ کا تعلق ہے مذہب میں ان کا نقطۂ نظر حقیقی طور پر سنیت کا حامل ہے اور وہ ہندوستان کے پہلے عالم دین یعنی شیخ احمد سرہندی کے نقطۂ نظر سے زیادہ مختلف نہیں جنہوں نے اکبر کی اس عجیب و غریب کوشش کی سخت مخالفت کی کہ وہ سیاسی مقاصد کے لیے مختلف مذاہب کا ملا جلا ایک مذہب بنائے۔ بہر حال دونوں کے سامنے ایک ہی سوال تھا کہ اسلام کو کس طرح تقویت دی جائے، دونوں اس کے لیے کوشاں رہے[۱]

حضرت مجدد کے نظریۂ وحدۃ الشہود کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے لکھا ہے:۔

ایک اور مسئلہ تھا جو صوفیہ اور موحدین میں عرصے سے مابہ النزاع چلا آ رہا تھا، یعنی نظریۂ وحدۃ الوجود ــــــ شیخ احمد سرہندی کے نزدیک صوفیہ

۱ؔ The Muslim World, U.S.A., April, 1962, p. 11

کی یہ غلطی تھی کہ انہوں نے وجود کی وحدت کا اثبات کیا ــــــ شیخ کا کہنا تھا کہ خالق و مخلوق دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں[1] اتحاد و حلول کی ساری باتیں وہم باطل ہیں۔

حضرت مجدد کے نظریۂ اجتہاد کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے لکھا ہے :۔

ان کا کہنا تھا کہ ایک صحت مند معاشرے کے لیے ارتقا اور تبدیلی لازمی ہے مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی کورانہ تقلید سے مسلم معاشرے کو تقویت نہیں ملتی، اس مسئلے میں شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی اختلاف نہیں رکھتے تھے[2]

پروفیسر موصوف نے ایک اور مقالہ لکھا تھا[3] جس کا عنوان تھا :۔

"Islam in India before Shah Wallullah"

یہ مقالہ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ (نئی دہلی) کے سہ ماہی مجلے :۔

"Studies in Islam"

میں اپریل ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا، (راقم کو اس کی ایک کاپی مدیر محترم حکیم عبدالحمید خاں صاحب نے ازراہِ عنایت ارسال فرمائی تھی۔) اس مقالے میں پروفیسر موصوف نے حضرت مجدد کا تفصیلی ذکر کیا ہے، ابتداء میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

برصغیر کے دو عظیم علماء میں سے ایک عالم اور ممتاز رہنما شیخ احمد سرہندی جہانگیر

---

[1] Ibid, p. 120

[2] Ibid, p. 120

[3] ڈاکٹر فری لینڈ ایبٹ کا مقالہ بعنوان

"The Jihad of Sayyed Ahmad Shahid"

مسلم ورلڈ کے جولائی ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا تھا، اس میں بھی حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے۔ مستو

کے دورِ حکومت میں اچانک سامنے آئے۔[1]

حضرت مجدد کی تعلیمات کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی اساس قرآن و سنت اور شریعت پر تھی، علوم شرعیہ کے متعلق حضرت مجدد کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر موصوف لکھتا ہے:۔

شیخ احمد کا بنیادی فکر یہ تھا کہ "زمانے" پر اسلامی قوانین کا کنٹرول ہونا چاہیے، اسلامی قوانین اس لیے نہیں کہ زمانہ، ان پر کنٹرول کرے۔[2]

اس سلسلے میں حضرت مجدد کی مساعیٔ جمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

اس میں شک نہیں کہ شیخ احمد کے اثرات نہایت ہی شاندار تھے آپ نے تبلیغ و ارشاد سے، بحث و مباحثے سے اور رسل و رسائل کے ذریعہ اہم امراء مملکت کو یہ باور کرایا کہ ہندوستان میں اسلام کے اندر بہت سی بدعات داخل ہو گئی ہیں، ان کو ترک کر دینا چاہیے اور اسلام کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔[3]

اور پھر تعلیماتِ مجددیہ کی اثر پذیری اور اثر انگیزی کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:۔

شیخ احمد کی تعلیمات آپ کے سینکڑوں مریدین و تلامذہ کے ذریعہ دور دور پھیل گئیں شہنشاہ اورنگ زیب آپ کے ایک صاحبزادے کا معتقد و مرید ہو گیا اور یہی نہیں بلکہ ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کے اہلِ دانش و بینش شیخ احمد کی تعلیمات سے وابستہ ہو گئے اور حقیقت تو یہ ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک ہو گئے۔[4]

---

[1] "*Studies in Islam*" Vol. I, No. 2, April, 1964, p. 108.

[2] Ibid, p. 108

[3] Ibid, p. 110

[4] Ibid, p. 111

پروفیسر موصوف نے اورنگ زیب عالم گیر کے عہد حکومت کو تعلیمات مجددیہ کا نقطۂ عروج قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

اورنگ زیب کی سلطنت و حکومت تعلیمات مجددیہ کا نقطۂ عروج تھا۔ اورنگزیب نے اپنے پورے دورِ حکومت میں یہ کوشش کی کہ شریعت اسلامی کے مطابق نظام حکومت کو ڈھالے جس طرح شیخ احمد نے اس کی تشریح کی ہے اور ہر مسلمان کی زندگی بھی شریعت کے مطابق ہو۔[1]

ڈاکٹر محمد اقبال نے حضرت مجدد کی تعلیمات و مساعی کے نقطۂ عروج یعنی اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمہ کو ملتِ اسلامیہ کے لیے مثالی قرار دیا ہے، انہوں نے لکھا ہے :-

میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالم گیر کی ذات نے ڈالا ہے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اس نمونے کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔[2]

ہلنس :

بعض دیگر فضلاء نے بھی حضرت مجدد پر لکھا ہے لیکن ان کی نگارشات کو راقم مطالعہ نہ کر سکا، کوشش کے باوجود یہ دستیاب نہ ہو سکیں۔ حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم فاروقی کابلی نے پاکستان میں قیام کے دوران ۱۹ مئی ۱۹۶۵ء کو ایک ملاقات میں فرمایا تھا کہ کابل یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ہلنس (Dr. Hilnis) نے اپنے ایک فرنچ مقالے میں حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب "حضرت مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید" پر تبصرہ بھی کیا ہے مگر کوشش کے باوجود راقم یہ مقالہ حاصل نہ کر سکا۔

---

[1] Ibid, p. 114

[2] ڈاکٹر اقبال : "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر"، ۱۹۱۰ء بحوالہ عبد الواحد معینی : مقالات اقبال مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۱۲۰۔

یوحنا:

لیڈن یونیورسٹی، (ہالینڈ) کے شعبۂ اسلامیات کے پروفیسر ڈاکٹر جے۔ایم۔ایس۔ بلیاں (J.M.S. Baljon) نے اپنے ایک مکتوب (محررہ ۱۰ فروری ۱۹۷۳ء از لیڈن) میں حضرت مجدد پر ایک یہودی فاضل ڈاکٹر یوحنا فریڈمین (Dr. Yohanan Friedmann) کے فاضلانہ مقالہ "ڈاکٹریٹ کا ذکر کیا ہے، موصوف نے لکھا ہے:۔

ایک یہودی فاضل یوحنا فریڈمین کی بہت ہی دل چسپ اور قابلِ مطالعہ تصنیف شیخ احمد سرہندی ۱۹۷۱ء میں میکگل یونیورسٹی پریس (مانٹریال اور لندن) نے شائع کی ہے اس میں مفصل و مبسوط کتابیات بھی ہے: یہ بہت ہی کیف انگیز کتاب ہے اور اس مقالہ ڈاکٹریٹ کا نظرثانی شدہ ترجمہ ہے جو مصنف موصوف نے ۱۹۶۶ء میں میکگل یونیورسٹی کے "انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز" میں پیش کیا تھا۔

حسن اتفاق کہ پروفیسر ڈاکٹر بلیاں مارچ ۱۹۷۳ء میں پاکستان آئے تھے، موصوف نے از راہ کرم ڈاکٹر یوحنا فریڈمین کی کتاب شیخ احمد سرہندی (مطبوعہ لندن ۱۹۷۳ء) کا ذاتی نسخہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد سندھ کی لائبریری کو نذر کر دیا، راقم نے اکیڈمی میں اس کتاب کا سرسری مطالعہ کیا۔ لندن سے راقم کے کرم فرما جناب شبیر علی خاں صاحب نے ایک نسخہ ارسال فرمایا تو پھر تفصیلی مطالعہ کیا۔ اس کتاب پر استاذ محترم ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں مدظلہٗ (صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد سندھ) نے انگریزی میں تبصرہ تحریر فرمایا ہے جو ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے انگریزی سہ ماہی مجلہ اسلامک اسٹڈیز کے مارچ ۱۹۷۳ء میں شائع ہو گیا ہے۔

حضرت مجدد کے بارے میں فاضل مؤلف یوحنا فریڈمین کا تاثر یہ ہے کہ آپ اوّل و آخر صوفی تھے، مصلح و مفکر نہ تھے، اگرچہ موصوف نے ایک جگہ (غالباً بھولے سے) حضرت مجدد کو مفکر لکھ دیا ہے (ص۔ ۹۰)۔ ان کا خیال ہے کہ شیخ علاؤ الدولہ سمنانی علیہ الرحمہ کے افکار و خیالات

کے پس منظر میں حضرت مجدد کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ فاضل موصوف دورِ جدید کے بعض محققین سے متاثر نظر آتے ہیں مثلاً شیخ محمد اکرام اور ڈاکٹر اطہر عباس رضوی وغیرہ، مگر ان حضرات نے حضرت مجدد کو اچھی طرح نہیں سمجھا ـــــ مؤلف نے بعض ایسے مآخذ کا بھی ذکر کیا ہے جو غلطاً مستند سمجھے جاتے ہیں مگر حقیقت میں مستند نہیں، بہرکیف مجموعی حیثیت سے یہ کتاب قابلِ مطالعہ ہے اور چوں کہ ایک یہودی فاضل کی تصنیف ہے اس لیے قابلِ قدر بھی ہے قابلِ قدر اس لیے کہ یہودی ہوتے ہوئے انہوں نے کسی قسم کے تعصب اور دل تنگی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ جس طرح سمجھا، من وعن بیان کر دیا۔

فاضل موصوف نے اس کتاب کو مندرجہ ذیل عنوانات پر تقسیم کیا ہے:۔

(۱) 1. *The Sources*

(۲) 2. The Concept of Tajdid and the Millenium

(۳) 3. The Self Image of Ahmad Sirhindi

(۴) 4. Prophecy and Sainthood

(۵) 5. Sirhindi's views of the Islamic Traditions : I

(۶) 6. Sirhindi's view of The Islamic Traditions II

(۷) 7. The Indian Environment

(۸) 8. Sirhindi and The Mughal Court

(۹) 9. Judgement of Posterity

(۱۰) 10. Conclusion

بلیان :

حال ہی میں ڈاکٹر بلیان نے لکھا ہے کہ وہ ایک اسسٹنٹ پروفیسر فارسی کی معاونت سے ستمبر ۱۹۷۳ء سے مکتوبات امام ربانی کا مطالعہ شروع کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مکتوبات شریف کی جلد اول (اردو) خریدلی ہے اور دوسری مجلدات کے لیے آرڈر دے دیا ہے۔ (مکتوب محررہ ۱۲۔۱۰ اپریل ۱۹۷۳ء از لیڈن)

فاضل موصوف نے اپنے ایک مقالے میں جو مندرجہ ذیل عنوان سے :-

Psychology as apprehended and applied by Shah Waliullah Dehlawi

لیڈن کے رسالے : **Acta Orientalia Neerlandica**

کے ۱۹۷۱ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے (ص ۵۳ تا ۶۰)۔ اس کے صفحہ ۵۶ پر قول الجمیل (از شاہ ولی اللہ) کے حوالے سے حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے ۔

حسین حلمی ایشیق :

ترکی کے ایک سابق انجنیئر اور سرگرم مبلغ اسلام حسین حلمی ایشیق نے اپنی انگریزی تالیف میں مجددین کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، انہوں نے لکھا ہے :-

ان مصلحین کی پہلی جماعت کو "مجدد" کہا جاتا ہے ، احادیث میں ان کی آمد کا ذکر آیا ہے اور ان الفاظ میں ان کی تعریف کی گئی ہے :-

"میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہوں گے"

مجددین میں امام اعظم ابو حنیفہ ، امام شافعی ، اور وہ حضرات جو ہر صدی سے متعلق ہیں

جیسے امام ربانی احمد فاروقی ـــــ یہ مجددین اہل سنت و جماعت کے بڑے خدمت گزار، مسلمانوں کی آنکھ کے تارے ہیں، یہ مجددین اپنے دماغ، اپنی رائے اور اپنے خیال سے کچھ نہیں کہتے، یہ اپنے علم اور سمجھ کے مطابق بھی احادیث و آیات کو معنی نہیں پہناتے، ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مفسرین و محدثین نے جو رسول اللہ اور صحابہ سے نقل کیا ہے اسی پر زور دیں اور اسی کی اشاعت کریں۔[1]

محققین مشرق کی نظر میں

پاکستان کے بعض فضلاء و محققین نے بھی مغربی دنیا میں حضرت مجدد پر کام کیا ہے اور بعض کے مقالات وہاں شائع ہوئے ہیں۔ اب تک ہمارے مطالعے اور علم میں ان حضرات کی نگارشات آئی ہیں:۔

1. ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ
2. پروفیسر عزیز احمد
3. پروفیسر محمد اسلم
4. پروفیسر حفیظ ملک
5. شیخ قدیر مرزا صاحب

شیخ عنایت اللہ:

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کا تحقیقی مقالہ انگریزی "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" (جلد اول جزد، ص ۲۹۷، ۲۹۸) میں شامل ہے۔ اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن اردو انسائیکلوپیڈیا آف

---

[1] Huseyn Hilmi Isik : *The Religion Reformers in Islam, Istambul*, 1970, p. 169.

اسلام، پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور (جلد ۲، کراسہ ۳۰۲) میں شامل کر دیا گیا ہے۔ یہ مقالہ پاکستان میں دستیاب ہے اس لیے اس کے متعلق سر دست اشارہ ہی کافی سمجھا گیا۔

عزیز احمد:

دسمبر ۱۹۶۱ء میں پروفیسر عزیز احمد (شعبہ اسلامک اسٹڈیز، یونیورسٹی آف ٹورنٹو۔ کینیڈا) کا ایک فاضلانہ مقالہ بعنوان

"Religious and Political ideas of Sheikh Ahmad Sirhindi."

ایک اطالوی رسالے **"Revista degli Studi Orientali"**

میں روم (اٹلی) سے شائع ہوا تھا ۔۔۔۔ مدیر محترم (**Dr. Buccirelli**)، نے ازراہ کرم متعلقہ شمارہ راقم کو بھیجدیا تھا۔

محولہ بالا مقالے میں ہندوستان میں سلسلۂ نقشبندیہ کی اشاعت خواجہ باقی باللہ اور ان کا اثر و رسوخ، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور ان کا مختلف سلاسل طریقت سے استفادہ، اکبری الحاد اور حضرت مجدد کی مجاہدانہ مساعی، ان کے سیاسی نظریات، جہانگیر اور حضرت مجدد، وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود وغیرہ حضرت مجدد کے کارہائے نمایاں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور آخر میں حضرت مجدد کی تحریک اور اس کے اثرات پر ایک تنقیدی نظر ڈالی ہے مقالہ نگار نے ابتدا میں لکھا ہے:۔

شیخ یعقوب نے آپ کو سلسلہ کبرویہ سے متعارف کرایا تھا، غالباً اسی سلسلے

لہ لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے پروفیسر اسلامیات ڈاکٹر ج۔ ایم۔ ایس۔ بلیاں نے اپنے مکتوب محررہ ۸ رجون ۱۹۶۴ء میں اس مقالے کی اطلاع دی تھی۔ محترم علی احمد ہاشمی صاحب (سفارت خانہ پاکستان۔ روم) کی کوشش سے متعلقہ رسالہ حاصل ہوا۔ مسعود

سے آپ نے سید علی ہمدانیؒ کے فلسفیانہ نظریہ شہودیت ((Insolutionist))
کو اپنایا تھا۔[۱]

مقالہ نگار نے حضرت مجدد کے نظریہ وحدۃ الشہود کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مصطفےٰ امیری کے خیالات پیش کیے ہیں اور پھر لکھا ہے :-

یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ ہندوستان میں شیخ احمد کے نظریہ وحدۃ الشہود کے اسلام پر انقلاب انگیز اثرات ہوئے : اس تصور نے سنیوں ، عقلیت پرست آزاد خیالوں اور وجودیوں کو ایک سلک میں منسلک کر دیا ۔ اس نے شریعت و طریقت کے درمیان کشاکش کو کم کر دیا اور صوفیہ و علماء کے قدیم جھگڑوں کو ختم کر کے ان کو یکجا کر کے مستحکم کر دیا اور یہ بات بھی تعجب انگیز نہیں کہ ہندوستان کے باہر بھی شیخ کے خاطر خواہ اثرات مرتب ہوئے[۲]

مقالہ نگار نے آخر میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر اقبال ، سر سید احمد خاں اور مولانا ابو الکلام آزاد پر حضرت مجدد کے اثرات ہوئے[۳]۔

محمد اسلم :

جناب محمد اسلم صاحب (ریڈر شعبۂ تاریخ ، پنجاب یونیورسٹی ۔ لاہور) نے حضرت مجدد

---

[۱] S. Ali Hamadani : *Dhakirat al-Muluk*, India Office Library London, M.S. No. 1130 ff. 88a Ref. Rivista etc. p. 260.

[۲] Rivista etc. p. 1

[۳] Ibid p. 1

[۴] ابو الکلام آزاد نے لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت مجدد پر ایک طویل مقالہ لکھا تھا ، (تذکرہ ۔ لاہور ص ۱۴۱ ، ۲۴۲) لیکن تلاش بسیار کے باوجود اس مقالے کا سراغ نہ مل سکا ۔ مسعود

کی تحریک پر ایم اے کے لیے ایک مقالہ لکھا تھا (۱۹۶۱ء۔ ۱۹۶۲ء) یہ مقالہ ڈاکٹر بائل (Boyle) کی نگرانی میں مکمل کیا اور مانچسٹر یونیورسٹی (انگلینڈ) میں پیش کیا گیا۔ یہ ایک ضخیم مقالہ ہے جو ۸" × ۱۰" سائز کے ۳۸۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس مقالے میں فاضل مقالہ نگار نے انگلستان کے بعض کتب خانوں کے نادر مخطوطات سے مدد لی ہے۔

حفیظ ملک :

پروفیسر ڈاکٹر حفیظ ملک (شعبہ پولیٹیکل سائنس۔ یونیورسٹی آف ولانووا۔ امریکہ) کی ایک کتاب واشنگٹن سے شائع ہوئی ہے۔ عنوان ہے :-

"*Muslim Nationalism in India and Pakistan*" (1963).

فاضل مؤلف نے تین چار صفحات پر حضرت مجدد کا ذکر کیا ہے اور آخر میں آنے والی نسل اور معاصرین پر حضرت مجدد کے اثرات، اتباع سنت محمدیہ پر آپ کا اصرار، اور آپ کے مشن کی شاندار کامیابی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے :-

اس میں شک نہیں کہ آنے والی نسل پر حضرت مجدد نے بڑا اثر ڈالا۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کی پکار "چلو محمد کی جانب چلو" نے سیاست اور مذہب دونوں پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ آپ کی تعلیمات نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے انداز فکر کو متاثر کیا ـــــــ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت میں لادینیت کی سخت مخالفت کی اور ان قوتوں کو تحریک دی تاکہ اکبر سے پہلے کے حالات پیدا ہو جائیں چنانچہ جہانگیر کے پوتے اورنگ زیب بادشاہ کے عہد حکومت میں آپ کی کوششیں بار آور ہوئیں [1]

---

[1] Hafeez Malik : *Muslim Nationalism in India and Pakistan*, Washington, 1963.

قدیر مرزا :

جناب قدیر مرزا صاحب نے بھی لندن یونیورسٹی میں پیش کرنے کے لیے حضرت مجدد پر ایک مقالہ لکھا ہے :۔

میرا مقالہ عرصے سے تیار ہے لیکن رسالے (مسلم نیوز) کے سلسلے میں اس قدر مصروفیت ہے کہ ابھی تک یونیورسٹی کو پیش نہ کر سکا، مقالہ کچھ اچھا نہیں ہے، اگر اطمینان اور سکون قلب سے لکھا جاتا تو شاید پیشکش کے قابل ہو، بہر حال اگر اس مقالے کی خامی کسی مزید جستجو کے لیے آمادہ کر دے تو بھی میں اس کو اپنی کامیابی سمجھوں گا۔[1]

آپ نے ملاحظہ فرمایا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کہاں کہاں نہیں! —— انگلستان میں آپ کا ذکر —— فرانس میں آپ کا ذکر —— اٹلی میں آپ کا ذکر —— افغانستان میں آپ کا ذکر —— ہالینڈ میں آپ کا ذکر —— امریکہ میں آپ کا ذکر —— ترکی میں آپ کا ذکر —— مصر میں آپ کا ذکر —— حجاز میں آپ کا ذکر —— اور پاکستان و ہندوستان کی فضائیں تو نہ معلوم کب سے آپ کے ذکر سے گونج رہی ہیں —— بلاشبہ شاہوں کو وہ عظمت و شوکت نصیب نہیں جو تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا مقدر بن چکی ہے ؎

دربار شہنشاہی سے خوش تر

مردانِ خدا کا آستانہ!

اس میں شک نہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی شخصیت بڑی ہمہ گیر ہے اور اس کے اثرات بھی عالم گیر ہیں۔ ابتداء میں مؤرخین اور محققین نے اس طرف توجہ نہیں کی لیکن اب جوں جوں تحقیق کا میدان وسیع ہو رہا ہے۔ نئے نئے حقائق سامنے آ رہے ہیں اور آپ کی عظمت و شوکت کا نقش پختہ تر ہو رہا ہے۔ بیشک آپ "الف ثانی" کے مجدد ہیں، آپ کا فیض اپنی صدی سے

---

[1] مکتوب محررہ ۱۸/اپریل ۱۹۶۳ء از لندن

گزر کر دوسری صدیوں میں داخل ہو رہا ہے۔ تقریباً ۳۵۰ برس گزر چکے ہیں اور اس عرصے میں ہر صدی کے مجددین پیدا ہوئے مگر پاک و ہند کے افق پر مجددی آفتاب اب تک پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے۔ اقبال نے غلط نہیں کہا تھا ؏

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان

بیشک آپ ناموسِ رسالت، ناموسِ شریعت اور ناموسِ ملت کے محافظ و نگہبان تھے مولیٰ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔ آمین ؎

تین سو سال سے ہیں ہند کے مے خانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی!

لفظ
اللہ اکبر
بصورت ستارہ

مآخذ و مراجع

مآخذ و مراجع

ان کتابوں کی جامع فہرست جن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا گیا یا جن کا ضمناً ذکر کیا گیا۔

آدم بنوری، شیخ: خلاصۃ المعارف فی اسرار العقائد، مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری، لندن نمبر ۱۸۹۲، ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۵ء تا ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء

آریانا دائرۃ المعارف، جلد دوم، مطبوعہ کابل، ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء

ابن حسن: دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء

ابو البیان محمد داؤد پسروری: سیرت امام ربانی، مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۵ء

ابو الحسن: جہاں گیر نامہ، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء

ابو الحسن ندوی: تاریخ دعوت و عزیمت، مطبوعہ لکھنؤ

ابو سعید نور الدین: اسلام اور تصوف، مطبوعہ کراچی، ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء

ابو الفضل: اکبر نامہ، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء

" : آئین اکبری: جلد اوّل، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء

ابو الکلام آزاد، مولانا: تذکرہ، مطبوعہ لاہور

احمد سرہندی، شیخ: مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل (در المعرفت ۱۰۲۵ھ)، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء و کراچی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

احمد سرہندی، شیخ: مکتوبات امام ربانی، جلد دوم (نور الخلائق ۱۰۲۸ھ)، مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء و کراچی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

" " : مکتوبات امام ربانی، جلد سوم، (معرفت الحقائق ۱۰۳۱ھ)، مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء و کراچی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

احمد سرہندی، شیخ : معارف لدنیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء

" " : مکاشفات عینیہ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

" " : رسالہ کوائف شیعہ (در رد روافض)، مطبوعہ رام پور، ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

" " : رسالہ اثبات النبوۃ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء

" " : رسالہ تہلیلیہ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

" " : مبداء و معاد، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء

" " : شرح رباعیات بیرنگ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

احمد مکی، شیخ : ہدیہ احمدیہ، مطبوعہ کانپور، ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء

احمد امین : ظہر الاسلام، جلد چہارم، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

احمد حسین مرلوی : گنجینۂ مناظرہ (رسالہ در ردّ اعتراضات حضرت مجدد)

احمد سروش : کلیات اقبال، مطبوعہ طہران، ۱۳۴۳ھ (ایرانی)

احمد میاں اختر، قاضی : اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، مطبوعہ کراچی، ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

احسان اللہ عباسی : مجدد الف ثانی، مطبوعہ رام پور، ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء

اسمٰعیل پاشا البغدادی : ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین و آثار المصنفین، مطبوعہ استانبول، ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء

" " : ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، مطبوعہ استانبول، ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۵ء
(جلد اول)، ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۶ء (جلد دوم)

اقبال، ڈاکٹر : مثنوی پس چہ باید کرد، مطبوعہ لاہور، ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

" " : بال جبریل، مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء

" " : ضرب کلیم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۴ء

" " : جاوید نامہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء

" " : تشکیل جدید الٰہیات، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

" " : بانگِ درا، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء

" " : ارمغانِ حجاز، مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۸ء

اقبال اکادمی : اقبال ریویو، (جنوری ۱۹۶۸ء / ۱۳۸۸ھ)، کراچی

" : اقبال ریویو، (جولائی ۱۹۶۲ء / ۱۳۸۲ھ)، کراچی

انور شاہ کشمیری: مرقاۃ الطارم لحدوث العالم، مطبوعہ بجنور، ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء

الفرقان (لکھنؤ) : شاہ ولی اللہ نمبر، شمارہ ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۱ء

باقی باللہ، خواجہ : کلماتِ طیبات (۱۰۰۹ھ تا ۱۰۱۲ھ)، مطبوعہ دہلی ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء

" " : مشائخ طرق اربعہ، مطبوعہ حیدر آباد سندھ، ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء

بایزید بیات : تذکرۂ ہمایوں واکبر، مطبوعہ کلکتہ، ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء

بدر الدین سرہندی : حضرات القدس (ترجمہ اردو)، جلد اول و دوم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء

" " : وصال احمدی، مطبوعہ مراد آباد، ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء

بہاؤ الدین نقشبند، خواجہ: ملفوظات، مطبوعہ حیدر آباد سندھ، ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء

بزم اقبال : نشورات اقبال، مطبوعہ لاہور

" : اقبال (سہ ماہی)، اپریل ۱۹۵۴ء / ۱۳۷۴ھ، لاہور

برہان احمد فاروقی: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا تصور توحید، لاہور ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

بشیر الدین احمد : واقعات دار الحکومت دہلی، جلد سوم، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء

بشیر بیگ مرزا : حضرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی

تارا چند، ڈاکٹر : تمدن ہند پر اسلامی اثرات، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

تصدق حسین : مضامین اقبال، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء

ثناء اللہ قاضی پانی پتی: مکتوبات صدی

" " : ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور

جمیل احمد شرق پوری: ارشاداتِ مجدد، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۵ء

جہاں گیر بادشاہ : تزکِ جہاں گیری (فارسی)، مطبوعہ لکھنؤ

حسن علی، ملک : تعلیماتِ مجددیہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

حسن نظامی، خواجہ: خطوط اکبر بنام خواجہ حسن نظامی، مطبوعہ دہلی ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء

حسین الاوسری: کتاب الرحمۃ الہابطہ فی تحقیق الرابطہ، مطبوعہ مکہ مکرمہ۔ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء

حسین حلمی ایشیق: المنتخبات من المکتوبات للامام الربانی، مطبوعہ استانبول۔ ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

حیرت دہلوی، مرزا: چراغ دہلی، مطبوعہ دہلی

خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبد الحق، مطبوعہ دہلی، ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء

خیر الدین زرکلی: کتاب الاعلام، جلد اول، مطبوعہ قاہرہ، ۱۳۷۴-۶ھ / ۱۹۵۴-۶ء

دارا شکوہ: سفینۃ الاولیاء، مطبوعہ کانپور ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء

ذکاء اللہ منشی: اقبال نامہ جہانگیری، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء

رحمان علی، مولوی: تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء

" " : تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ اردو)، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء

رشید احمد ارشد: حیات باقی، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء

رضا قلی خاں ہدایت: تاریخ روضۃ الصفا ناصری، مطبوعہ ایران، ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء

زوار حسین شاہ: حضرت مجدد الف ثانی، مطبوعہ کراچی، ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

زید ابو الحسن فاروقی: کلیات باقی، مطبوعہ لاہور

سید احمد خاں سر: آثار الصنادید، مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۶ء

سیف الدین خواجہ: مکتوبات سیفیہ، مطبوعہ کراچی

شمس سراج عفیف: تاریخ فیروز شاہی (ترجمہ اردو)، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ۱۹۱۹ھ / ۱۹۳۸ء

صدیق حسن خاں، نواب: ابجد العلوم، مطبوعہ بھوپال، ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

" " : تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار، مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء

ضیاء الدین احمد: مراۃ الانساب، مطبوعہ جے پور ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء

ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء

عبد الاحد، وحدت، خواجہ : گلشن وحدت (مکتوبات شریف)، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

عبد الباقی نہاوندی : مآثر رحیمی، جلد اول، مطبوعہ کلکتہ، ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء

عبد الحق محدث دہلوی، شیخ : تذکرۂ مصنفین دہلی، مطبوعہ حیدر آباد دکن

" " : مرج البحرین، مطبوعہ لاہور

" " : اخبار الاخیار (قلمی) ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء

" " : مجموعہ مکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل، مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء

عبد الحکیم، خلیفہ : فکر اقبال، مطبوعہ لاہور

عبد الحلیم چشتی، مولوی: فوائد جامعہ (بر عجالۂ نافعہ از شاہ عبد العزیز)، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۴ء

عبد الحمید عرفانی : رومی عصر، مطبوعہ تہران، ۱۹۱۴ء / ۱۳۳۳ھ ۱۳ ماہ مہر

عبد الحمید لاہوری : بادشاہ نامہ، مطبوعہ کلکتہ، ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء

عبد الحی لکھنوی، حکیم : الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، مطبوعہ دمشق ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء

" " : نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

عبد الرحیم : لباب المعارف العلمیہ فی مکتبۃ دار العلوم الاسلامیہ پشاور، مطبوعہ آگرہ

عبد الرشید، خواجہ : معارف النفس، مطبوعہ کراچی

عبد القادر بدایونی : منتخب التواریخ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء

عبد المالک آروی : اقبال کی شاعری، ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

عبد الماجد دریا آبادی : تصوف اسلام، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء

عبد المجید سالک : ذکر اقبال، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء

" " : سرگزشت، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء

عبد الواحد معینی : مقالات اقبال مطبوعہ لاہور ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء

" : نقش اقبال، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء

عزیز حسن بقائی : سیرت باقی، مطبوعہ دہلی ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء

عزیز الملک سلیمانی : عالمگیر کی اصلی تصویر (پہلا رخ ۱۰۲۶ھ تا ۱۰۶۸ھ)، مطبوعہ کراچی

" " : نعت الملاقات (دوسرا رخ ۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ)، مطبوعہ کراچی

عطاء اللہ شیخ : اقبال نامہ، مطبوعہ لاہور

عطیہ بیگم : اقبال، مطبوعہ کراچی، ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء

علی اکبر حسینی اردستانی : مجمع الاصفیاء و مجمع الاولیاء (مخطوطہ نمبر ۶۴۵)
مکتوبہ ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳-۴ء، انڈیا آفس لائبریری، لندن

عنایت اللہ شیخ، ڈاکٹر : احمد شیخ سرہندی، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد ۲، جز ۲ و ۳
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

عماد الدین : وسیلۃ القبول الی اللہ و الرسول (۱۱۱۵ھ) مکتوبات خواجہ محمد نقشبند
ثانی، مطبوعہ حیدر آباد سندھ، ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء

عمر کحالہ : معجم المؤلفین، جلد اول، مطبوعہ دمشق، ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

غلام جیلانی برق : فلسفیان اسلام، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء

غلام حسین جلبانی : شاہ ولی اللہ کی تعلیم، مطبوعہ حیدر آباد سندھ، ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء

غلام سرور، مفتی : خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم، مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء

غلام علی آزاد بلگرامی : مآثر الکرام، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء

" " : سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، مطبوعہ ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء

غلام علی شاہ : رسالہ در دفع اعتراضات در کلام حضرت مجدد (قلمی)

" : مکاتیب شریفہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء

" : ایضاح الطریقۃ، مطبوعہ لاہور

غلام مصطفیٰ، ڈاکٹر : ایک تحقیقی جائزہ، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

" " : ادبی جائزے، مطبوعہ کراچی، ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء

فرمان علی، پروفیسر : اقبال اور تصوف، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

فقیر محمد جہلمی : حدائق الحنفیہ مطبوعہ نول کشور ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء
فقیر محمد قاضی : جامع التواریخ، مطبوعہ نول کشور ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء
فہرست مخطوطات کتب خانہ تاشقند (روس)، جلد سوم ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء
فہرست مخطوطات کتب خانہ برلن (جرمنی)، جلد اوّل ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء
فہرست کتب (عربی، فارسی، اردو) جلد اوّل، مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء
فیض عالم راجوری، حکیم : اختلاف امت کا المیہ، حصہ دوم (حقیقت مذہب شیعہ) مطبوعہ گجرات ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء
قیام الدین احمد، ڈاکٹر : ہندوستان میں وہابی تحریک، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء / ۱۳۹۲ھ
کمال الدین محمد احسان : روضۃ القیومیہ، مطبوعہ لاہور
گستاؤلی بان، ڈاکٹر : تمدن ہند، مطبوعہ کراچی، ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء
لال بیگ : ثمرات القدس (قلمی)، کتب خانہ قومی عجائب گھر، کراچی
لطیفہ فیضی (مکتوبات شیخ ابوالفیض فیضی)، مخطوطہ اجرٹن (انگلستان) نمبر ۶۹۵
محسن فانی : دبستان مذاہب، مطبوعہ بمبئی، ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء
محمد بن اسمٰعیل بخاری : بخاری شریف، جلد اوّل، مطبوعہ کراچی
محمد امین بدخشی : مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ، مخطوطہ برٹش میوزیم۔ لندن، مکتوبہ ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۱ء
محمد امین نقشبندی : مقامات احمدیہ و ملفوظات معصومیہ، مطبوعہ لاہور
محمد اسعد طلس : الکشاف عن مخطوطات خزائن الاوقاف، مطبوعہ بغداد، ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء
محمد اسلم، پروفیسر : دین الٰہی اور اس کا پس منظر، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء
" " : تاریخی مقالات، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء
محمد اقبال مجددی : احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۲ء
محمد اکرام، شیخ : دربار ملی، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء

محمد اکرام، شیخ : رُود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

محمد باقر بن شرف الدین لاہوری: کنز الہدایات فی کشف البدایات والنہایات (قلمی)
۱۰۷۵ھ / ۱۶۶۵ء

" " : کحل الجواہر، مطبوعہ لاہور

محمد البرزنجی : قدح الزند و قدح الزند فی ردّ جہالات سرہند، ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۱ء

" " : فتوی در تکفیر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (قلمی) مرقومہ،
۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء

محمد بیگ : عطیۃ الوہاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب (قلمی) مکتوبہ،
۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء

محمد ثانی سید : حضرت امام ربانی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۶ء

محمد حسن : حالاتِ مشائخ نقشبند، مطبوعہ لاہور

محمد حسن مجددی : مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء

محمد حسین آزاد : دربار اکبری، مطبوعہ لاہور ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

محمد حسین : الطاف رحمانی، مطبوعہ لاہور ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء

محمد حسین مراد آبادی : انوار العارفین (۱۲۸۶ھ)، مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء

محمد حسین آزاد : تذکرۂ علماء، مطبوعہ کریمی پریس، ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ء

محمد حلیم : مجددِ اعظم، مطبوعہ لاہور، ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء

محمد الدین فوق : ملک العلماء علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، مطبوعہ ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء

" " : مجدد الف ثانی، مطبوعہ لاہور

محمد رحیم بخش : حیاتِ باقیہ مع کلمات طیبات، مطبوعہ دہلی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء

محمد رؤف مجددی، شاہ : جواہر علویہ، مطبوعہ لاہور

محمد ساقی مستعد خاں : مآثر عالمگیری، مطبوعہ کلکتہ، ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء

محمد سعید نقشبندی : مسلک امام ربانی، مطبوعہ لاہور

محمد سعید، خواجہ : مکتوبات سعیدیہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء

محمد سعید احمد، مولوی : ترجمہ اردو مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، جلد اول، کراچی، ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء

محمد سلیمان عاجز : انوار احمدیہ، مطبوعہ حیدر آباد سندھ ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء

محمد صالح الزواوی : نفائس السانحات فی تذییل الباقیات الصالحات، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء

محمد صالح کنبوہ : شاہجہان نامہ، جلد سوم، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء

محمد صالح کولابی : ہدایت الطالبین (معمولات مجددیہ)، مطبوعہ لاہور

محمد طاہر فاروقی، پروفیسر : سیرت اقبال، مطبوعہ لاہور ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء

محمد عابد میاں : انوار العارفین، مطبوعہ دہلی ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء

محمد عبد اللہ جان : فیض البرکات من عین المکتوبات، مطبوعہ لاہور

محمد عبد الغنی : قرآنی تصوف اور اقبال، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء

محمد علی مراد آبادی : کلمات طیبات، مطبوعہ مراد آباد ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء

محمد عمران خاں ندوی : مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء

محمد غوثی، مولانا : اذکار ابرار (ترجمہ گلزار ابرار ۱۰۲۲ھ)، مطبوعہ ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء

محمد فاضل، مظہر الحق : مخبر الواصلین (آغاز تالیف ۱۰۶۰ھ)، مطبوعہ ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء

محمد فرخ، شیخ : کشف الغطاء عن اذہان الاغبیاء (قلمی) ۱۲۴۹ھ / ۱۸۳۳ء

محمد فرمان، پروفیسر : حیات مجدد، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء

محمد قاسم، ہندوشاہ : تاریخ فرشتہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء

محمد کاظم، منشی : عالمگیر نامہ، مطبوعہ کلکتہ ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء

محمد مراد بن حبیب اللہ : مناقب آدمیہ (حضرات احمدیہ) ۱۱۳۹-۴۰ھ / ۱۷۲۶-۲۷ء (مخطوطہ لندن نمبر ۶۴۲)

محمد مراد منزلوی : الدرر المکنونات النفیسہ، جلد اول، مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء، جلد دوم و سوم ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء

محمد معصوم، خواجہ : مکتوبات معصومی جلد اوّل (جمع کمالات نبوت ۱۰۴۶ھ) قلمی، مکتوبہ ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء

جلد دوم (وسیلۃ السعادۃ ۱۰۷۳ھ)، قلمی، مکتوبہ ۱۱۱۰ھ/۱۶۹۸ء

جلد سوم (حکایات قطب زماں ۱۰۷۳ھ)، قلمی، مکتوبہ ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء

محمد معشوق حسین : حالات نور الدین جہاں گیر، مطبوعہ آگرہ

محمد منظور نعمانی : تذکرۂ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء

" " : تذکرۂ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، مطبوعہ لکھنؤ،

محمد موسیٰ امرتسری، حکیم : مقدمہ ترجمہ اُردو مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مطبوعہ کراچی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

محمد میاں، مولوی : علماء ہند کی شاندار ماضی، جلد اوّل، مطبوعہ مراد آباد ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

محمد نخاوی : الانوار القدسیہ فی مناقب سادۃ النقشبندیہ، مطبوعہ مصر ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء

محمد نیاز الدین : مکاتیب اقبال، مطبوعہ لاہور

محمد ہاشم علی خافی خاں : منتخب اللباب (اُردو)، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء

محمد ہاشم کشمی، خواجہ : زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء

" " : نسمات القدس من حدائق الانس (قلمی) ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء

محمد ہاشم ٹھٹوی : ذب ذبابات الدراسات عن المذاہب الاربعۃ المتناسبات، مطبوعہ کراچی ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء

محمود نظامی : ملفوظات، مطبوعہ لاہور

محی الدین ابن عربی : ترجمان الاشواق،

معین ٹھٹوی، مخدوم : نزہۃ الانظار فی براءۃ الابرار (قلمی)

مصطفیٰ صبری : موقف العقل والعلم والعالم، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء

مظہر الدین فاروقی : مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ، مطبوعہ دہلی ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء

مظہر جانِ جاناں، مرزا : مکتوبات شریف، مطبوعہ دہلی سنہ ۱۳۸۲ھ / سنہ ۱۹۶۲ء

مینوکی : فسانۂ سلطنت مغلیہ، مطبوعہ آگرہ، سنہ ۱۳۳۹ھ / سنہ ۱۹۲۰ء

منظور حسین عباسی : مخطوطاتِ فارسیہ، پبلک لائبریری، لاہور سنہ ۱۳۸۳ھ / سنہ ۱۹۶۳ء

نذیر نیازی : مکتوباتِ اقبال، مطبوعہ کراچی، سنہ ۱۳۷۷ھ / سنہ ۱۹۵۶ء

نظام الدین احمد : طبقات اکبری (سنہ ۱۰۰۱ھ)، مطبوعہ نول کشور سنہ ۱۲۹۲ھ / سنہ ۱۸۷۵ء

نظامی بدایونی : قاموس المشاہیر، جلد اوّل، مطبوعہ بدایوں، سنہ ۱۳۴۲ھ / سنہ ۱۹۲۴ء

وکیل احمد سکندر پوری : الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی، مطبوعہ دہلی سنہ ۱۳۱۲ھ / سنہ ۱۸۹۴ء

" " : ہدیۂ احمدیہ، مطبوعہ دہلی سنہ ۱۳۰۹ھ / سنہ ۱۸۹۱ء

" " : انوار احمدیہ، مطبوعہ دہلی سنہ ۱۳۰۹ھ / سنہ ۱۸۹۱ء

ولی اللہ شاہ دہلوی : قول الجمیل (ترجمہ اردو شفاء العلیل سنہ ۱۲۶۰ھ)، مطبوعہ دہلی

" " : انفاس العارفین، مطبوعہ دہلی سنہ ۱۳۳۵ھ / سنہ ۱۹۱۶ء

ولیم بیل : مفتاح التواریخ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۲۹۹ھ / سنہ ۱۸۸۱ء

ونسنک و منسنج : المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، مطبوعہ لیڈن سنہ ۱۳۸۲ھ / سنہ ۱۹۶۲ء

ہاشمی فرید آبادی، سید : تاریخ مسلمانان پاکستان وبھارت، جلد اوّل، مطبوعہ کراچی

ہدایت علی جے پوری : درّ لاثانی (تلخیص و ترجمہ مکتوبات امام ربانی) مطبوعہ اعظم گڑھ
سنہ ۱۳۵۷ھ / سنہ ۱۹۳۵ء، (حیدرآباد۔ سندھ۔ کراچی
سنہ ۱۹۶۳ء / سنہ ۱۳۸۳ھ)

Tripathi . *Rise and fall of the Mughal Empire*.1956
T.W Arnold : *The preaching of Islam*. lahore, 1956
Thomas Carlyle : *On Heroes and Hero-Worship*, London,1963
T.W Arnold : *The Legacy of Islam*, London,1952
W.H Moreland etc : *A Short History of India*. 1957
Yusuf Husain : *Glimpses of Medieval India*, Culture,1959
Yohannan Friedmann: *Shaikh Ahmed Sirhindi an Outline of His Thought and a study of his image in the Eyes of Posterity*, Montreal and London, 1971
Zubaid Ahmad : *The Contribution of India to Arabic literature*, Allahabad, 1945

الحمد للہ
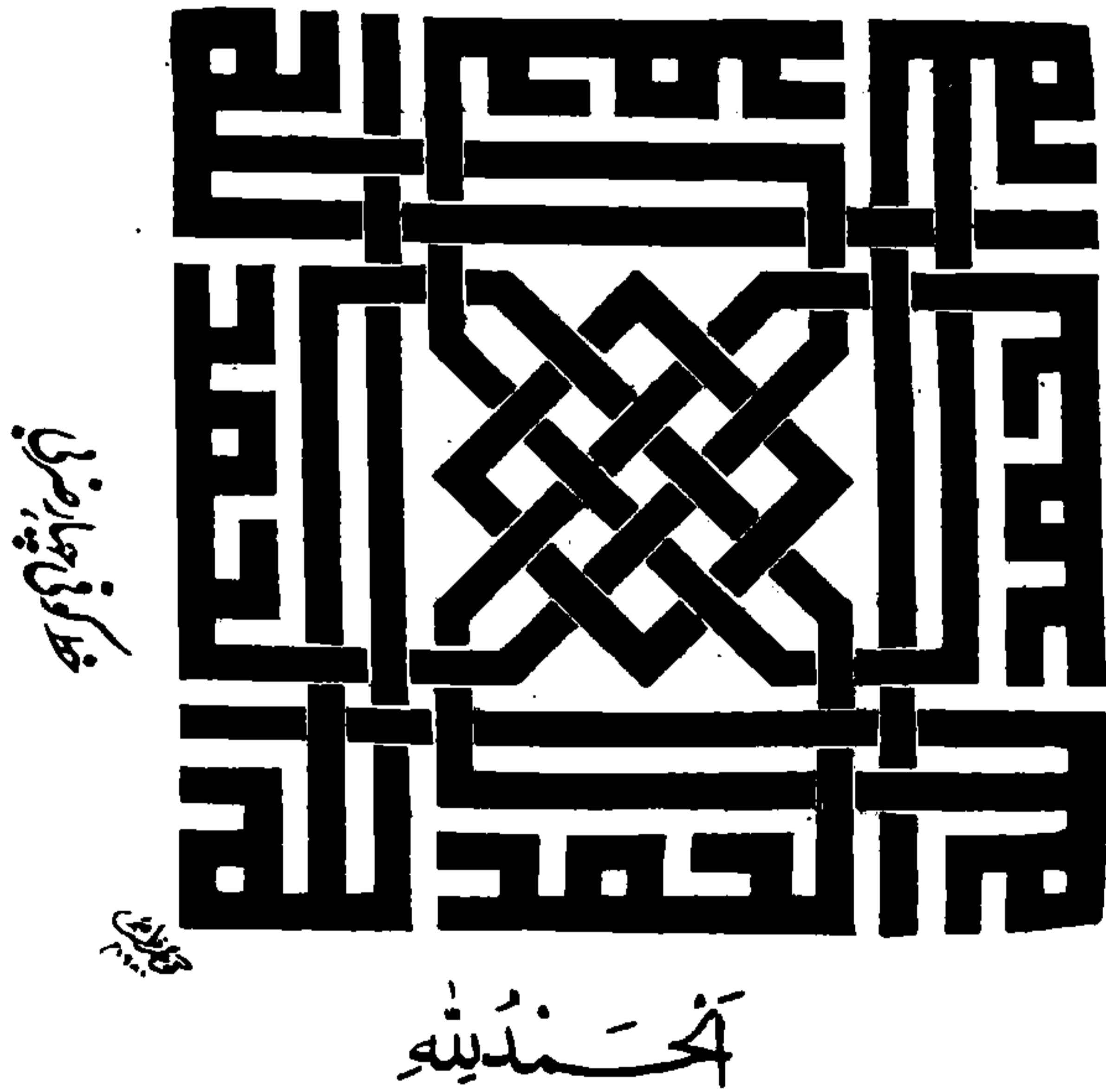
L.H. Qureshi: *The Muslim Community of the The Indo-pakistan Sub-Continents*. Hague. 1962
I.H. Qureshi : *Ulema in Politics*, Karachi, 1972
Ibn-e-Hasan : *The Central Structure of the Mughal Empire* London. 1935
Inayatullah : *Ahmad Sirhindi "The Encyclopeadia of Islam* Vol,I. Fascicul, 5
Iqbal ; *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* lahore, 1944

J.C. Powell Price: *A History of India*, London,1958
John A Subhan : *Sufism its Saints and Shrines*, lucknow,1938
J.Hastings : *Encyclopeadia of Religious and Ethics*, Vol, xl, New York, 1954
K.M. Panikkar : *A Survey of Indian History*, Bombay, 1960
Khawaja Jamil : *Hundred Great Muslim*, lahore
Louis : Massignon: *Kitab AL-Tawwasin*, 1913
Muhammad Yasin : *A Social History of Islamic India*, Lucknow, 1958
M.Mujeeb : *Indian Muslim*, London, 1967
M.A. Shakoor : *Our Decline and its Causes*, London, 1944
Olaf Caroe: *The Pathans*, New York, 1958
R.A. Nicholson : *The Secret of the self* , london, 1944
RA Nicholson : *Studies in Islamic Mysticism*, Cambridge,1970
Rom Landau : *The Philosophy of the Ibn Arabi*, London.1959
Sayyed Fayyaz Muhammad : *A Short History of Islam* karachi, 1960
Sri ram Sharma: *The Religious Policy of the Mughal Emperors*, Bombay, 1962
S.M Ikram : *History Of Muslim Civilization in India and Pakistan* lahore, 1961
s. Edwarders : *Mughal Rule in India*, lahore,1930
Theodre de Bary: *Sourcess of Indian Traditions*, New York,1959

BIBIOGRAPHY

A Waheed : *Iqbal His Art and Thought*, lahore. 1948
A.H Rizvi : *Muslim Revivalists Movement in northern India in the 16th and 17th Centuries*, lucknow, 1996
A.M.A, Shustry : *Outlines of Islamic Culture*, Banglore, 1938
Aziz Ahmad : *Religious and Political ideas of Sheikh.*
Ahmed Sirhindi : *Revista Degli Studi Orientafi*, Rome, 1961
Beale : *Oriental Biographical Dictionary*, calcutta, 1881
Bani Prashad : *History of Jahangir*, Allahabad, 1940
Board of Editors: *History of Freedom Movement*,Karachi,1957
C.A.Storey *The Persian Literature*, Vol. I,Part II,london,1953
Charles Rieu : *catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum* Vol. III, london,1883
Ethe : *Catalogue of the Persian Manuscripts in` the Library of India Office*, london.
Fazlur Rahman : *Selected Letters of Sheikh Ahmad Sirhindi,* karachi,1968
Feeland Abbot : "*The Decline of Mughal Empire and Shah waliullah*". The Muslim World U.S.A, April,1962
Freeland Abbot :"*The Jihad of Sayyed Ahmad Shahid*" The Muslim World, July, 1963
Freeland Abbot: "*Islam in India before Shah Walliullah*" Studies in Islam, New Delhi, April, 1969
G. Allana: "*Our Freedom Fighters*, Karachi, 1969
G.T. Garret : *The Legacy of India*, Oxford, 1951
H.A.R. Gibb : *Mohammadanism*, london,1955
Hafeez Malik ; *Muslim Nationalism in India and Pakistan.* washington. 1963
H. Beveridge : *The Akbar Nama, Calcutta*, 1910
Huseyn Hilmi Lsik : *The Religion Reformers*, Istambul,1970
Huseyn Hilmi Lsik : "*Endless Bliss*, Istambul, 1972

اَلجَذْبَہ الشَّوْقِیَّہ اِلیٰ الحَضْرَۃِ الْمُجَدِّدِیَّہ

١

فخر الکرام وقدوۃ لفتاھم — زین الخلیفۃ مقتدی دین الھدیٰ

یاخیر فرع نابت من دوحۃ — تنمی الیٰ فاروق نعم المقتدی

لما ولدت وشمس وجھک اشرقت — فلکان یومئذ بدا صبح الھدیٰ

وبنورھا ظلم الظلالی تقشعت — وظلام رجس الشرک جاء مشردا

قد کنت نور اللّٰہ بین عبیدہ — فبک اھتدیٰ منھم الیہ من اھتدیٰ

بک جاء اس الغی متقلعا کما — بک جاء بنیان الرشاد مشیدا

جمعت بین شریعۃ وطریقۃ — فاتیت فی کل ھما مامر شدا

وسعیت فی تمحیص کل منھما — فھما بذالک تانقا وتجودا

جددت مندرس الرسوم لدیننا — وکفی لمرء ان یکون مجددا

وکفی بمصحفک فی معارف حقہ — اودعتھا قولا متینا جیدا

شھدت بکونک فی الشریعۃ کاملا — صدعت بکونک فی الطریقۃ اوحدا

خضعت لھا الاعناق من فرسانھم — قبلوا وھم کانوا جھابذ نقدا

واللّٰہ فیض انت منبعہ الیٰ — یوم القیامۃ لایکون منفدا

نور بہ الدنیا اضاءت کلھا — لاینطفی ابدا ویبقی سرمدا

(محمد جان العمری البجری آبادی)

سپیدہ دم کہ ازیں خاکدان ظلمانی — علم کشید سر عرش روح سیلانی

چوں واپس آمدہ از سیر عالم بالا ! — بگوش ہوش من ازیں راز گفت پنہانی

کہ ساکنان فرادیس عالم بالا — کہ حاضران در بارگاہ سُبحانی !

ہمی برند طبق بر طبق پر از انوار ! ! — بدوش خویش ز درگاہِ خاص رحمانی !

بگفتمش کہ کجا می برند ایں انوار ! — جواب داد بعرس امام ربّانی !

بگفتمش کہ کدام ست آں امام کریم — بگفت شاہ مجدد امام ربّانی !

کدام شاہِ مجدد کہ بر در پاکش — شہان دہر و سلاطین کنند دربانی

کدام شاہ مجدد کہ پیش از وادرا — صلہ بگفت جناب حبیب رحمانی

کدام شاہ مجدد کہ کاملانِ جہاں — بر آستانۂ پاکش نہادہ پیشانی

کدام شاہ مجدد کہ خود بر وضۂ او — بہار باغ بیاید پے گل افشانی

باستفاضۂ فیضانش ذرہ ذرۂ خاک — بآفتاب دہد درس نور افشانی

بفیض او دل ذرہ بزعم خورشیدی — بلطفِ او دل قطرہ بجوشش عمانی

دلش بمعرفت حق چو بیکراں بحریست — کہ قطرہ قطرہ او قلزمی بطغیانی

تصور رُخ پر نور او بدل کردم ! ! — طبیعتم شدہ چوں آفتاب نورانی

مراز دولت جاہ ست دید نقش قدم — نشانِ راہ نجات است چین پیشانی

زداغ ہجر پیمبر مرا نشانی دہ ! ! — ز دردِ عشق خدا لذتی کن ارزانی ! !

بسوز عشق دلم را چو کوہِ طور بسوز ! ! — بشوق دیدنش آید کلیم عمرانی !

دلم بسینہ بگرداں چو طلزم خونیں — کہ قطرہ قطرہ بود زاں چو بحر طوفانی

ہزار جوشش زند ہمچو بحر طوفاں جوش | چناں دے بمن بیدلے کن ارزانی
بکن زنور یقیں خانۂ دلم روشن | چناں کہ مہر دہد ذرّہ را درخشانی :

عابد حسین عابدؔ سہوانی

(ماخوذ از الجذبۃ الشوقیہ الی الحضرۃ المجددیہ، مطبوعہ شاہی پریس، لکھنؤ، ص ۴ تا ۶ و ۱۰ تا ۱۲ ملخصاً، بشکریہ جناب مظہر علی خاں مظہرؔ لکھنوی)

باسمہ سبحانہ

حیات مسعود ملت مدظلہ،......ایک نظر میں

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف
(شعبہ اردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور)

○

مسعود ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ ایک عظیم علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں......روحانی اور نسبی دونوں نسبتیں صدیقی ہیں......علوم قدیمہ و جدیدہ کے جامع اور اپنی تحقیقی و تخلیقی تصانیف کے سبب دنیائے علم و دانش اور اپنے ہم عصروں میں نہایت محترم اور قد آور شخصیت کے مالک ہیں......

○

۱۹۳۰ء کو دہلی میں ولادت ہوئی، جد اعلیٰ فقیہ الہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء) انیسویں صدی کے ان عظیم علماء و صوفیہ میں تھے جنہوں نے چالیس سال تک اپنے علم و فضل اور روحانیت سے دہلی کی سرزمین کو منور رکھا......والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ (م۔ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) علوم اسلامیہ اور دیگر علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، فسادات کے زمانے میں جب شہر دہلی ویران ہو رہا تھا بے مثال صبر و استقامت سے اس کو آباد رکھا، مسجد جامع فتحپوری (دہلی) میں ۷۰ سال خطابت و امامت فرما کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ......ان کے فتاویٰ اور مکاتیب زندگی کے لیے رہنما اصول فراہم کرتے ہیں......

○

حضرت مسعود ملت نے قرآن کریم اور عربی و فارسی کی کتب والد ماجد سے پڑھیں اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت وخلافت اور عملیات کی اجازت کا شرف بھی حاصل کیا...... ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء تک مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری، دہلی میں درس نظامی کی تحصیل کی...... ۱۹۴۸ء میں مشرقی پنجاب یونیورسٹی (سولن) سے فارسی میں آنرز اور ۱۹۵۳ء میں پنجاب یونیورسٹی (لاہور) سے فاضل اردو کا امتحان پاس کیا، ۱۹۵۶ء میں اسی یونیورسٹی سے بی۔اے، ۱۹۵۸ء میں سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد (سندھ) سے ایم۔اے کیا اور ۱۹۷۱ء میں ''قرآن پاک کے اردو تراجم وتفاسیر'' کے عنوان سے ایک ضخیم تحقیقی مقالہ لکھ کر پی۔ایچ۔ڈی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔

○

۱۹۵۸ء میں گورنمنٹ کالج، میرپور خاص (سندھ) سے بحیثیت لیکچرار ملازمت کا آغاز فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنی علمی وانتظامی صلاحیتوں کے سبب ترقی کرتے ہوئے بہت جلد پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے...... آپ سندھ کے متعدد کالجوں میں پرنسپل رہے، نظامت تعلیم کراچی کی اردو نصاب کمیٹی کے ریویور، سندھ یونیورسٹی جامشورو (سندھ) کے بورڈ آف اسٹیڈیز کے ممبر، سندھ یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی لاہور، کی طرف سے بی اے، ایم۔اے اور گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے پبلک سروس کمیشن اور درجہ اول افسران کے ممتحن بھی مقرر ہوئے، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور میرس (سندھ) اور کراچی یونیورسٹی، کراچی کے ڈائریکٹر ریسرچ بھی ہیں...... دینی وعلمی خدمات پر پانچ گولڈ میڈل، ایک سلور میڈل

کے علاوہ صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی طرف سے ''سند اعزاز فضیلت ۱۹۹۲ء'' سے بھی نوازے گئے ...... ۱۹۹۲ء میں ایڈیشنل سیکرٹری وزارت تعلیم سندھ کے منصب پر فائز ہوئے، اسی سال ریٹائر ہوگئے اور خود کو خدمت دین کے لیے وقف کر دیا......

○

۱۹۹۱ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل ہوئی پھر پانچ بار حاضری نصیب ہوئی ...... ۱۹۹۴ء میں علامہ سید محمد علوی مالکی مکی (م ۔ ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء) سے مدینہ طیبہ میں خرقہ خلافت کا اعزاز حاصل ہوا...... سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں علامہ مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمۃ سے، سلسلہ قادریہ میں خواجہ سید زین العابدین شاہ گیلانی سے، سلسلہ چشتیہ میں حکیم سید اکرام حسین سیکری اور سلسلہ اویسیہ میں علامہ محمد فیض احمد اویسی سے اجازت حاصل ہے۔ خواجہ محمد صادق (اگہار شریف، آزاد کشمیر) سے دلائل الخیرات شریف کی اجازت بھی حاصل ہے...... آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے جام پلا پلا کر عالم اسلام کو خوب سیراب کر رہے ہیں، آپ کے مریدین کا حلقہ پاکستان کے متعدد شہروں کے علاوہ ہندوستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب، مسقط، دبئی، ابوظہبی، مصر، کینیڈا، ہالینڈ، اٹلی، شام، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ کے خلفاء میں اکثر ممتاز علماء و مشائخ اور نامور اہل قلم ہیں...... اولاد امجاد میں ایک صاحبزادہ ابوالسرور میاں محمد مسرور احمد (جانشین) اور تین صاحبزادیاں ہیں......

○

آپ کا تصنیفی اور تحقیقی کام عالم اسلام کے لیے عظیم سرمایہ ہے، آپ کے

علمی وتحقیقی مقالات کی تعداد چھ سو (٦٠٠) سے متجاوز ہے جو کہ بین الاقوامی اہمیت کے علمی وتحقیقی جرائد میں شائع ہوئے اس کے علاوہ پاکستان، ایران، فرانس اور اردن کے انسائیکلو پیڈیا میں بھی تحقیقی مقالات شامل ہوئے ...... امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے علمی وتجدیدی کارناموں کو جدید انداز میں پیش کر کے علمی دنیا سے ''ماہر رضویات'' کا خطاب پایا، اردو نثر کو مذہبی نکتہ سنجیوں سے ہمکنار کر کے قلم کاروں کو نئے انداز نگارش سے روشناس کرایا، امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ پر جدید انداز میں علمی وتحقیقی کتب کی تصنیف وترتیب کا سہرا بھی آپ کے سر ہے، حضرت مجدد الف ثانی کی حیات وخدمات اور مقامات کے حوالے سے شائع ہونے والا عظیم انسائیکلو پیڈیا بعنوان ''جہان امام ربانی مجدد الف ثانی'' (۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء) بھی آپ ہی کے زیر سرپرستی تیار ہو کر منظر عام پر آیا، آپ کی ادبی ودینی اور تاریخی خدمات ۵۰ سال پر محیط ہیں......

○

پندرہویں صدی ہجری کے آغاز سے اہم دینی اور معاشرتی مسائل کے حوالے سے ایک بین الاقوامی کتابی سلسلہ شروع کر کے تجدید واحیاء دین کی سعادت حاصل کی جس پر عالم اسلام کے جید علماء و مشائخ علامہ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد (دہلی، ہندوستان) ابوالحسن مولانا سلطان احمد مسعود چشتی (حافظ آباد، پاکستان) علامہ قمر الدین (بنگلہ دیش) وغیرہ نے منصب تجدید پر متمکن ہونے کا اعلان فرمایا......

○

حضرت مصنف کی تصانیف کے انگریزی، عربی، ہندی، سندھی، فارسی اور کئی زبانوں میں تراجم شائع ہو کر پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں، تصنیفات وتالیفات کی

تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہے جن میں ''سیرت مجدد الف ثانی''، ''فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں''، ''جان جاناں''، ''فتاوٰی مسعودیہ''، ''مکاتیب مظہریہ''، ''فتاوٰی مظہریہ''، ''محدث بریلوی''، ''تحریک آزادی ہند اور السواد اعظم''، ''شاہ محمد غوث گوالیاری''، ''مجدد الف ثانی حالات و افکار اور خدمات''، ''مجدد ہزارۂ دوم''، ''آخری پیغام''، ''تمدن ہند پر اسلامی اثرات''، ''موج خیال''، ''مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال'' اور ''دین فطرت'' وغیرہ قابل ذکر ہیں......

○

آپ کی نگرانی میں کئی اسکالرز پی ایچ۔ڈی اور ایم۔فل کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں، جبکہ خود آپ کی حیات اور علمی و ادبی خدمات پر بہار یونیورسٹی سے ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی نے ۱۹۹۷ء میں ڈاکٹریٹ کیا ہے اس کے علاوہ آپ کی حیات اور علمی و ادبی کارناموں پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں ''جہان مسعود''، ''منزل بہ منزل''، ''ولی نعمت مسعود ملت''، ''تخصصات مسعود ملت''، ''مسعود ملت اور رضویات''، ''مسعود ملت کے آثار علمیہ''، ''مسعود ملت اور امام احمد رضا''، ''مسعود ملت کی اردو نثر نگاری''، ''موجودہ صدی کے مجدد''، ''مجدد عصر''، ''مکتوبات مسعودی''، ''یادوں کے دریچے''، ''ملفوظات مسعود ملت''، ''تذکار مسعود ملت''، ''تذکرۂ مسعود''، ''کشکول مسعودی''، اور ''آئینۂ ایام'' وغیرہ شامل ہیں اب غیر مسلموں کے لیے سیرت رسول کریم ﷺ پر ''جان جہاں'' کے عنوان سے ایک تحقیقی کتاب قلم بند کر رہے ہیں ......آپ کی علمی خدمات کا احاطہ ان مخصوص سطور میں تو ناممکن ہے تاہم تفصیلات کے لیے ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی کا مقالہ ڈاکٹریٹ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جو ضیاء الاسلام

پبلی کیشنز، اردو بازار کراچی نے شائع کر دیا ہے......

○

آپ ممتاز بین الاقوامی علمی و اشاعتی اداروں، ادارۂ مسعودیہ کراچی، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی اور امام ربانی فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کراچی کے سرپرست اعلیٰ ہیں جبکہ الرابطہ انٹرنیشنل پاکستان کے صدر بھی ہیں، آپ کی سرپرستی میں ماہنامہ ''معارف رضا''، کراچی اور مجلّہ المظہر'' کراچی برابر شائع ہو رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف
(شعبہ اردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی)
بہاول پور

یکم جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ
۹؍جولائی ۲۰۰۵ء

إنما يخشى الله من عباده العلماء
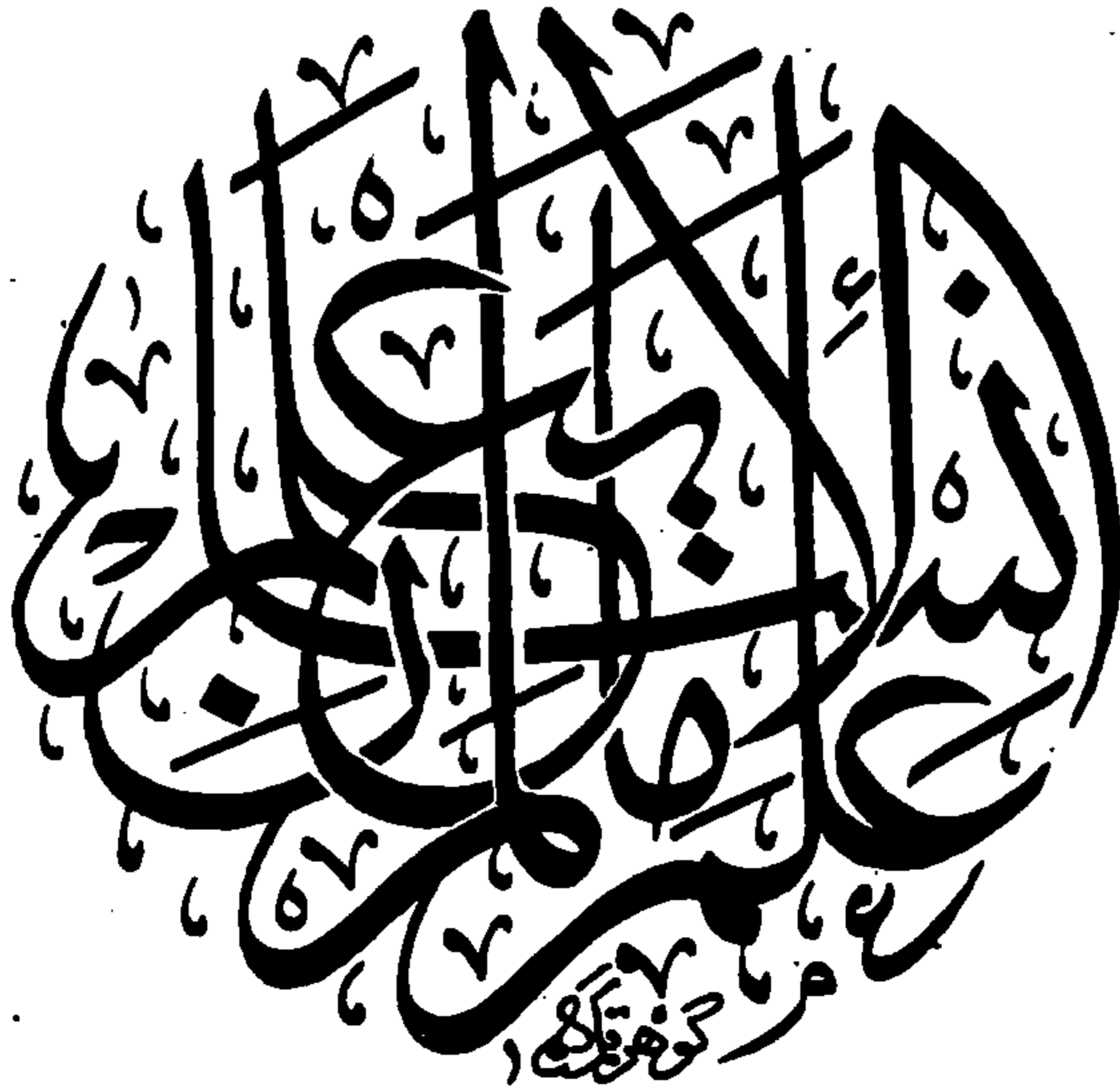
وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (بقرہ: ۱۰۵)
(اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ

حیات، علمی اور ادبی خدمات

ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی

مقالہ ڈاکٹریٹ بہار یونیورسٹی، بھارت۔ ۱۹۹۷ء

نگران

پروفیسر فاروق احمد صدیقی
شعبہ اُردو، بہار یونیورسٹی، بھارت

ضیاء الاسلام پبلیکیشنز
۱۔ ضیاء منزل (شوگن مینشن) آف محمد بن قاسم روڈ عیدگاہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (روم: ۲۲)

بیشک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لیے،

جہانِ امام ربّانی

مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

اقلیم اوّل

افتتاحیہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظر ثانی

محمد عالم مختار حق

امامِ ربّانی فاؤنڈیشن کراچی، اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا (مریم ۹۶)

بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب رحمٰن ان کے لیے محبت کر دے گا

جہانِ امام ربّانی

کوہر تلاش

مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

اقلیم دوم

مرتبین
صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد
مولانا جاوید اقبال مظہری
ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظر ثانی
محمد عالم مختار حق

امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط (بقرہ: ۱۰۵)

(اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے)

جہانِ امام ربّانی

کو ہر تاباں

مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

اقلیم سوم

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظر ثانی

محمد عالم مختار حق

امامِ ربّانی فاؤنڈیشن کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم (الفاتحہ)

ہم کو سیدھا راستہ چلا راستہ اُن کا جن پر تو نے احسان کیا۔

جہانِ امام ربّانی

مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

(نورعرفاں)

اقلیم چہارم

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظر ثانی

محمد عالم مختار حق

امام ربّانی فاؤنڈیشن کراچی اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: ۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو

جہانِ امامِ ربّانی

کرم تلاش

مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

انسائیکلوپیڈیا

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرِ ثانی

محمد عالم مختار حق

امامِ ربّانی فاؤنڈیشن کراچی، اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ (النور)

وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

جہانِ امامِ ربّانی

(رحمۃ اللہ علیہ)

مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ

اقلیم ششم

مرتبین

صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد

مولانا جاوید اقبال مظہری

ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری

نظرِ ثانی

محمد عالم مختار حق

امامِ ربّانی فاؤنڈیشن کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نُورٌ عَلٰی نُورٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُورِہٖ مَنْ یَّشَاءُ (النور: ۳۵)

نور پر نور ہے ، اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے

نُورٌ عَلٰی نُورٍ

کرم عمل

مُرقعاتِ جہانِ امامِ ربّانی مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ عنہ

مرتبہ

ابو السرور محمّد مسرور احمد

امامِ ربّانی فاؤنڈیشن کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشائخ نقشبندیہ

(بخارا، ازبکستان)

بشکریہ

شیخ صبور احمد محمودی

(مینیجنگ ڈائریکٹر: کراچی کیمیکل انڈسٹریز، کراچی)
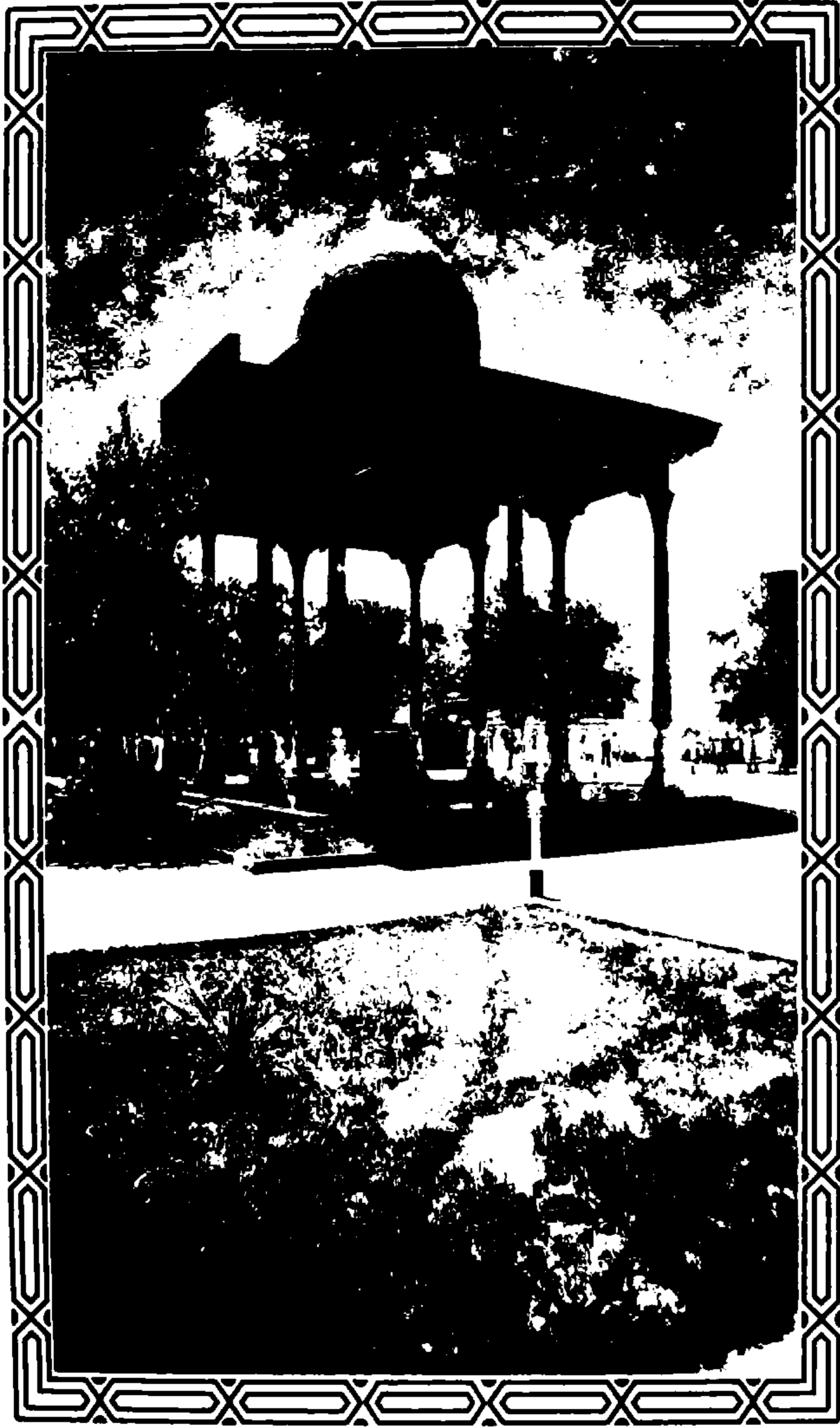
مزار مبارک شیخ عبدالخالق غجدوانی علیہ الرحمہ (م ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء)
مرشد کریم خواجہ محمد عارف ریوگری علیہ الرحمہ...... بخارا، ازبکستان
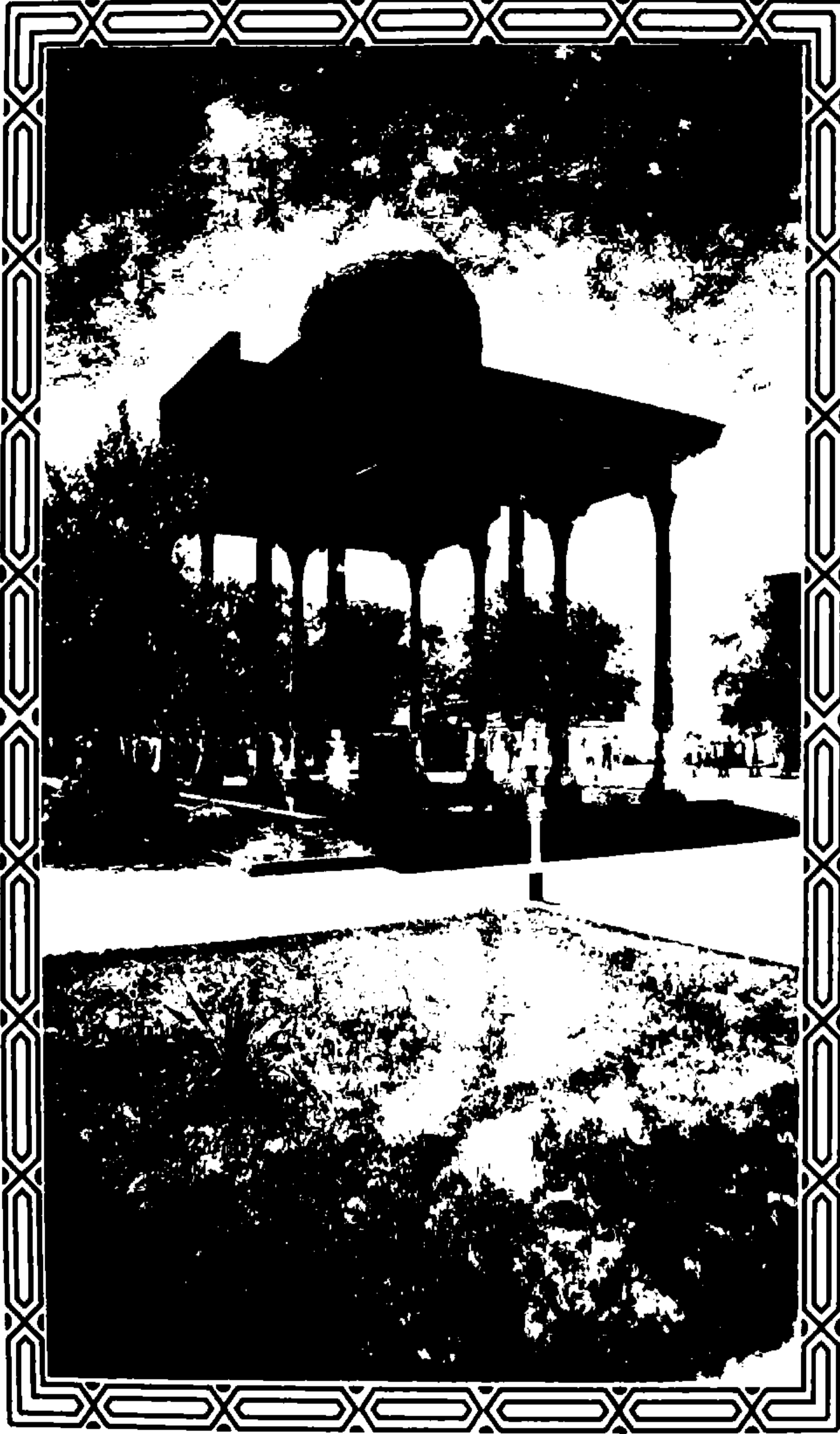
مزار مبارک شیخ عبدالخالق غجدوانی علیہ الرحمہ (م ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء)
مرشد کریم خواجہ محمد عارف ریوگری علیہ الرحمہ...... بخارا، ازبکستان

مزار مبارک خواجہ محمد عارف ریوگری علیہ الرحمہ (م۔ ۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء)

مرشد کریم خواجہ محمود انجر فغنوی علیہ الرحمہ...... بخارا، ازبکستان

مزار مبارک خواجہ محمود انجر فغنوی علیہ الرحمہ (م۔ ۷۱۱ھ/ ۱۳۱۱ء)

مرشد کریم خواجہ علی رامتینی علیہ الرحمہ...... بخارا، ازبکستان

مزار مبارک خواجہ محمود انجر فغنوی علیہ الرحمہ (م۔ ۷۱۱ھ/ ۱۳۱۱ء)

مرشد کریم خواجہ علی رامتینی علیہ الرحمہ...... بخارا، ازبکستان

کتبہ مزار مبارک خواجہ محمود انجر فغنوی علیہ الرحمہ
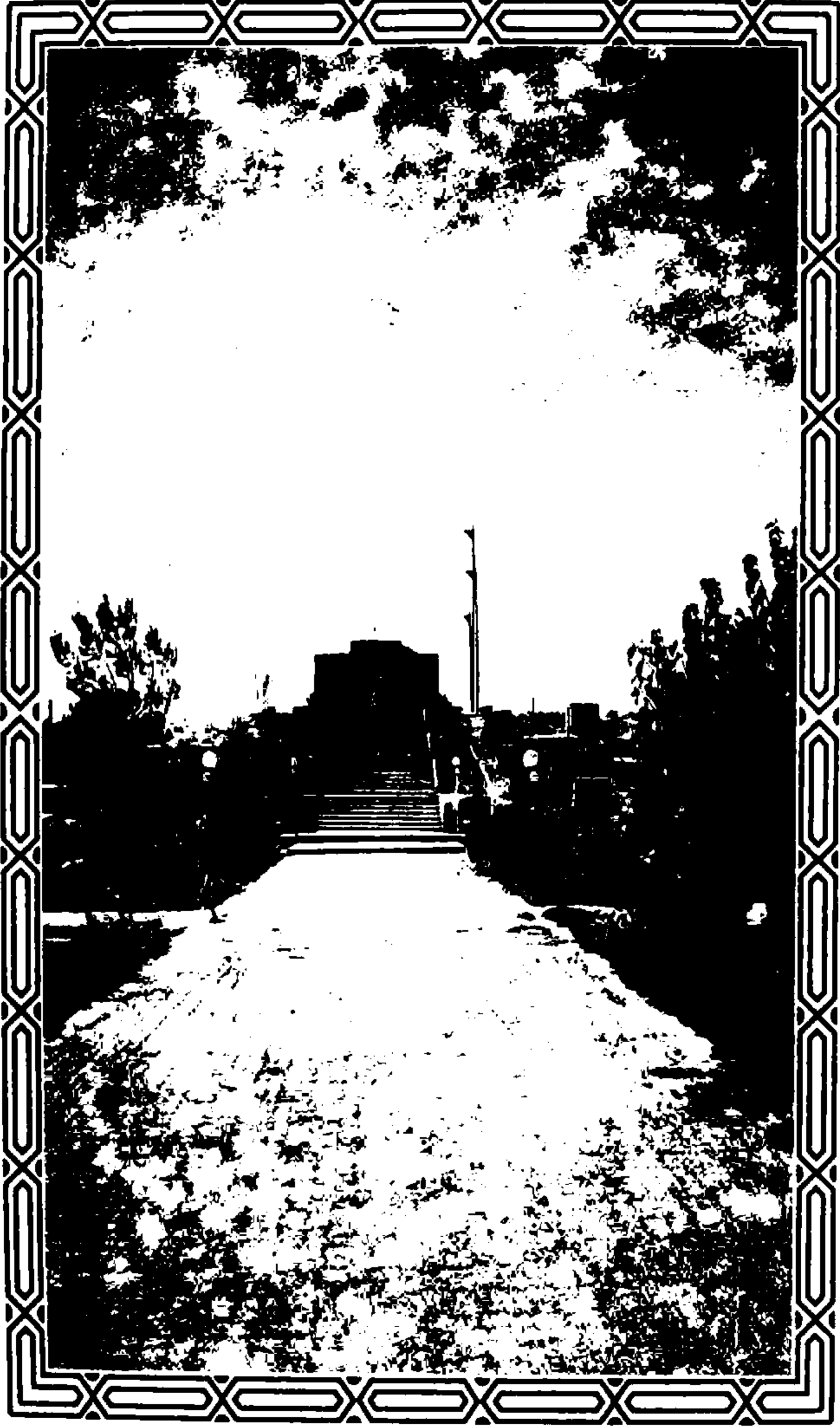
(م۔۷۱۷ھ / ۱۳۱۱ء)...... بخارا، ازبکستان

روضہ شریف خواجہ علی رامتینی علیہ الرحمہ (م۔ ۷۱۵ھ/ ۱۳۱۶ء)

مرشد کریم خواجہ محمد بابا سماسی علیہ الرحمہ...... بخارا، ازبکستان
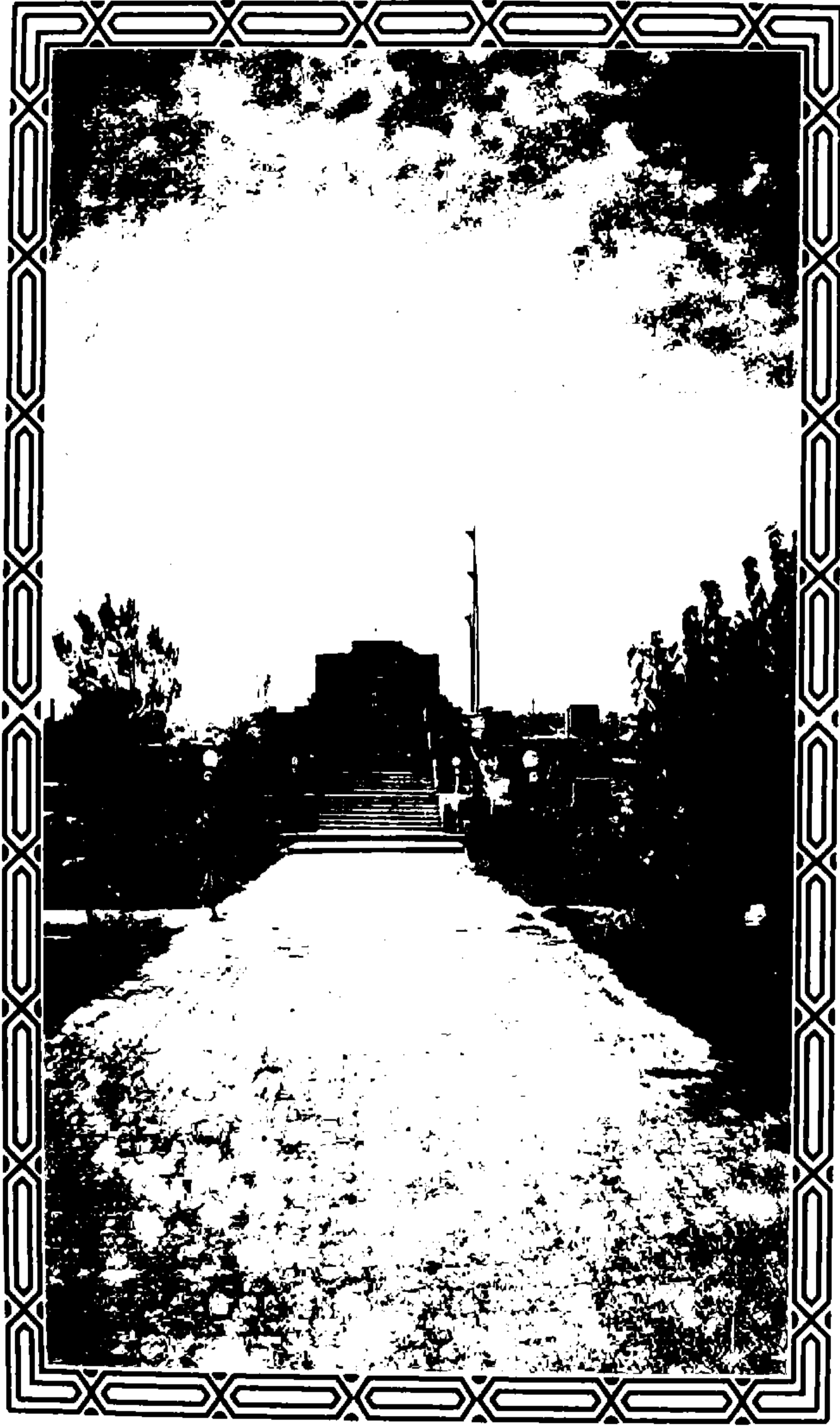
روضہ شریف خواجہ علی رامتینی علیہ الرحمہ (م۔ ۷۱۵ھ/۱۳۱۶ء)

مرشد کریم خواجہ محمد بابا سماسی علیہ الرحمہ..... بخارا، ازبکستان

مزار مبارک خواجہ علی رامتینی علیہ الرحمہ

(م ۔ ۷۱۵ھ/۱۳۱۶ء)...... بخارا، ازبکستان

روضہ شریف خواجہ محمد بابا سماسی علیہ الرحمہ (م۔ ۷۵۵ھ/ ۱۳۵۴ء)

مرشد کریم سید امیر کلال علیہ الرحمہ...... بخارا، ازبکستان

روضہ شریف خواجہ محمد بابا سماسی علیہ الرحمہ (م۔ ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء)

مرشد کریم سید امیر کلال علیہ الرحمہ...... بخارا، ازبکستان
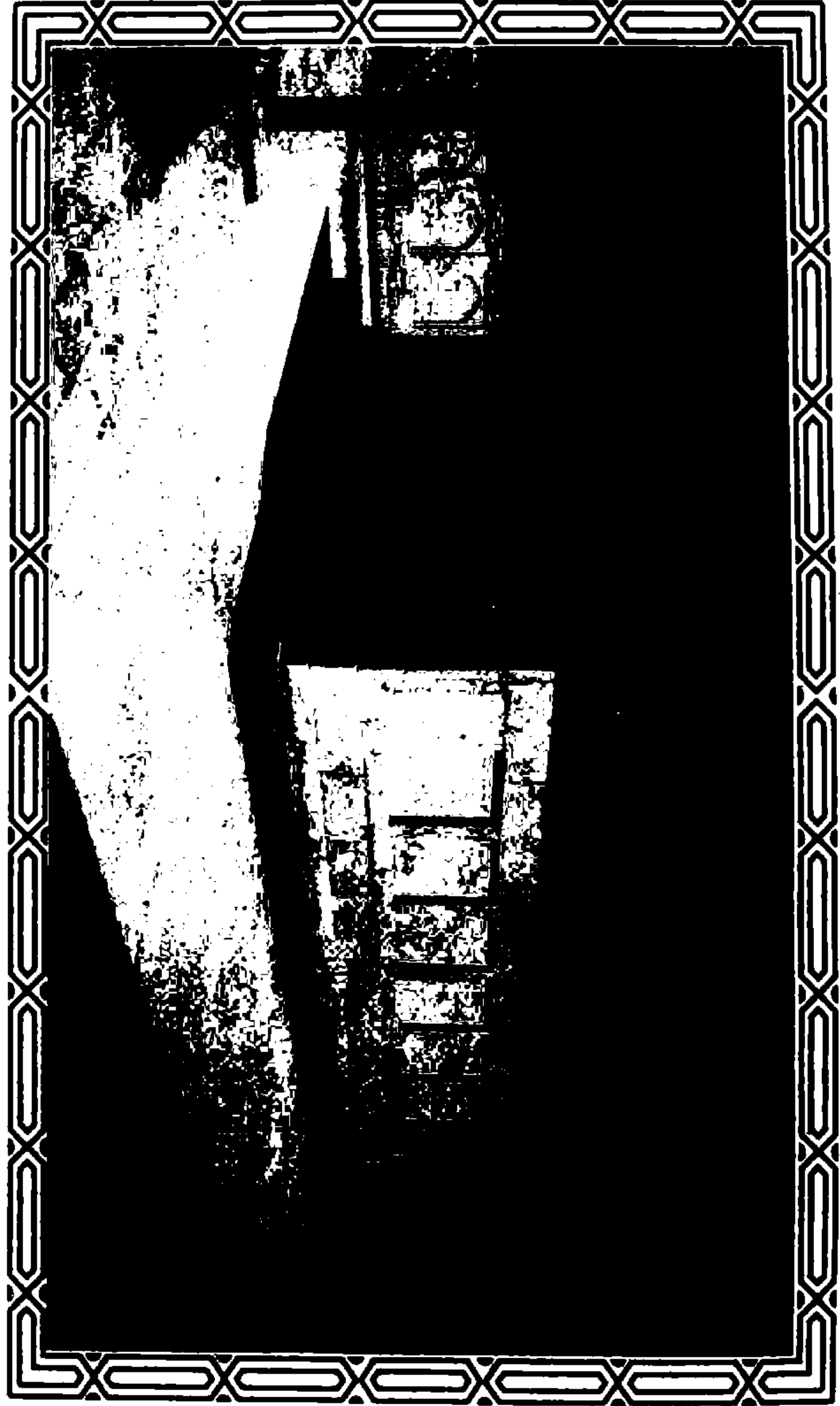
مزار مبارک خواجہ محمد بابا سماسی علیہ الرحمہ

(م ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء)...... بخارا، ازبکستان

روضہ شریف خواجہ سید امیر کلال علیہ الرحمہ (م ۷۷۲ھ/۱۳۷۰ء)

مرشد کریم خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ...... بخارا، ازبکستان

روضہ شریف خواجہ سید امیر کلال علیہ الرحمہ (م ۷۷۲ھ/۱۳۷۰ء)

مرشد کریم خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ...... بخارا، ازبکستان
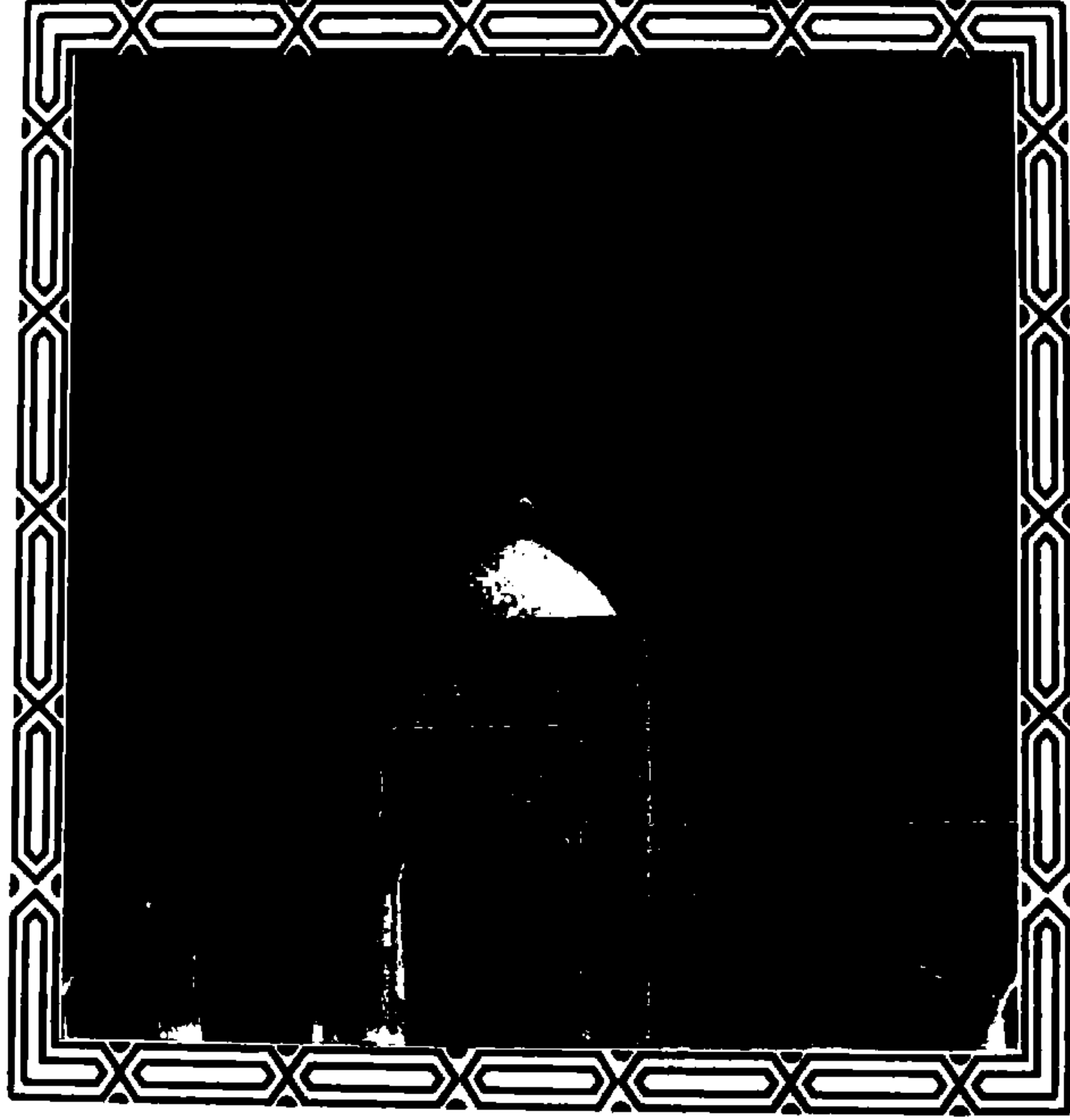
دروازہ مزار مبارک خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ

(م۔۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء)......بخارا، ازبکستان

مزار مبارک خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ

(م۔ ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء)...... بخارا، ازبکستان

مزار مبارک خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ

(م ۔۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء)......بخارا، ازبکستان

قبر شریف خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ
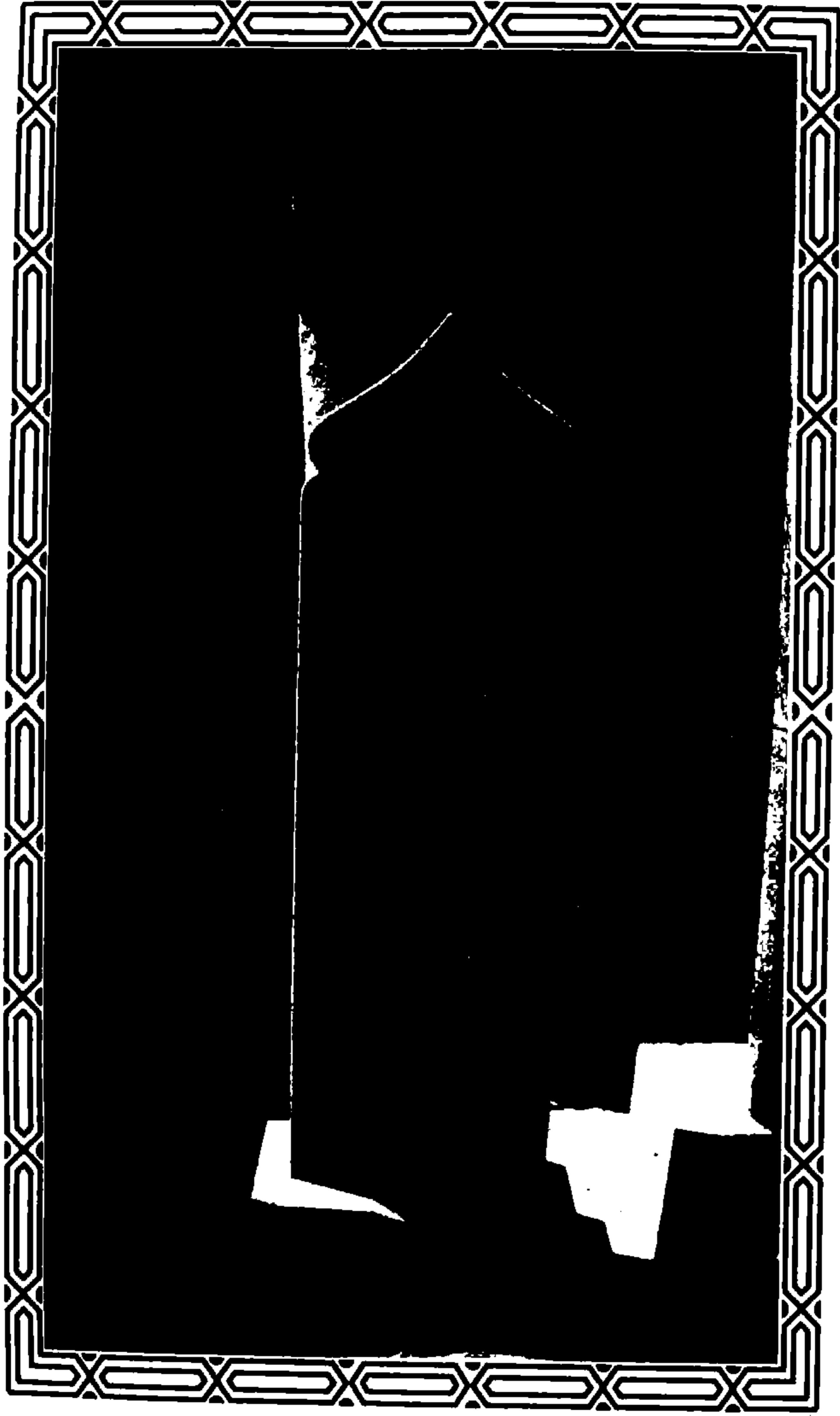
(م۔ ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء)...... بخارا، ازبکستان

کتبہ مزار مبارک خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ

(م۔ ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء)...... بخارا، ازبکستان
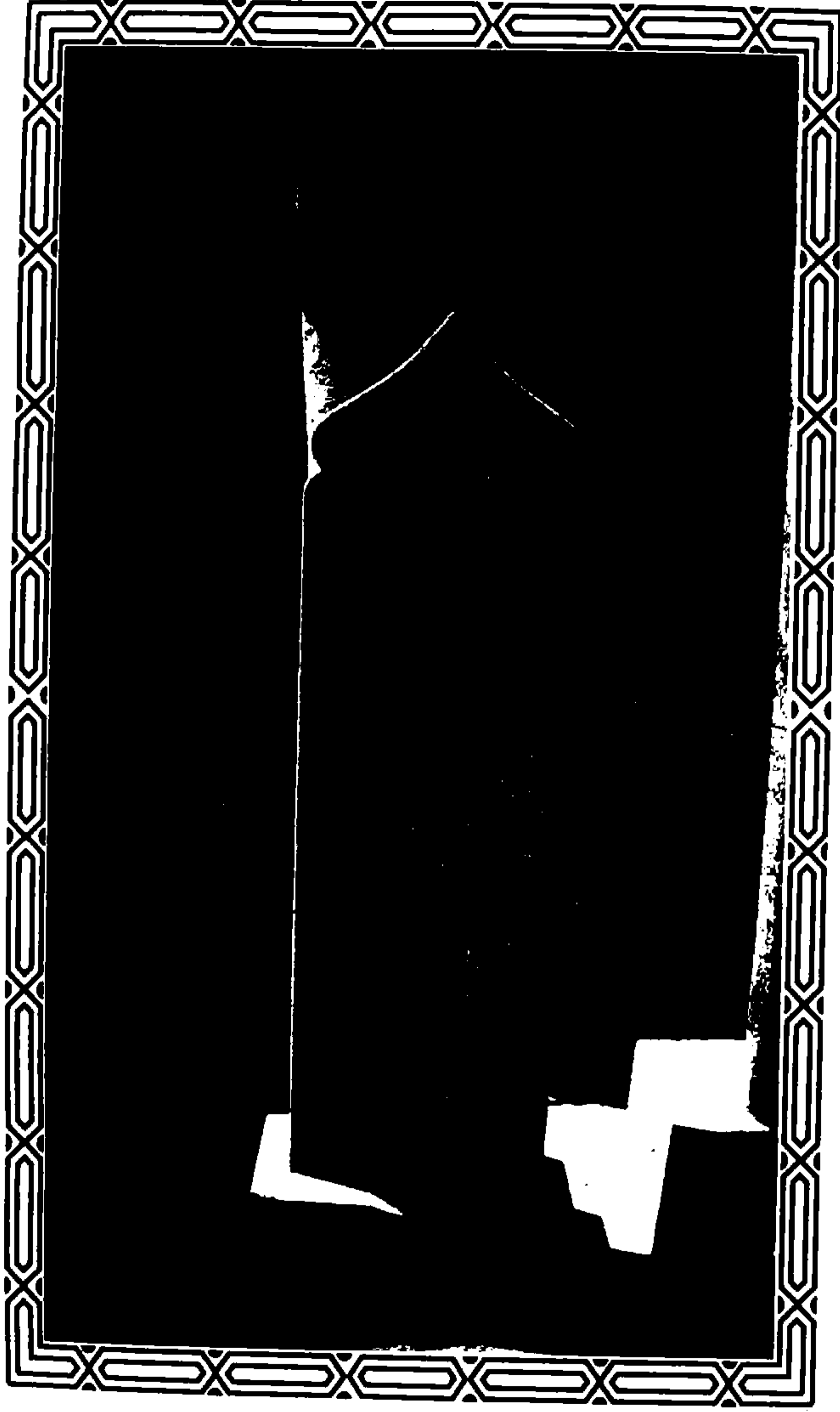
کتبہ مزار مبارک خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ

(م۔۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء)......بخارا، ازبکستان

چھت احاطۂ مزار مبارک خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہ الرحمہ

(م-۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء) ..... بخارا، ازبکستان

مزار مبارک والدۂ ماجدہ خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہما الرحمہ

بخارا، ازبکستان

مزار مبارک والدۂ ماجدہ خواجہ بہاء الدین نقشبند علیہما الرحمہ

بخارا، ازبکستان